شمرانہ

ذکیہ صدیقی

ثمرانہ

ذکیہ صدیقی

بار اوّل ــــــ تعداد ۲ ہزار

ناشر ــــــ ذکیہ صدیقی

کاغذ ــــــ سائز ۲۲×۱۸/۸

پرنٹر ــــــ سیّد مظفر اقبال

خوشنویس ــــــ صالح محمد جمالی ملتانی

مطبع، سیّد الیکٹرک پریس بیرون حرم گیٹ ملتان

(آفسٹ پرنٹنگ)

ملنے کا پتہ

نشیمن ادب 110/A گل گشت ملتان، یا 21/A گل گشت، ملتان

دیباچہ

بہت عرصہ ہوا "اخبار خواتین" میں ایک افسانہ "پچھتاوے" پڑھا تو چونک اُٹھی۔ تحریر میں ایسی پختگی تھی کہ یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ مصنّفہ کا پہلا افسانہ ہے۔ ابھی اس افسانے کا تاثر ذہن پر قائم ہی تھا۔ ایک پارٹی میں دُبلی پتلی بڑی بڑی آنکھوں والی ذکیہ صدّیقی سے ملاقات ہوئی۔ اِس کے بعد ان کی پینٹنگ نے متاثر کیا۔ پھر اُن کے ڈرائنگ روم میں ان کی دستکاری کے جوہر دیکھے تو بے ساختہ کہہ اُٹھی۔ "اللہ نظرِ بد سے بچائے"۔ ذکیہ صدّیقی ایک ایسی فن کارہ ہیں جو جس چیز کو ہاتھ لگا دیں اُس میں جدّت پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ جب اُن کی پینٹنگ دیکھیں تو سوچیں گے یہ اُن کے فن کی معراج ہے، جب ان کے ہاتھوں کے کڑھے ہوئے خوبصورت پھول دیکھیں تو خیال آتا ہے بس ان کے کمال کی انتہا یہ ہے۔

لیکن آج ذکیہ صدّیقی کا پہلا ناول "ثمرانہ" جب پڑھا تو قدرت کی اِس تخلیق یعنی ذکیہ صدّیقی پر رشک آیا، جو ہر فن مولا ہیں!

وہ خود بھی مشرقی عورت کا ماڈل ہیں اور ان کا یہ ناول بھی ایک خالص مشرقی

عورت کے کردار کو اُجاگر کرتا ہے۔ وہ عورت جو بچپن سے ہی بزرگوں کی مہربانی سے مقیّد ہو جاتی ہے۔ جس کی سب سوچیں، سب اُمیدیں اپنے منگیتر سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور جب یہی منگیتر شوہر کا رُوپ اختیار کرتا ہے تو ایسا مرد بن جاتا ہے جسے کلی کلی پر منڈلانے والا بھنورا کہا جاتا ہے۔ اپنے شوہر کی سب کمزوریوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی وہ ایک مشرقی عورت کی طرح اُسے پوجتی ہے۔" آخر صبر کا پیمانہ چھلک جاتا ہے۔

ثمرآنہ پھر کیا کرتی ہے؟ یہ آپ اِس ناول کو پڑھ کر معلوم کریں۔ میں یہ نہیں کہتی، یہ ذکیہ صدیقی کا شاہکار ہے! لیکن یہ ضرور کہوں گی، پہلے ناول میں ایسی روانی، ایسی دلچسپی قائم رکھنا ذکیہ صدیقی کا ہی کام ہے!

کاش، ان کا جسم ان کی رُوح کا ساتھ دے اور وہ جلد ہی ادبی دُنیا کو اپنے شاہکار سے نوازیں!

ثریّا جبین

۱۸ مئی سنہ ۱۹۶۹ء

میری عزیز بہنوں!

میں بہت ڈرتے جھجکتے ہوئے اپنا پہلا ناول آپ کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں کیا آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحے نکال کر مجھے اپنی رائے سے مطّلع کرنا پسند کریں گی؟

میں آپ لوگوں کی تنقید اور تبصرے کی منتظر رہوں گی!

آپ کی تنقیدی تحریریں آئندہ مجھے کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ آپ کے خطوط کی روشنی میں میں اپنی تحریریں اصلاح کر سکوں گی۔

شکریہ!

ذکیہ صدیقی

۱۱۰/اے۔ گل گشت
ملتان

اشک چپکے سے بھگو دیں گے تمہارا دامن
جب تمہیں میری وفاؤں کا خیال آئے گا!

جہاز آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا۔ اور میرے خیالات کی پرواز اس سے بھی کہیں زیادہ بلند تھی، میں آج ایک اجنبی دیس کی طرف جا رہی ہوں۔

اپنے ماں باپ، اپنا وطن، اپنی یادیں، اپنا ماضی، اپنا سب کچھ چھوڑ کر۔

...... اپنی کائنات کامران اور اپنے ننھے منّے پھول سے دو بچے...... سب ہی کچھ تو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ اجنبی دیس میں، خوشیوں کی تلاش میں! کیا مجھے اس دیس میں خوشیاں مل سکیں گی؟...... جہاں کے لوگ، جہاں کی زبان، جہاں کی سرزمین، سب کچھ میرے لئے اجنبی ہو گی.....

میں کس اُمید پر جا رہی ہوں؟ جب مجھے اپنے وطن میں اور اپنوں ہی سے خوشیوں کے بجائے غموں کے خزانے ملے، پھر پرائے دیس کے پرائے لوگوں سے کیا اُمید؟

یہ میری زندگی کا کس قدر دردناک سانحہ ہے کہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر، اپنا سب کچھ لُٹا کر جا رہی ہوں۔ اور مجھ کو الوداع کہنے کوئی بھی تو ایئرپورٹ پر نہ آیا۔ جہاز کی پرواز کے وقت سینکڑوں ہاتھ فضا میں لہرائے اپنے پیاروں کو الوداع کہنے کے لئے — لیکن اس میں کوئی ہاتھ میرے لئے نہیں تھا...... اس وقت احساسِ تنہائی اور بھی شدید ہو رہا ہے۔ یہ احساسِ تنہائی تو ہمیشہ ہی رہا۔ بہت سے لوگ اپنے ہو کر بھی اپنے نہ ہو سکے۔ کوئی

میرے دل کی تنہائیوں کو دُور نہ کر سکا۔ کسی کو اس میدانِ کارزار میں اتنی فرصت نہ ملی جو میرے دل میں جھانک کر میرے جذبات کو سمجھ لیتا۔ جو تنہائی میری رگ رگ میں بسی ہوئی ہے، اس کو دُور کر دیتا۔ جو میری زندگی کا ساتھی تھا، جو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارا تھا جس کے اوپر میں اپنی ہر خوشی ہنس کر قربان کر دیتی تھی جس کی خدمت میں میں نے دن اور رات ایک کر دیئے جب وہی میرے جذبات کو نہ سمجھ سکا، میری محبّت کی قدر نہ کر سکا، میرے دل میں جھانک کر کبھی یہ نہ دیکھ سکا کہ یہ کیسا احساسِ تنہائی ہے جو اس کی رگ رگ میں پیوست ہو چکا ہے۔ یہ کون سا جذبہ ہے جو اس کو اتنا خاموش رکھتا ہے۔ ہر وقت مسکرانے والی لاابالی سی لڑکی اس قدر سنجیدہ اور معمّر سی کیوں نظر آنے لگی۔ اس کے دل کو کیا غم ہے اور اس کا مداوا کیا ہے؟

یہ سب کچھ سوچنے کے لئے میرے جیون ساتھی، میرے پیارے کامرآن کے پاس وقت ہی کہاں تھا۔ وہ تو دُنیا کی رنگینیوں میں اتنا کھو گیا تھا کہ ان کو یہ بھی یاد نہ تھا کہ اس کی ہمدرد، غمگسار اور چاہنے والی بیوی جس کے بغیر خود کامرآن کو بھی ایک لمحہ چین نہ آتا تھا۔ اپنے آپ کو کیا کیا روگ لگا بیٹھی ہے۔ اپنے شب و روز کس طرح رو رو کر گزار رہی ہے اور جو اب اس سے کوسوں دُور ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن کامرآن کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ یہ کمزور سی لڑکی اتنا بڑا بھی قدم اٹھا سکتی ہے!

میں نے کامرآن کو اپنے جانے کی اطلاع دی تھی۔ میں ان کو اور اپنے پیارے بچّوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن کامرآن نے میری اس خواہش کا ذرا بھی احترام نہ کیا۔ خود مجھ کو الوداع کہنے کے لئے آجاتے یا بچّوں کو ہی ایک نظر دیکھنے کے لئے بھیج دیتے۔ انہوں نے تو ایسی خاموشی اختیار کر لی تھی جیسے ان کا کبھی اپنی بیوی سے (جو کبھی انہیں بہت پیاری تھی) کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ میں ایک طویل مدّت کے لئے یا شاید ہمیشہ کے لئے اتنی دُور جا رہی ہوں۔ اور اپنے دل میں کامرآن اور بچّوں کو دیکھنے کی حسرت دل میں لئے ہوئے۔

بہت ممکن ہے کامران نے یہ سوچا ہو کہ یہ کمزور سی لڑکی جو بہت کم ہمّت ہے اتنا بڑا قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ اگر ان کو میرے مصمّم ارادے کا یقین ہو جاتا تو وہ ضرور میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے آپ اگر نہ بھی آتے تو بچوں کو ہی بھیج دیتے جن کو ایک نظر دیکھنے کے لیے میں تڑپ رہی تھی۔ جو ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو رہے ہیں۔ ماں باپ کو تو کوئی اطلاع ہی نہیں دی تھی۔ اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا تو بہت ممکن تھا کہ میں اپنے اس قدم کو عملی جامہ نہ پہنا سکتی اور ایک مرتبہ پھر زندگی کی تلخیاں سمیٹنے کے لیے پاکستان میں رہ جاتی۔ میں تو اپنا ماضی اور اپنے آپ کو بالکل بھول جانا چاہتی تھی۔ میں ان تلخیوں کو اپنے ذہن کے کسی گوشے میں ذرا سی بھی جگہ نہیں دینا چاہتی تھی جن کے نیچے میں دس سالوں تک دبی رہی ہوں، اسی لیے میں نے اس نئی زندگی کے آغاز کے لیے ایک نئے ملک کا انتخاب کیا ہے، جہاں کے لوگ نئے ہیں۔ جہاں کی تہذیب نئی ہے۔ جہاں کی ہر چیز نئی ہے۔ میں وہاں جا کر ماضی کی تلخیوں کو ضرور بھلا دوں گی۔ میں اپنے آپ کو بھول جاؤں گی۔ میں اپنے بچوں کا اور کامرآن کا خیال بھول کر بھی دل میں نہیں لاؤں گی۔ مجھے بھی اس دُنیا میں جینے کا اور خوش رہنے کا حق حاصل ہے، میں اپنا یہ حق لے کر رہوں گی۔ میں نے تو اپنی خوشیوں کا جال صرف کامرآن کے ہی گرد بُن رکھا تھا۔ میں کامران کے بغیر تو اپنی کسی خوشی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی، میرے تو کبھی ذہن میں بھی نہیں آیا تھا کہ زندگی میں کبھی ایسا بھی کوئی دُور آئے گا جب میں کامرآن کے بغیر خوشیوں کی تلاش میں نکل جاؤں گی۔ ...... یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا مگر ہائے .... یہ کیسی کایا پلٹ ہو گئی کہ آج میں کامران کے بغیر خوشیوں کی تلاش میں جا رہی ہوں!

میں کامرآن کے خیالوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں، مگر ذہن میں بار بار کامرآن کا پیارا مسکراتا ہوا چہرہ آ جاتا ہے۔ میں سر کو جھٹک کر اپنے آپ کو خالی الذہن کرنا چاہتی ہوں، میں خوش آئند تصوّرات میں کھو جانا چاہتی ہوں کہ نئی جگہ جا کر نئی زندگی کا آغاز کروں گی

جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔ ہر طرف مسرّتوں کی بارش ہو گی۔ جہاں کامران کی تکلیف دہ یادیں نہیں ہوں گی......

اُف! یہ کامران پھر میرے ذہن میں آگیا۔ میں اسے بھلا دینا چاہتی ہوں۔ میں اس کے تصوّر کو ذرا سی دیر کو بھی بسانا نہیں چاہتی، مگر ہائے اللہ! یہ کیسا ظلم ہے۔ میں اسے کیوں نہیں بھول سکتی۔ اس کا خیال آتے ہی میرا دل کیوں ڈوبنے لگتا ہے۔ یہ سوچیں میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتیں؟

اور ایک مرتبہ پھر کامران کے خیالوں کے تانے بانے مجھے اُلجھانے لگے

"محترمہ! آپ بہت اپ سٹ معلوم ہوتی ہیں۔" ایر ہوسٹس کی مترنّم آواز آئی۔ "وطن چھُوٹنے کا بہت افسوس ہے؟ باہر کی دنیا بہت حسین ہے۔ بہت پیاری ہے آپ بہت جلد اپنے وطن کو بھُول جائیں گی!"

میں اپنے خیالوں سے چونکی۔ میں تو بُری طرح رو رہی تھی۔ اس کا تو مجھے احساس ہی نہیں تھا۔ مجھے تو خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں اس قدر بُری طرح رو رہی ہوں اور جہاز میں بیٹھے ہوئے لوگ مجھے ہمدردی سے دیکھ رہے ہیں!

ایر ہوسٹس کی ہمدردی پاکر ضبط کے جو بندھن تھے وہ بھی ٹوٹ گئے اور میں مُنہ چھپا کر ہچکیاں لینے لگی۔

وہ میری سیٹ کی ہتھی پر بیٹھ گئی اور مجھے تسلیاں دینے لگی۔

"آپ اتنی اُداس کیوں ہیں؟"——— اس نے ہمدردی سے پوچھا!

اس کے جواب میں میرے پاس صرف ہچکیاں اور آنسو ہی تھے۔

"وطن چھوٹنے کا غم تو ہوتا ہے۔ لیکن اس غم میں اپنے آپ کو ہی نہ بھلا دیجیے، نئی دُنیا کا تصوّر کیجیے۔ اپنے روشن مستقبل کی طرف دیکھئے۔ جو پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کو بھُول جائیے۔ اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کیجیے!"——— ایر ہوسٹس نے پیار سے کہا۔

"جوس پی لیجئے، اس سے دل ٹھہرے گا"

اور وہ جوس لینے کے لئے چلی گئی!

اور میں ـــ ایک بار پھر ماضی کے اندھیروں میں گم ہو گئی۔

ماضی .... جو بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ جس میں تلخیاں بھی ہیں اور مٹھاس بھی!

.... اور مجھے سب ہی کچھ تو یاد ہے۔ بزرگوں کی زبانی بے شمار مرتبہ سُنی ہوئی اپنے بچپن کی کہانیاں مجھے سب یاد ہیں۔ جب میں گدّے پر لیٹی آغوں آغوں کیا کرتی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس وقت بھی مجھے شعور تھا اور وہ سُنے سنائے واقعات جیسے میرے سامنے ہی رونما ہوئے تھے!

اور میں پھر سوچوں میں گم ہو گئی!

اَب سے تقریباً تیس سال پہلے ....

مسہری پر مچھر دانی لگی ہوئی ہے۔ اس میں امّی ایک پیاری سی نوزائیدہ بچّی کو لئے لیٹی ہے۔ گھر میں اس چھوٹی بچی کی آمد سے بڑی رونق دکھائی دے رہی ہے۔ ہر ایک کو یہ ننھی مُنّی گڑیا بہت پیاری لگ رہی ہے۔ ہر شخص بہت خوش ہے۔ کبھی کوئی اس کے گال چھُو کر چلا جاتا ہے۔ کبھی بچے اسے گود میں لینے کے لئے لڑتے ہیں اور وہ بچی ان سب باتوں سے بے خبر اپنے خوابوں میں کھوئی ہوئی ہے۔ کبھی سوتے میں مُنہ بنا کر بسورنے لگتی ہے۔ کبھی مسکرانے لگتی ہے۔ کوئی بہت ہی پیارا خواب دیکھ کر!

اس کی دُنیا میں آمد پر کئی دنوں تک خوشیاں منائی جاتی رہیں۔ کسی کو نہیں معلوم، کہ اس پیاری سی گڑیا کا مستقبل کیا ہوگا۔ اور وہ سوتے میں شاید مستقبل کی خوشیاں دیکھ کر مسکراتی ہے اور مستقبل کی تاریک راہیں اس بے چاری کو مُنہ بسورنے پر مجبور کر دیتی ہے کون جانے اس کے خوابوں میں کیا ہے۔ ہر آنے والا اس کو ہمیشہ خوش رہنے اور طویل عمر ہونے کی دُعائیں دیتا ہے۔ یہ کسے معلوم کہ اس میں قبولیت کی گھڑی کونسی ہے۔ ہمیشہ خوش رہنے کی دُعا قبول ہوگی یا طویل عمر پانے کی؟..... کیا دونوں دُعائیں قبول ہو سکتی ہیں؟ یہ بھید کون جانتا ہے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکے گا!

کریمن بوا نے اطلاع دی کہ خالہ امّی آئی ہیں۔
اور ان کو امّی نے اسی کمرے میں بلوا لیا۔ امّی کو یوں لیٹا ہوا دیکھ کر وہ گھبرا گئیں
"کیوں عمرانہ خیر تو ہے، اس وقت کیسے لیٹی ہو؟"
لیکن دُوسرے ہی لمحے بچی پر نظر گئی۔ اور دوڑ کر اس کو گود میں اُٹھا لیا۔
"کیسی پھُول سی پیاری بچی ہے! ماشاءاللہ! اور مجھے اس کی اطلاع بھی نہیں دی ——؟
امّی نے کہا:۔
"آپ تو خود ہی اس ہفتے یہاں پہنچنے والی تھیں۔ اس لئے اطلاع نہیں دی۔ بغیر اطلاع کے اپنی بھانجی کو دیکھ کر آپ کو زیادہ خوشی ہوگی!"
خالہ امّی کو بچی کچھ زیادہ ہی پسند آ رہی تھی۔ وہ مسلسل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں:۔
"اس کا نام کیا رکھو گی؟ اپنے نام سے ملتا ہُوا رکھنا!"
پھر امّی نے بتایا کہ اس کا نام "ثمرانہ" تجویز ہُوا ہے۔
خالہ امّی کو یہ نام بہت پسند آیا۔ وہ کہنے لگیں:۔
"یہ نام مجھے بھی بہت پسند ہے اور بچی بھی بے حد پیاری ہے۔ بس آج سے یہ میری ہو گئی!"
اِس پر امّی ہنس کر بولیں:۔
"آپ ہی کی ہے، لے جائیے اِسے!"
خالہ امّی بولیں:۔
"ہے تو میری ہی، لیکن ابھی ایسے نہیں لے جاؤں گی۔ برات لے کر آؤں گی، جب لے جاؤں گی۔ تم نے اقرار کر لیا ہے۔ اب زبان سے نہ پھر جانا!"

امّی نے کہا:۔

"بڑا تو ہو لینے دیجئے، بڑی ہو کر کیسی نکلتی ہے، یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔"

اِسی ہنسی مذاق میں اس کی قسمت کا فیصلہ اسی وقت کر دیا گیا۔ جب وہ چند ہی دنوں کی تھی!

چلتے وقت خالہ امّی نے بچی کو روپیہ دیئے، اور جانے لگیں۔ پانچ سالہ ننھا کامرآن دیر سے اِن لوگوں کی باتیں سُن کر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس کی امّی نے بچی کو روپیہ بھی دے دیئے تو وہ سمجھا کہ سودا پکّا ہو گیا۔ اور اپنی امّی (خالہ امّی) کے پیچھے پڑ گیا۔

"امّی! بچی کو لے چلئے نا! اب تو آپ نے روپیہ دے کر خرید لیا ہے۔ اِس کو ابھی لے چلئے نا!"

"ہاں بیٹے! اس کو میں ضرور لے جاؤں گی۔ ذرا بڑا تو ہو جانے دو، میں تمہیں دُولہا بنا کر لاؤں گی، جب اس کو لے جاؤں گی!"

اِس وعدے پر کامرآن بمشکل بہل سکا اور خالہ امّی چلی گئیں۔

خالہ امّی، امّی کی کسی رشتہ کی بہن تھیں۔ لیکن ان دونوں کا بچپن ساتھ گزرا تھا اور کچھ دونوں کی طبیعتیں ایک سی تھیں۔ اس لئے ان کی آپس میں بے حد محبت تھی۔ خالہ امّی ہمیشہ دُور دراز کے شہروں میں رہا کرتی تھیں، لیکن جب بھی موقع ملتا تھا وہ امّی سے ملنے ضرور آتی تھیں۔ یہ ان دونوں کی آپس کی محبّت کا ہی نتیجہ تھا جو انہوں نے اپنے بچوں کا مستقبل ایک دُوسرے سے وابستہ کر دیا تھا!

دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ کامران بھول گیا کہ اس نے کون سی بچی لینے کی ضد کی تھی۔ وہ اب ذرا سمجھ دار ہو گیا تھا۔ اور ثمرآنہ بھی اب پیاری پیاری باتیں کرنے لگی تھی۔ دونوں بہنوں نے جو ان دونوں کے مستقبل کے فیصلے کئے تھے، وہ اس پر قائم تھیں اور اس کی یاددہانی کرانے ثمرآنہ کی خالہ امی (حمیدہ بیگم) برابر عمرآنہ بیگم کے پاس آتی رہتی تھیں، اور ہنسی مذاق کے دوران اس رشتے کو پھر سے پختہ کیا جاتا۔

دونوں بچے ان سب باتوں سے بے خبر، اپنے مستقبل سے بے خبر آپس میں ہنستے کھیلتے رہتے۔ کچھ دنوں کا ساتھ ہوتا پھر یہ دونوں بچھڑ جاتے اور ایک دوسرے کی موہوم سی یاد ان کے دماغوں میں رہ جاتی!

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ عمرانہ بیگم کو اپنی بہن حمیدہ بیگم شدّت سے یاد آ رہی تھیں اور انہوں نے چھٹیوں میں ہی پنڈی جانے کا پروگرام بنا لیا۔

پروگرام کے بنتے ہی گھر میں ہل چل مچ گئی۔ ہر ایک پنڈی جانے کے نام پر خوش تھا۔ ثمرانہ اپنی ہم عمر سہیلیوں نیلما اور تبسّم سے ملنے کو بے چین تھی۔ چھوٹی صباحت اور ملاحت صرف جانے کے ہی خیال سے خوش تھیں۔ خرّم بھائی اس لئے خوش تھے کہ وہاں سے مری اور نتھیا گلی جائیں گے۔

نعمان احمد (عمرانہ بیگم کے شوہر) کو کچھ ضروری کام تھا اس لئے وہ اس پروگرام میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔

انہوں نے کہا :۔

"بیگم! تم بچوں کو لے کر چلی جاؤ، یہاں کی گرمی سے بھی بچ جاؤ گی اور بچوں کی تفریح بھی ہو جائے گی، میں سیٹوں وغیرہ کا انتظام کروائے دیتا ہوں!"

یہ کہہ کر وہ ضروری انتظام کرنے چلے گئے!

عمرانہ بیگم اپنی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ سب کے ٹھنڈے اور کچھ گرم کپڑے رکھنا۔ گرم کپڑوں کو پھر سے نکال کر دھوپ دی جا رہی تھی۔ بچے اپنے کھیل کی چیزیں

لوڈو، وغیرہ جمع کر کے اپنے بکسوں میں ٹھونس رہے تھے۔ خرّم بھیّا اپنے کپڑوں پر استری کر کر کے رکھتے جا رہے تھے۔

اور ثمرانہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ کیا کام کرے۔ تیرہ چودہ سال کی عمر ہوتی ہی ایسی ہے، اپنے آپ کام کرنے کا شعور نہیں ہوتا اور سب کی مصروفیت دیکھ کر اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی ایسی ہی مصروف ہو جائے۔

وہ امّی کے پاس گئی۔

"امّی! مجھے بھی کوئی کام بتائیے!"

انہوں نے جواب دیا۔

"کام تو اب سب ہو چکا ہے، جاؤ تم چھوٹی بہنوں کو دیکھ لو، وہ کیا کر رہی ہیں!"

آج حمیدہ بیگم کے ہاں سب خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ آج صبح ہی صبح عمرانہ بیگم کا تار آیا تھا کہ وہ شام کو چار بجے کی گاڑی سے پہنچ رہی ہیں۔

یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس طرح عمرانہ بیگم معہ بچوں کے کچھ عرصہ رہنے کیلئے حمیدہ بیگم کے ہاں آرہی تھیں۔ کوٹھی کو مختلف طریقوں سے سجایا جا رہا تھا۔ نوکروں کو ہدایتیں دی جا رہی تھیں۔

حمیدہ بیگم کی سخت تاکید تھی کہ مہمانوں کی خاطر مدارات میں ذرا بھی کمی نہ ہو اور ان کو یہاں پر کسی قسم کی بھی کوئی تکلیف نہ ہو، نوکر مستعدی سے گیسٹ رومز صاف کرنے میں مصروف تھے۔ بڑی لڑکیاں باورچی خانے کے انتظام میں لگی ہوئی تھیں۔ مختلف قسم کے کھانے پکانے کی ہدایتیں دی جا رہی تھیں۔ کوٹھی کے چپے چپے کو نئے انداز سے سجایا جا رہا تھا۔

تحمینہ باجی اور تبسم باورچی خانے میں سے نکلیں تو کھانے کے کمرے کی ڈیکوریشن دیکھنے کے لئے گئیں۔ لیکن وہاں جا کر دیکھا تو ابھی تک گلدانوں میں پھول نہیں لگائے گئے تھے تحمینہ باغ کی طرف جانے لگیں، مالی سے پھولوں کو کہنے کیلئے ۔۔ اُدھر سے کامران آتے ہوئے ملے!

"کیوں باجی! یہ آج گھر میں کیسا ہنگامہ ہے، کیا آج کوئی تقریب ہے گھر میں؟"

کامران نے پوچھا۔

"تقریب سے بھی زیادہ سمجھو۔ آج عمرانہ خالہ آ رہی ہیں!" ـــــ تحمینہ بولیں۔

"تو اس میں اس قدر ہنگامے کی کیا ضرورت ہے، مہمان تو آتے ہی رہتے ہیں۔ آج کیا خاص بات ہے؟" ـــــ کامران نے کہا۔

تحمینہ نے کہا:۔

"یہ تو کچھ دن کے بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ عمرانہ خالہ میں کیا خصوصیت ہے!"

"بھئی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ ایسی کونسی خاص بات ہے"! کامران نے کہا۔

"ان کے ساتھ ثمرانہ بھی آ رہی ہے، ذرا تمیز سے رہنا"! تحمینہ نے کہا

کامران بولے:۔

"تو کیا ہوا! ثمرانہ آ رہی ہے تو میں کیا کروں۔ ثمرانہ وہی جو ان کی سوکھی سی لڑکی ہے!"

تحمینہ برا مانتے ہوئے بولیں:۔

"جو منہ میں آتا ہے اول فول بک دیتے ہو۔ کسی کی لڑکی کو کچھ کہنے کا تمہیں کیا حق ہے!"

کامران بولے:۔

"میں نے کوئی بری بات تو نہیں کہی۔ دیکھیں گے کہ ثمرانہ صاحبہ ہیں کیسی؛ جن کے استقبال کے لئے پورے گھر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے!"

یہ کہہ کر کامران نے اپنی سائیکل اٹھائی اور چل دیئے۔

ان دنوں کامران کو کسی بات کو سنجیدگی سے سوچنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ اپنا کھیل کود، پڑھائی، یا بہنوں چھیڑنا!

کئی بہنوں کے اکیلے بھائی تھے۔ اس لئے سب کے لاڈلے بھی بہت تھے، اور ان کی چھیڑ چھاڑ کا کوئی برا نہیں مانتا تھا!

نحمینہ کامران کو سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور یہ سوچتی جا رہی تھیں کہ میرا بھیا کتنا پیارا ہے۔ ثمرانہ اور کامران کی جوڑی خوب رہے گی۔

ثمرانہ کو کافی عرصہ سے نہیں دیکھا۔ بڑی ہو کر کیسی ہو گئی ہو گی۔ چھوٹی تو بہت ہی پیاری اور باتونی تھی۔ اب سنا تھا کہ بڑی سنجیدگی آ گئی ہے۔

مالی پھول لے کر آ گیا اور وہ گلدانوں میں سجانے کے لئے چلی گئیں۔ کھانے کا کمرہ اور ڈرائنگ روم ٹھیک کرنے کے بعد وہ مہمانوں کے کمروں کی طرف گئیں۔ جن کی سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

مسہریوں پر خوبصورت آسمانی جھالر والے پلنگ پوش۔ آسمانی ایرانی قالین، آسمانی صوفہ سیٹ، کھڑکیوں پر باریک آسمانی پردے، غرض ان کمروں کی سجاوٹ پر تو ساری نفاست ختم ہو گئی تھی۔

حمیدہ بیگم بھی سب کمروں کی سجاوٹ اور رات کے کھانے کا انتظام دیکھتی پھر رہی تھیں کہ کہیں کوئی کسر تو نہیں رہ گئی۔

ابھی ایک ہی بجا تھا، چار بجے تک کا وقت گزارنا سب کے لئے مشکل ہوا جا رہا تھا۔ کھانے کے کمرے سے گھنٹی کی آواز سن کر سب لوگ کھانا کھانے چلے گئے۔

کھانے سے فارغ ہو کر حمیدہ بیگم نے نحمینہ اور تبسم سے کہا کہ "تم صبح سے کام کرتے کرتے تھک گئی ہو اب کچھ دیر آرام کر لو۔ پھر اسٹیشن کے لئے تیاری کرنا۔"

"اور نیلما! جاؤ، تم بھی کچھ دیر لیٹ جاؤ۔ کام تو تم نے کچھ نہیں کیا لیکن اس وقت آرام کر لو گی تو تازہ دم ہو جاؤ گی!"

"یہ کامران کہاں گیا؟ ابھی تک نہیں آیا!" حمیدہ بیگم بولیں — "اس لڑکے کو تو نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا۔ کبھی وقت پر کھانا نہیں کھاتا!"

انہوں نے بیرے کو ہدایت دی کہ کامران کے لئے کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دے

جب وہ آئیں تو ان کو گرم کھانا دیا جائے!

حمیدہ بیگم اپنے کمرے میں پاندان کھول کر بیٹھ گئیں۔

کامران آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حمیدہ بیگم ان کو دیکھتے ہی برس پڑیں:۔

"تم کہاں رہ جاتے ہو۔ کھانا وقت پر کھایا کرو۔ صحت خراب ہو جائے گی!"

کامران نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حمیدہ بیگم نے ان کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا:۔

"خیر تو ہے، یہ چہرہ کیوں اُتر رہا ہے تم کہاں سے آرہے ہو؟"

کامران نے کہا:۔

"امّی، شاہد کے ہاں گیا تھا، ہم دونوں ساتھ پڑھ رہے تھے۔ پھر میرے سر میں بہت سخت درد ہونے لگا تو میں آگیا!"

حمیدہ بیگم ایک دم گھبرا گئیں۔

"آ میرے بچے! میں سر دبا دوں!"

پھر بیرے کو آواز دی کہ کامران میاں کے لئے گرم کھانا ٹرالی پر رکھ کر یہیں لے آئے۔

اور نیلما کو بلا کر کہا۔ "جاؤ تہمینہ سے سر کے درد کی گولی لے کر آؤ!"

اتنی دیر میں کامران حمیدہ بیگم کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹ چکے تھے۔

حمیدہ بیگم نے سر دبانے کے لئے جو سر پہ ہاتھ رکھا تو ایک دم گھبرا کر بولیں:۔

"ہائے، تمہیں تو بہت تیز بخار ہے!"

پھر گھبرا کر انہوں نے تہمینہ اور تبسم کو آواز دی —— وہ دونوں گھبرائی ہوئی آئیں!

"امّی کیا بات ہے؟" —— دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"دیکھو تو کامران کو تو تیز بخار ہے۔ جاؤ، ذرا ڈاکٹر کو فون کر دو!"

تحمینہ ڈاکٹر کو فون کرنے چلی گئیں۔

حمیدہ بیگم نے تبسّم سے کہا :۔

"جاؤ! تم کامران کے لئے گرم دودھ لے آؤ۔ اور کھانے کو منع کر دو!"

کامران کو اچانک تیز بخار ہو جانے سے سب لوگ بے حد پریشان تھے۔

کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر صاحب آگئے۔ انہوں نے اچھی طرح کامران کا معائنہ کیا اور کہا:۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ موسمی بخار ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ دوا دے کر دواؤں اور غذا کے متعلق ہدایات دے کر چلے گئے۔

حمیدہ بیگم نے تبسّم اور تحمینہ سے کہا :۔

"عمرآنہ بیگم اور بچے آرہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مہمانوں کی خاطر تواضع میں کامران کو دوا دینی بھول جاؤ!"

"نہیں امّی، ایسا نہیں ہوگا۔ ہم دونوں پورا خیال رکھیں گی!"—— دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

پھر تحمینہ نے کامران کو دوا پلائی اور دودھ پلایا۔ اور کامران کا سر دبانے بیٹھ گئیں۔ تحمینہ نے کہا :۔

"امّی جان، تین بج رہے ہیں، اب آپ لوگ تیار ہو جائیے اسٹیشن جانے کے لئے، میں کامران کے پاس بیٹھی ہوں۔"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"اسٹیشن تم چلی جاؤ۔ میں کامران کے پاس ہوں۔ جب عمرآنہ آجائیں گی۔ پھر بھائی کی تیمارداری تمہارے ذمہ ہوگی۔ میں اپنی بہن کے پاس بیٹھوں گی۔ ایک مدت بعد وہ آرہی ہیں!"

"امّی! آپ کامران کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

یہ کہہ کر دونوں بہنیں اسٹیشن جانے کے لئے تیار ہونے چلی گئیں اور حمیدہ بیگم

کامران کا سر دبانے لگیں۔ جو اب قریب قریب سو چکے تھے۔

سب لوگ موٹروں میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ صبح سے جو عمرانہ بیگم کے آنے کی خوشی تھی۔ اس وقت کامران کے بیمار پڑنے سے اس خوشی پر اوس پڑ گئی تھی۔ سب بجھے بجھے سے اسٹیشن جا رہے تھے۔

بہنیں تو پروگرام بنائے ہوئے تھیں کہ ثمرانہ اب کے کافی دن رہیں گی۔ سب مل کر ثمرانہ اور کامران کو خوب چھیڑیں گی۔ ابھی تک دونوں کو اس کا علم نہیں ہے، اب کے اُنہیں بتا دیا جائے گا اور خوب ستائیں گے!

لیکن کامران کے بیمار پڑنے سے ان کے ارمان دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ سب بہنیں دُعائیں مانگ رہی تھیں کہ "اللہ! کامران کو جلدی سے اچھا کر دے تاکہ ہم لوگ خالہ جان اور ثمرانہ کے آنے کا خوب لطف اُٹھا سکیں!"

خاموشی سے اسٹیشن تک کا راستہ طے ہو گیا۔ یہ لوگ کاروں میں سے اُتر ہی رہی تھیں کہ ٹرین آ گئی۔ سب لوگ ڈبوں کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے کہ ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سے خرّم کا چہرہ نظر آیا۔

سب لوگ اسی طرف دوڑے۔

عمرانہ خالہ نے سب کو گلے لگا کر پیار کیا اور پوچھا:-

"آپا اور کامران نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

تبسّم نے جواب دیا:-

"کامران کو آج ہی بخار آ گیا۔ امّی اسی وجہ سے نہیں آ سکیں!"

خرّم سامان وغیرہ اتروا رہے تھے۔ سامان اُتروانے کے بعد آ کر انہوں نے اپنی بہنوں کو سلام کیا۔

ثمرانہ اپنی امّی کے پیچھے چھپی ہوئی کھڑی تھیں۔

تحمینہ نے کہا :۔

" ارے ثمرآنہ کہاں ہیں ؟"

عمرآنہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا اور کہا :۔

" یہ شرمانے کا کونسا وقت ہے ، اپنی بہنوں کو آداب کرو ! اس لڑکی کی شرم ہی نرالی ہے ! "

ثمرآنہ نے سامنے آکر بہت ادب سے تحمینہ ، تبسم اور نیلما کو سلام کیا۔ تینوں نے اس کو دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئیں۔

ثمرآنہ تو اب اور بھی زیادہ پیاری ہو گئی تھی۔ وہ شرمیلی سی سر جھکائے ہوئے ثمرآنہ ان سب کو بے حد پیاری لگی۔ اور وہ تینوں تصوّر ہی تصوّر میں کامران اور ثمرآنہ کو ساتھ ساتھ دیکھ کر خوش ہونے لگیں۔ ان کے دل سے دُعا نکلی۔" اللہ اس جوڑی کو سلامت رکھے۔ اس کو کسی کی نظر نہ لگے۔"

ثمرآنہ بدستور سر جھکائے کھڑی تھی۔

نیلما نے آگے بڑھ کر ثمرآنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگیں :۔

" آؤ چلیں ، گاڑی میں بیٹھیں ! "

سامان گاڑیوں میں رکھا جا چکا تھا۔ یہ سب لوگ بھی آکر کاروں میں بیٹھ گئیں۔

راستے میں عمرآنہ خالہ اپنے بہن بہنوئی کامران اور سب کے متعلق پوچھتی رہیں۔

کاریں کوٹھی کے پھاٹک میں گھسی ہی تھیں کہ حمیدہ بیگم برآمدے تک آگئیں۔ عمرآنہ بیگم کار سے اُترتے ہی حمیدہ بیگم سے لپٹ گئیں۔ پھر حمیدہ بیگم نے سب بچوں کو باری باری پیار کیا۔ ثمرآنہ حسب دستور سب کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں۔ حمیدہ بیگم آگے بڑھیں :۔

" ارے یہ میری ثمرآنہ بیٹی کہاں چھپی کھڑی ہے میری بہو رانی ! "

ثمرآنہ نے جھجکتے ہوئے انہیں سلام کیا اور انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

ثمرانہ لفظ "بہورانی" پر غور کر رہی تھی کہ خالہ امّی نے یہ کیا کہہ دیا۔ ابھی ذہن اتنا پختہ تو ہوا نہیں تھا کہ یہ باتیں سمجھ سکتی۔

عمرانہ بیگم نے کامران کو پوچھا:۔

"اب میرے بیٹے کی طبیعت کیسی ہے؟"

حمیدہ بیگم بولیں:۔

"اِس وقت شائد بخار کچھ ہلکا ہو گیا ہے۔ سو رہا ہے۔ میں ابھی اسی کے پاس بیٹھی تھی۔"

عمرانہ بیگم نے کہا:۔

"پہلے میں اپنے بیٹے کو ایک نظر دیکھ لوں۔ پھر کوئی بات کروں گی!"

اور وہ حمیدہ بیگم کے ساتھ کامران کے کمرے کی طرف چل دیں۔

کامران بے خبر سو رہے تھے۔

عمرانہ بیگم نے آہستہ سے ان کی پیشانی چھُو کر دیکھی۔ بخار کچھ ہلکا تھا۔۔۔ پھر وہ حمیدہ بیگم کے کمرے میں آگئیں۔

تحمینہ تبسّم اور نیلما نے ان کا سامان ان کے کمروں میں پہنچوا دیا تھا۔ پھر وہ ثمرانہ کو لے کر اپنے کمرے میں آگئیں۔ اور اس سے اسکول اور سہیلیوں وغیرہ کے متعلق پوچھتی رہیں۔

اور وہ نظریں جھکائے ہوئے ـــــ شرمائے شرمائے لہجے میں ان کی باتوں کا جواب دیتی رہی۔

تینوں بہنیں اس کی ایک ایک ادا پر قربان ہوئی جا رہی تھیں۔ انہیں ثمرانہ پر بہت ہی پیار آ رہا تھا۔

اور ثمرانہ ابتک "بہورانی" کی بھول بھلیّوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیوں کہا گیا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟

شام کی چائے کا انتظام لان میں ہوا۔ سب وہاں جمع تھے، خوش گپیاں ہو رہی تھیں لوگ پُر تکلف ناشتے اڑا رہے تھے۔ کامران ابھی تک سو رہے تھے۔

ثمرانہ اپنی عادت کے مطابق سب سے چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کی شرم ہی دنیا سے نرالی تھی اور اس کی یہ شرمیلی ادائیں سب کو ہی بے حد پیاری لگتی تھیں!

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"یہ میری ثمرانہ بیٹی سب سے پیچھے کیوں بیٹھی ہے۔ اس نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔ آؤ بیٹی تم میرے پاس آجاؤ!"

وہ جھجکتی شرماتی ان کے پاس آگئی۔

اور حمیدہ بیگم بہت پیار سے اس کو ایک ایک چیز اپنے ہاتھ سے دیتی رہیں۔ ثمرانہ ان کے اس خصوصی برتاؤ سے اور بھی نروس ہوئی جا رہی تھی۔

تبسم اور تحمینہ نے بہت اچھا ناشتہ تیار کیا تھا۔ عمرانہ بیگم نے ناشتے کی اور ان کے سلیقے کی بہت تعریف کی۔

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"تبسم بیٹی! جاؤ ثمرانہ کو باغ کی سیر کرا لاؤ۔ کوٹھی بھی دکھا دو۔ اور، ہاں! ذرا کامران کی بھی خبر لینا۔ وہ جاگ گیا یا نہیں!"

تبسم ثمرانہ کو ایک ایک چیز دکھاتی رہی۔ پہلے باغ میں لے گئیں۔ بڑے بڑے لان، لاتعداد پھول، بکثرت پھل، یہ سب تو ثمرانہ کی خاص دلچسپی کی چیزیں تھیں۔ وہ ایک ایک پھول کو بڑی دلچسپی سے دیکھتی ہوئی خاموشی سے ان کے ساتھ چل رہی تھی۔

پھر تبسم اسے کوٹھی کے اندر لے آئیں۔ لائبریری، ڈرائنگ روم اور بے شمار کمرے دکھاتی رہیں۔ پھر ایک کمرے میں لا کر کہا :۔

"دیکھو، یہ ہمارے کامرآن بھیّا کا کمرہ ہے!"

کامرآن لحاف اوڑھے لیٹے تھے اور جاگ رہے تھے۔ ثمینہ چار کی پیالی لئے کھڑی تھیں اور نیلماؔ پاس کھڑی تھی۔ ثمرآنہ جیسے اور کمروں میں پھر رہی تھی۔ اس میں بھی آ گئی۔

نیلماؔ شرارت سے بولی:۔

"بھائی جان! دیکھئے، یہ ثمرآنہ آئی ہیں آپ سے ملنے!"

اور وہ ہنسنے لگی۔ دونوں بہنوں نے بھی نیلماؔ کا ساتھ دیا، اور شرارت سے ہنسنے لگیں۔

اور ثمرآنہ بے چاری شرم سے سُرخ ہو گئی۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ وہاں کھڑی رہے یا بھاگ جائے۔

کامرآن بھی بڑی دلچسپی سے مسکراتے ہوئے ثمرآنہ کو دیکھتے رہے اور وہ چھوئی موئی بنی کھڑی رہی۔

اور یہی وہ گھڑی تھی جب کامرآن میاں نے ثمرآنہ کو اپنے من مندر میں چھپا لیا تھا!

تبسّم کو بے چاری ثمرآنہ پر بہت ترس آیا۔ اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئیں اور یہ کہتی ہوئی:۔

"میری بہن کو سب نے پریشان کر دیا۔ آؤ تم میرے ساتھ آ جاؤ!"

وہ جھینپتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔

تبسّم نے اس کو اس کے کمرے پر لا کر چھوڑ دیا کہ اب تم کچھ دیر آرام کرو، اتنا لمبا سفر کر کے آ رہی ہو۔ تھک گئی ہو گی!

کامران کو تہمینہ چار پلا کر جا چکی تھیں اور نیلما بھی چلی گئی تھی۔ کامران اُس وقت تنہا لیٹے ہوئے ثمرآنہ کے متعلق سوچ رہے تھے۔

افوہ ــــ کس قدر پیاری لڑکی ہے۔ میں تو تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ثمرآنہ اتنی پیاری بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا شرمانا، اس کا گھبرانا، اس کے چلنے کا انداز، اس کی ہر ادا کس قدر پیاری ہے۔ ابھی تو میں نے اس کی صرف یہی چیزیں دیکھی ہیں۔ اس کے ساتھ کیرم، لوڈو وغیرہ کھیلنے میں بہت مزہ آئے گا۔ اور اس کو چھیڑنے میں تو لطف ہی آجائے گا۔ جب یہ گھبرائے گی شرمائے گی اس وقت کتنی پیاری لگے گی۔

اس کمبخت بخار کو بھی آج ہی آنا تھا۔ جلدی سے یہ پیچھا چھوڑے تو ثمرآنہ کو چھیڑنے کا لطف اُٹھائیں۔ بھئی واہ! مزہ ہی آجائے گا۔ میں تو صبح سے بڑا بور ہو رہا تھا کہ عمرآنہ خالہ آرہی ہیں یا قیامت آرہی ہے۔ امّی نے تو پورا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔ یہ کرو، وہ کرو۔ مگر ثمرآنہ چیز ہی اتنی پیاری ہے۔ اس کے استقبال کے لئے امّی نے جو کچھ کیا ٹھیک ہی کیا۔ اب کے چھٹیاں اچھی گزر جائیں گی۔ ابو جان سے کہہ کر مری، نتھیا گلی، سوات کے پروگرام بنواؤں گا۔ جب چھیڑنے کے لئے ثمرآنہ جیسی پیاری لڑکی ہو تو پھر تفریح کا لطف ہی دوبالا ہو جاتا ہے ......

مگر یہ کمبخت بخار —— میرا تو سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ نہ معلوم ڈاکٹر صاحب نے کیسی دوا دی تھی، جو اب تک فائدہ نہیں ہوا۔ اور میں اتنی اچھی محفلوں سے محروم یہاں اکیلا لیٹا ہوا ہوں۔ وہاں تبسّم، تہمینہ آپا، نیلما، ثمرانہ اور ثمرانہ کی ننھی منھی بہنیں، خرّم سب خوش گپیاں کر رہے ہوں گے۔ امّی جان، خالہ جان سے باتوں میں مصروف ہیں۔

میرا کسی کو بھی خیال نہیں۔ امّی آئیں تو میں ڈاکٹر سے کہلواؤں گا کہ ایسی دوا دیں کہ میں فوراً ٹھیک ہو جاؤں۔ میں زیادہ دیر بستر پر نہیں لیٹ سکتا!

حمیدہ بیگم اور عمرانہ بیگم دونوں باتیں کرتی ہوئی کامران کے کمرے میں آئیں۔ کامران اکیلے لیٹے ہوئے چھت کو گھور رہے تھے۔

اپنی امّی کو دیکھتے ہی بولے :۔

"دیکھئے تو امّی! سب نے مجھے یہاں اکیلا ڈال رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کیسی دوا دی ہے، جس سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔ آپ ابھی ڈاکٹر صاحب کو فون کیجئے کہ مجھے ایسی دوا دیں کہ میں صبح تک بالکل اچھا ہو جاؤں۔

حمیدہ بیگم بیٹے کے اس بچپنے پر مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کو فون کرنے چلی گئیں —— اتنی دیر تک عمرانہ بیگم کامران کا سر دباتی رہیں۔

حمیدہ بیگم فون کر کے آئیں، کہنے لگیں :۔

"ڈاکٹر صاحب ابھی آ رہے ہیں۔ وہ اب ایسی ہی دوا دیں گے کہ تم صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ!"

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب آ گئے۔

انہوں نے کامران کی نبض دیکھی، تھرما میٹر لگایا، پھر ایک انجکشن دیتے ہوئے کہا :۔

"بس بیٹے، انشاء اللہ صبح تک تمہارا بخار ضرور اُتر جائے گا۔ لیکن بخار اُترتے ہی کھیل کود میں نہ لگ جانا، دو چار روز آرام کی ضرورت ہے!"

کامراں بولے :۔

"جی نہیں ڈاکٹر صاحب! میں آرام وارام نہیں کروں گا۔ بس بخار اُترنے کی دیر ہے پھر میں بستر کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ کھیلنے اور گھومنے ہی کے لیئے تو اتنا علاج کروا رہا ہوں، ورنہ میں تو اِس وقت ہرگز انجیکشن نہ لگواتا!"

ڈاکٹر صاحب بولے :۔

"اچھا۔۔۔ تو یہ بات ہے۔ آج میں یہی سوچ رہا تھا کہ کامراں نے انجیکشن کیسے لگوا لیا۔ اور کڑوی دوا بھی پی لی۔ مگر دیکھو میاں! ابھی آرام ضرور کرنا ورنہ پھر بخار ہو جائے گا!"

ڈاکٹر صاحب دوا اور آرام کے متعلق ہدایتیں دے کر چلے گئے۔ کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ گھنٹی کی آواز سُن کر سب کھانے کے کمرے میں جانے لگے۔

عمرانہ بیگم نے کہا :۔

"آپا! آپ لوگ کھانا کھائیے، میں کامراں کے پاس بیٹھی ہوں!"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"نہیں، تم جا کر پہلے کھا لو۔ میں بعد میں کھا لوں گی!"

کامراں کہنے لگے :۔

"آپ دونوں جائیے، کھانا کھا لیجئے۔ میں تو بس اب اچھا ہونے ہی ہونے والا ہوں اب آپ لوگوں کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گا!"

حمیدہ بیگم کہنے لگیں :۔

"اب میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی، تو پھر کہو گے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر سب چلے گئے!"

"نہیں امّی، اب نہیں کہوں گا۔ آپ لوگ جا کر کھانا کھا لیں!" کامراں نے کہا۔

دونوں بہنیں کھانے کے کمرے میں چلی گئیں، وہاں پہلے ہی سے سب لڑکے

اور لڑکیاں جمع تھے۔ نوید احمد (کامران کے والد) کوئی مزیدار لطیفہ سنا رہے تھے، جو سب بغور سن رہے تھے۔ لطیفہ ختم ہونے پر زور کا قہقہہ پڑا۔ دونوں بہنیں حمیدہ بیگم اور عمرانہ بیگم کمرے میں پہنچیں تو کھانا شروع ہوا۔ کھانے میں بے حد تکلفات تھے۔

عمرانہ بیگم بولیں:۔

"آپا! آپ نے تو اس قدر تکلفات سے کام لیا ہے، میں تو ابھی کچھ دن یہاں رہنے کے ارادے سے آئی ہوں۔ اگر آپ نے یہی تکلفات قائم رکھے تو مجھے جلدی واپس جانا پڑے گا!"

حمیدہ بیگم نے کہا:۔

"کیسی باتیں کرتی ہو، تکلفات کیسے؟ تمہارا اپنا گھر ہے۔ میں تو ابھی تمہیں کسی طرح نہیں جانے دوں گی۔ یہ تو لڑکیوں کی خوشی ہے جو اِن لوگوں نے یہ کھانے تیار کروائے!"

عمرانہ بیگم بولیں:۔

"آپ کی لڑکیاں ماشاء اللہ بہت سلیقہ مند ہیں۔ ہر چیز میں بہت سلیقہ اور نفاست ہے!"

حمیدہ بیگم نے کہا:۔

"لڑکیوں نے اس خیال سے اور بھی تکلف کر لیا ہوگا کہ تم ٹھہریں سمدھن، کسی چیز میں کمی نہ رہ جائے۔"

عمرانہ نے ثمرانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

"آپا! آپ بھی کیا باتیں لے بیٹھیں!"

ثمرانہ کے لئے تو یہ جملہ کافی تھا۔ وہ شام سے ہی سب کی شریر نظروں اور مبہم سے جملوں میں اُلجھی ہوئی تھی اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی —— اس وقت سمدھن کا لفظ سن کر تو اس پر اور بھی گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگی:۔

ہائے اللہ، یہ سب لوگ کیسی باتیں کرتے ہیں! خالو ابّا کیا سوچیں گے۔ تبسّم باجی تحمینہ باجی اور نیلمآ تو پہلے ہی مجھے شرارت سے دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔ خرّم بھائی بھی اس ہنسی میں شریک تھے اور ثمرانہ بے چاری شرم سے پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔

ان ہی خوش گپّیوں کے ساتھ کھانا ختم ہُوا۔

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"عمرانہ! اب تم لوگ آرام کرو، بہت لمبا سفر کر کے آ رہی ہو۔ اب تو کل صبح سے باتیں کرنے کا سلسلہ شروع ہوگا!"

اور سب لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف سونے چلے گئے۔ حمیدہ بیگم کامران کی طرف آ گئیں۔ آج ان کو کامرآن کے ہی کمرے میں سونا تھا!

صبح کو کامرآن کی طبیعت ٹھیک ہو چکی تھی اور وہ ڈاکٹر کی ہدائت کے مطابق آرام کرنے کے بجائے آج کے کھیل کود کے نئے نئے پروگرام بنا رہے تھے۔ رات کو انہوں نے بستر پر لیٹے لیٹے ثمرآنہ کو چھیڑنے کے کافی منصوبے بنا لئے تھے۔

سب صبح کے ناشتے کے لئے کھانے کے کمرے میں جمع ہو چکے تھے۔ عمرآنہ بیگم بولیں:۔

"اب کامرآن کی طبیعت کیسی ہے؟"

حمیدہ بیگم نے کہا:۔

"ماشاءاللہ اب تو ٹھیک ہے، اپنے ہی کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ آج اگر پورا آرام کر لیں تو پھر بالکل ٹھیک ہو جائیں گے!"

یہ بات ختم ہوئی ہی تھی کہ اچانک ثمرآنہ کی چیخوں سے سب چونک پڑے، جو عمرآنہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی۔ کامرآن نے اس کے اوپر بلی کا بچہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے تحاشہ چلاّ رہی تھی۔ اور بچہ اس کی قمیص میں اٹکا ہوا تھا۔ عمرآنہ بیگم نے بلی کا بچہ چھڑایا پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ بلّی کا بچہ کہاں سے آیا ہے۔ کامرآن شرارت سے مسکرا رہے تھے۔ ان کی اس شرارت پر سب نے قہقہہ لگایا۔ ثمرآنہ بیچاری کھسیانی

سی ہو گئی۔ اس کا دل اب تک دھک دھک کر رہا تھا۔ حمیدہ بیگم کامران کو ڈانٹ رہی تھیں :-

"تم نے تو میری بچی کو ہی دہلا دیا۔ یہ بھی کوئی مذاق ہوا اور میں تو تمہیں لٹا کر آئی تھی، تم کیوں اُٹھ کر آ گئے۔"

"امّی! میں تو ان کا دل دیکھ رہا تھا کہ کتنا مضبوط ہے!" کامران نے جواب دیا۔

بے چاری ثمرآنہ اس اچانک مذاق سے بہت ہی بوکھلا گئی تھی۔ اس سے ناشتہ بھی پُوری طرح نہیں کیا گیا تھا۔ بس وہ سہمی ہوئی سی سب کا ساتھ دیتی رہی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر خاموش بیٹھ گئی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ یہاں چھٹیاں کیسی گزریں گی۔ میں تو بہت ہی اچھی چھٹیاں گزارنے کے خیال میں تھی۔ اگر یہاں لوگوں کے معنی خیز جملے اور کامران کی شرارتیں یوں ہی رہیں تو میں امّی سے کہوں گی کہ جلدی یہاں سے چلیں۔ میری چھٹیاں کیا اسی طرح ضائع ہو جائیں گی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں مجھے ہی نشانہ بنایا جائے گا اور مجھے ہی بور کیا جائے گا!

وہ ان ہی خیالوں میں گُم بیٹھی تھی۔ عمرآنہ بیگم نے آ کر جو اسے یوں خاموش بیٹھا دیکھا تو کہنے لگیں :-

"کیا بات ہے ثمرآنہ بیٹی، اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہو!"

ثمرآنہ رنجیدہ لہجے میں بولی :-

"امّی! میرا یہاں دل نہیں لگ رہا۔ گھر چلئے!"

عمرآنہ بیگم بولیں :-

"میں تو ابھی کچھ دن یہاں رہنے کے ارادے سے آئی ہوں، تم تو ابھی سے گھبرا گئیں!"

پھر مُسکرا کر بولیں :-

"شاید کامران کی شرارتوں سے ڈر گئیں۔ تم اس کی باتوں کی پرواہ مت کیا کرو۔ وہ شریر لڑکا

ہے، اس کی باتیں ہنس کر ٹال دیا کرو!"

وہ ایک مرتبہ پھر بلّی کے بچے کے خیال سے خوفزدہ ہوگئی۔

اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے معصومیت سے بولی:۔

"امّی جان! بلّی کا بچہ اگر مجھے کاٹ لیتا تو.....؟"

عمرانہ بیگم نے اسے گلے سے لگا لیا اور کہنے لگیں:۔

"بیٹی، میں اس کو سمجھا دوں گی۔ تم تبسّم اور نیلما کے ساتھ رہا کرو۔"

اتنے میں تبسّم اور نیلما ثمرانہ کو آوازیں دیتی ہوئی آ گئیں۔

"چلو ثمرانہ کیرم کھیلیں، کامران بھیّا بلا رہے ہیں!"

وہ عمرانہ بیگم کے پیچھے کو ہوتے ہوئے بولی:۔

"نہیں امّی۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

عمرانہ بیگم کہنے لگیں:۔

"یہ بلّی کا بچہ پھینکنے سے ڈر گئی ہے اِس لیے نہیں جا رہی۔ تم ذرا کامران سے کہہ دینا کہ ایسا مذاق نہ کریں!"

"بہت اچھا خالہ امّی!"

دونوں ایک ساتھ بولیں۔

"ہم کامران بھیّا کو ایسا مذاق نہیں کرنے دیں گے۔ ہم لوگ اب کیرم کھیلیں گے، اور تصویریں کھنچوائیں گے!"

"جاؤ بیٹی، چلی جاؤ!" عمرانہ بیگم بولیں۔ "اب کامران ایسا کوئی مذاق نہیں کریں گے۔"

پھر وہ ڈری ڈری سی نیلما اور تبسّم کے ساتھ چلی گئی۔

ادھر بڑے کمرے میں کامران کیرم بچھائے ہوئے ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔

ان تینوں کو دیکھتے ہی بولے :۔

"آیئے آیئے، تشریف لایئے، کیرم اور یہ خاکسار (ذرا جھک کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر) آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

نیلما نے کہا:۔

"بھیّا! آپ نے ثمرآنہ کے اوپر بلّی کا بچہ پھینکدیا تھا۔ یہ آپ سے ناراض ہیں۔"

تبسّم بولیں :۔

"یہ اسی لئے نہیں آرہی تھیں۔ ہم ان کو بڑی مشکل سے منا کر لائے ہیں۔ اب آپ مہربانی سے کوئی ایسی حرکت نہ کیجئے گا۔ ورنہ پھر یہ کبھی آپ کے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہوں گی!"

کامرآن اپنے دونوں کان پکڑ کر بولے :۔

"کان پکڑتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، اب کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا، جس میں برکت نہ ہو۔"

اِس پر دونوں بہنیں ہنسنے لگیں۔ ثمرآنہ کو بھی ہنسی آگئی۔

پھر کُود کر آکر ثمرآنہ کے آگے اپنا کان کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور بولے :۔

"لیجئے حضُور، میرے کان آپ بھی کھینچ لیجئے!"

ثمرآنہ ان کے اس قدر قریب آجانے سے کھسیانی سی ہو گئی اور پیچھے ہٹ گئی۔

نیلما اور تبسّم ہنسنے لگیں۔ پھر کہنے لگیں :۔

"آپ تو مذاق میں ہی وقت گزارنے لگے۔ آیئے کیرم کھیلیں۔"

چاروں کیرم کی طرف متوجہ ہوئے۔

کامرآن یہ کہہ کر "میں ثمرآنہ کا پارٹنر بنوں گا" اس کے سامنے اُچک کر بیٹھ گئے

ثمرآنہ بولی :۔

"نیلما! میں تو تمہاری پارٹنر بنوں گی۔ مجھے تو ٹھیک سے کیرم کھیلنا آتا بھی نہیں ہے!"

کامران بہت سنجیدگی سے بولے:۔

"اگر تمہیں کھیلنا نہیں آتا ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر تم پارٹنر تو میری ہی بنو گی۔"

کامرآن کی اس سنجیدگی پر سب کو حیرت ہوئی اور تینوں تعجب سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

کامرآن بولے:۔

"ارے بھئی، اب میری طرف کیا دیکھ رہی ہو۔ گوٹیں میرے منہ پر نہیں رکھی ہیں، نیچے دیکھو ——— !"

اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے اسٹرائیکر سنبھالا اور کھیل شروع ہوا۔

کامرآن کھیل میں خاصی سنجیدگی سے منہمک رہے۔ اور ثمرآنہ بےچاری کی کچھ دیر تک بے تکے مذاقوں سے جان بچی رہی۔

دو گیم کھیلنے کے بعد کامرآن بولے:۔

"بھئی اب کیرم تو کھیل چکے، اب تم لوگوں کی کچھ تصویریں کھینچیں۔ یہ مواقع بار بار کب آتے ہیں!"

اب نہ معلوم کب یہ موقع آئے کہ ہم ان کے اوپر بلّی پھینکیں اور پھر خوشامد میں ان کو کیرم کھلائیں اور ان کی تصویریں کھینچیں۔

ثمرآنہ بےچاری پھر کامرآن کے حملوں کا نشانہ بن رہی تھی۔ گھبراہٹ اس پر اب بھی طاری تھی، لیکن اب کچھ کچھ وہ ان حملوں کی عادی ہو گئی تھی۔

کامرآن دوڑ کر اپنا کیمرہ لے آئے۔ کئی تصویریں تو پہلے تینوں کی ساتھ کھینچیں پھر ثمرآنہ کو اکیلا کھڑا کر کے کہنے لگے:۔

"اب ان کی اکیلے کھینچیں گے۔"

نیلمؔا اور تبسّمؔ تالی بجا کر ہنسنے لگیں۔ واہ واہ! یہ بات آپ نے کہی ہے اچھی۔ ان کی اکیلے تصویر بہت اچھی آئے گی۔ بلکہ آپ بھی ساتھ کھڑے ہو جائیے۔ ہم کھینچ دیں گے۔ پھر تو تصویر کا حُسن دوبالا ہو جائے گا!

ثمرآنہ شرما کر پیچھے ہٹ گئی اور کہنے لگی:۔

"نہیں نیلماؔ بہن! میں اب تصویر نہیں کھچواؤں گی!"

کامرآن نے کہا:۔

"ارے بھئی، آپ ان لوگوں کی بات پر نہ جائیے۔ یہ تو بلاوجہ آپ کو تنگ کر رہی ہیں۔ آپ ادھر کھڑی ہو جائیے، میں جلدی سے کھینچ لوں گا!"

وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔

اور کامرآن نے اس کی تصویر اپنے کیمرے میں محفوظ کر لی۔

تصویر کھنچتے ہی وہ بولی:۔

"اب میں امّی کے پاس جا رہی ہوں!"

اور وہ نیچے بھاگ گئی!

؎ سوچا کہ مل گئی ترے غم سے ہمیں نجات
یہ سوچتے ہی پھر سے تری یاد آ گئی!

کامران! ــــــ یہ میری پہلی تصویر تھی جو تم نے کھینچی تھی...... تم اُس وقت سمجھ دار ہو چکے تھے اور تم میری تصویر اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے تم نے مجھے کیرم کھیلنے کے بہانے سے بلایا تھا۔

اور میں...... ان باتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ اِس تصویر کی اہمیت تو تم نے بعد میں بتائی تھی۔

کاش...... یہ سب کچھ نہ ہُوا ہوتا کامران! ــــــ تم نے مجھے کبھی نہ دیکھا ہوتا...... کاش میں تمہارے گھر نہ جاتی۔ اور تم میری تصویر نہ کھینچتے کامی!...

اگر یہ سب کچھ نہ ہُوا ہوتا تو آج میں اِتنی دُکھی نہ ہوتی۔ آج میں اِس طرح آنسو نہ بہا رہی ہوتی.... آج میں کسی اجنبی دیس کی طرف خوشیوں کی تلاش میں نہ جا رہی ہوتی!

اُف...... کامی..... یہ یادیں کتنی تکلیف دہ ہیں۔ کیا میں ان سے کبھی چھٹکارا نہ حاصل کر سکوں گی......؟

میرے کامران! ــــــ تم نے مجھے خوشیاں دکھا کر یہ غموں کے خزانے کیوں دے

دیئے۔ تم نے جہاں مجھ سے میری خوشیاں چھینی ہیں۔ میرا ماضی بھی چھین لو، تاکہ میں ماضی کے رنگین خوابوں میں جھانک کر حال کی تلخیاں شدّت سے نہ محسوس کر سکوں..... میرا ماضی مجھ سے لے لو...... میں ماضی کو مڑ مڑ کر دیکھتی ہوں۔ اور سامنے پھیلے ہوئے خار دار جنگل میں الجھ کر رہ جاتی ہوں۔ تم نے مجھے کتنے دُکھ دیئے ہیں..... اور خود اپنی خوشیوں میں گم ہو...... تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کسی کو دُکھ دے کر تم زیادہ دن خوش نہ رہ سکو گے۔

تم نے جو محبّت کا بیج بویا تھا۔ اس کو میں نے اپنے رنگین خوابوں سے سینچا۔ اس کو ہم دونوں نے ہی مل کر پروان چڑھایا۔ مگر کامران......! اب تم نے ساتھ کیوں چھوڑ دیا۔ اب تم کیوں پیچھے ہٹ گئے۔ کیا دُنیا کی ہر دلچسپی مجھ سے زیادہ ہے۔ کامی! کیا میں اتنی بُری ہو گئی ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ یا اب مجھ سے بہتر ساتھی مل گئے ہیں!

میرے کامی! مجھے اپنی محبت پر پورا بھروسہ ہے۔ ایک دن تم میرے پاس ضرور آؤ گے۔ میں نے تم سے ٹوٹ کر محبت کی ہے۔ میرے ضمیر میں ذرا سی بھی خلش نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل کے کسی بھی گوشے میں ذرا سی بے وفائی کا سایہ بھی نہیں آنے دیا ہے...... میری محبّت سچّی ہے۔ میں نے تمہیں دل و جان سے زیادہ پیار کیا ہے۔ کیا ہُوا جو تم مجھے منجدھار میں چھوڑ کر دُنیا کی دلچسپیوں میں گم ہو گئے۔

مجھے اپنی محبّت پر بھروسہ ہے، اپنے خدا پر اعتبار ہے، وہ ضرور انصاف کرے گا!

تم آؤ گے اور ضرور آؤ گے!

لیکن کامی!— اتنا انتظار میں کیسے کر سکوں گی؟— کیا میں اتنے طویل انتظار کا بوجھ برداشت کر سکوں گی—؟ اُف کامی!..... تم نے مجھے اپنی محبّت کی زنجیروں میں اتنی سختی سے کیوں جکڑ دیا ہے۔ کیا میں تم کو بھُولنے میں کامیاب نہ ہو سکوں گی—؟

تمہارے خیالات میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔ یہ میں زندگی کے کس موڑ پر آگئی ہوں؟

کامی! ؎ یہ کس مقام پر تنہائی سونپتے ہو
کہ اب تو ترکِ تعلق کا حوصلہ بھی نہیں

کاش، میں تم کو بھول جاؤں —— !

"اپنی اپنی سیٹ بیلٹس باندھ لیں ......" ایر ہوسٹس کی مترنم آواز گونجی۔

اور میں اپنے خیالوں سے چونکی۔

میں منہ چھپائے ہوئے رو رہی تھی، اور میرا رومال آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا...

لوگ اب بھی مجھے ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔

مگر میں کیا کروں.... میں اپنے اوپر قابو نہیں پا سکتی۔ رفتہ رفتہ ہی تو قرار آئے گا!

تہران آگیا تھا۔ لوگ اتر رہے تھے۔ میں بھی کھوئی کھوئی سی لوگوں کے ساتھ اُتری بالکل خالی الذہن۔ لوگوں کے ساتھ چلتی رہی۔ اور جب لاؤنج میں پہونچی تو وہاں کے بڑے بڑے شیشوں پر نظر گئی۔

دل کو ایک دھکا سا لگا۔

تمہاری یاد سے کوئی جگہ، کوئی چیز بھی تو خالی نہیں ہے کامی!

تہران ہم دونوں ساتھ آئے تھے اور یہاں کے یہ بڑے بڑے شیشے مجھے اور تمہیں دونوں کو ہی بے حد پسند آئے تھے۔ اور ہم لوگ کافی دیر تک اس کے پاس کھڑے رہے تھے۔

اور آج ..... میں تنہا ان ہی شیشوں کو حسرت سے دیکھ رہی ہوں ؎

بھولی ہوئی راہوں سے جو گزرے ہیں کبھی ہم
ہر گام پہ کھوئی ہوئی اِک یاد ملی ہے !

اب تو میری زندگی بھی ان ہی شیشوں کی طرح سپاٹ اور چٹیل ہو کر رہ گئی ہے۔

—— ——

لاؤڈ اسپیکر پر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوتا ہے۔ اور میں چابی کے کھلونے کی طرح وہاں سے اُٹھتی ہوں۔ اور لوگوں کے ساتھ چل کر جہاز تک آجاتی ہوں۔۔۔
۔۔۔ اور پھر اپنی سیٹ پر بیٹھ جاتی ہوں۔

خیالات کا لامتناہی سلسلہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔۔۔۔۔۔ مجھے نہیں معلوم کب جہاز فضاؤں میں پہنچ گیا۔

مجھے تو بس اپنے خیالات کی پرواز کا علم تھا!

ثمرآنہ اب گھر کے سب لوگوں سے کچھ مانوس ہو گئی تھی۔ اور اس کا کچھ دل لگنے لگا تھا۔

کامرآن نے جو اس کو چھیڑنے کے منصوبے بنائے تھے۔ وہ ان پر اس ڈر سے پوری طرح عمل نہیں کر رہے تھے کہ کہیں ثمرآنہ ناراض نہ ہو جائے۔ وہ اس کو کسی قیمت پر بھی ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور ثمرآنہ بھی اب کافی مطمئن نظر آتی تھی۔ اِس کے دل میں جو کامران کی شرارتوں کی دہشت بیٹھ گئی تھی۔ وہ اب دُور ہو چکی تھی۔

کامرآن نے نیلماؔ اور تبسّم کو بھی منع کر دیا تھا کہ ثمرآنہ کو بالکل نہ چھیڑیں ورنہ وہ پھر ہمارے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہو گی۔

ثمرآنہ نیلما کی ہم عمر تھی۔ یہ دونوں ہمیشہ ساتھ ہی رہا کرتیں۔ لوڈو اور کیرم وغیرہ کھیلنے میں کامرآن اور تبسّم بھی شریک ہو جاتے۔ ہنسی، مذاق سب کچھ ہوتا، لیکن اب ثمرآنہ کو نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا۔ پکنکیں ہوتیں۔ پکچرز کے پروگرام بنتے۔ مری اور نتھیا گلی کے چکر لگائے گئے۔ کبھی گھوڑے کی سواری کی جاتی۔ کبھی پیدل چلا جاتا۔ بارش ہونے لگتی تو بند کمروں میں بیٹھ کر کیرم کھیلا جاتا۔ ہنسی مذاق ہوتے۔ ہر طرف مسرّتوں کی بارش تھی۔ وقت دبے پاؤں گزرتا چلا جا رہا تھا، مگر اس کا کسی کو احساس نہیں تھا۔

عمرانہ بیگم اور حمیدہ بیگم کی باتوں کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ رات کو دو دو بجے تک یہ لوگ باتیں کرتیں۔ لڑکے لڑکیاں۔ سب کامران کے کمرے میں جمع ہو کر خوب اودھم مچاتے۔

اس ہنگامے میں بھی کبھی کبھی کامران سوچنے لگتے۔ کاش..... وقت ٹھہر جائے، یہ گھڑیاں کبھی نہ بیتیں۔

لیکن وقت کسی کے لئے نہیں ٹھہرا کرتا۔ اس کو تو گزرنا ہوتا ہے، اور گزر جاتا ہے، دو مہینے پر لگا کر اُڑ گئے۔ اسکول کالج کھلنے کے دن آگئے اور عمرانہ بیگم اپنی واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں۔ ان کے جانے کے خیال سے گھر کا ہر فرد رنجیدہ تھا۔

حمیدہ بیگم بہن کی جدائی سے تو تھیں ہی رنجیدہ، مگر وہ ثمرانہ کی جدائی کو بہت محسوس کر رہی تھیں۔ ثمرانہ کے سمجھدار ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جو وہ اتنے دن تک نظروں کے سامنے رہی۔ انہیں اس کی چال ڈھال، بات کرنے کا انداز، چھوٹے موٹے کام کرنے کا طریقہ، ہر چیز بے حد پیاری لگتی تھی۔ وہ ہر وقت نظروں ہی نظروں میں اس پر واری قربان ہوتی رہتی تھیں۔ اس مرتبہ وہ سوچ رہی تھیں کہ کس طرح جلدی سے تین چار سال گزریں تو میں ثمرانہ کو بہو بنا کر اپنے گھر لے آؤں۔ انہوں نے عمرانہ بیگم سے کہہ دیا تھا۔ کہ میں اپنی بیٹی کو اب زیادہ دن تک تمہارے پاس نہیں چھوڑوں گی۔ اور جلدی ہی باقاعدہ منگنی کی رسم کرنے آؤں گی، تم تیار رہنا۔

عمرانہ بیگم کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ جب ثمرانہ چند دن کی تھی، وہ تو جب ہی بہن کو زبان دے چکی تھیں اور وہ اس پر اب بھی قائم تھیں۔ نعمان احمد کو بھی یہ رشتہ دل و جان سے پسند تھا۔

تیاری مکمل ہوگئی اور جانے کا وقت بھی آن پہنچا۔ نیلما، تبسم، تحمینہ سب ہی رنجیدہ تھیں۔ آج کامران بھی بہت خاموش تھے۔ ماں اور بہنیں سمجھ رہی تھیں کہ یہ ثمرانہ

کے جانے کی وجہ سے اُداس ہیں!

ثمر آنہ کو ان سب کے چھوڑنے کا افسوس تو ہو رہا تھا. لیکن اس کو اپنے گھر پہنچنے کی بے حد خوشی تھی. گھر چھوڑے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے اور وہ اپنے گھر سے زیادہ دنوں تک دُور رہنا بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ پھر باپ کی لاڈلی تھی. باپ سے ملنے کی بھی اسے بہت خوشی تھی۔

کامرآن کو یہ بات قدرے ناگوار گزر رہی تھی کہ ثمر آنہ اتنی رنجیدہ کیوں نہیں ہے، جتنا میں ہوں۔

ثمر آنہ دوسروں کے احساسات سے بے نیاز اپنی خوشی میں مگن تھی۔ اسٹیشن پر چھوڑنے سب ہی لوگ گئے۔

سامان رکھا جا چکا تھا. سب لوگ گاڑی میں سوار ہو رہے تھے۔ کامرآن ثمر آنہ کے قریب آکر کان میں بولے:۔

"مجھ سے ناراض ہو کر تو نہیں جا رہی ہو؟"

اس نے "نہیں" کہا اور جلدی سے ٹرین میں سوار ہو گئی۔

ٹرین نے سیٹی دی اور آہستہ آہستہ پلیٹ فارم چھوڑنے لگی. سب کے ہاتھ فضاؤں میں بلند ہوئے. جب تک ٹرین نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی یہ لوگ ہاتھ ہلاتے رہے۔ خرّم وغیرہ بھی برابر ہاتھ ہلا رہے تھے۔

یہ لوگ اُداس اُداس اپنے گھر واپس آگئے۔ اب گھر کی خاموشی سب کو کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ یہ بات ہر ایک محسوس کر رہا تھا کہ کامرآن کچھ زیادہ ہی خاموش اور اُداس رہنے لگے تھے۔ یہ بات ان کی بہنیں اور ماں بھی جانتی تھیں کہ یہ ثمر آنہ کے جانے کی وجہ سے اُداس ہیں۔ اور کامرآن کی یہ اُداسی ان کی آئندہ خوشیوں کا پیش خیمہ تھی۔ وہ سب خوش تھیں کہ کامرآن ابھی سے ثمر آنہ کے لئے اتنے اُداس ہیں۔ وہ اس کو پاکر کتنے خوش ہوں گے، اور اس کو بھی خوش رکھیں گے!

ثمرآنہ اپنے باپ سے مل کر اور اپنے گھر آکر بہت خوش تھی۔ اس کو اکثر پنڈی میں گزاری ہوئی چھٹیاں، وہاں کی پکنکیں اور دلچسپ صحبتیں یاد آتیں۔ نیلما اس کو سب سے زیادہ یاد آتی۔ وہی تو اس کی ہم عمر تھی۔ کبھی کامرآن بھی یاد آجاتے۔ ان کی دلچسپ شرارتیں اس کو تنہائی میں بھی مسکرانے پر مجبور کر دیتیں۔

اور چلنے سے ایک دن پہلے نیلما نے اس سے کہا تھا " اب تو تم جلدی ہی ہماری بھابی بن کر آجاؤ گی"۔ وہ شرم سے سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے کان کی لوئیں جلنے لگی تھیں۔

اب اس کو ان لوگوں کے مبہم سے فقروں اور معنی خیز ہنسی کا مطلب معلوم ہو چکا تھا۔ ابھی اس کو برے بھلے کا زیادہ شعور تو نہ تھا لیکن پھر بھی کامرآن سے وابستگی اس کو اچھی ہی لگی۔ اور اکثر اس کو جب کامرآن کا خیال آتا تو وہ تنہائی میں بھی شرما جاتی!

نیلما کو خط لکھنے کو دل چاہتا لیکن اب وہ شرم کی وجہ سے نیلما کو بھی خط نہیں لکھتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اگر خط کامرآن نے پڑھ لیا تو کیا ہو گا، خالہ امی کیا سوچیں گی!

اس مرتبہ ان لوگوں کی یاد کچھ اس طرح اس کے دل میں بس گئی تھی کہ اس کا دل سے نکالنا ثمرآنہ کے لئے بہت مشکل تھا۔ دو ماہ کی چھٹیاں اس کے دل پر نقش ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس کا ایک ایک دن، ایک ایک بات اسے یاد تھی۔ وہ پہروں وہاں کی یاد اور سوچوں میں گم رہا کرتی۔

کبھی مسکراتی، کبھی شرماتی۔ کبھی یہ سوچ کر رنجیدہ ہو جاتی کہ وہ دلچسپ صحبتیں اب کب ملیں گی؟

زندگی اسی پرانی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ اس نے میٹرک کر کے فرسٹ ایر میں داخلہ لے لیا تھا۔ امّی جان اور خالہ امّی کی خط و کتابت زوروں پر تھی، مگر وہ ان سب باتوں سے جان بوجھ کر انجان بنی اپنی پڑھائی میں، یا سینے پرونے میں مصروف رہتی۔

کالج کی نئی زندگی اس کے لئے بہت خوشگوار اور دلچسپ تھی۔ ان ہی دنوں اس کو کامرآن کے بی ایس سی کرنے کی اطلاع ملی۔ اس کو خوشی تو بہت ہوئی لیکن اپنی اس خوشی کا اظہار کسی سے نہ کر سکی۔ وہ اب جوانی کی حدود میں قدم رکھ چکی تھی۔ کامرآن اسے دل و جان سے پسند تھا۔ مشرقی لڑکیوں کے روایتی انداز سے وہ دل ہی دل میں اس کو چاہنے لگی تھی۔ جس کو اس کے ماں باپ نے بچپن سے ہی اس کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ وہ ماں باپ کے اِس فیصلے پر خوش اور مطمئن تھی!

کامرآن نے ایم ایس سی میں داخلہ لے لیا تھا۔ ایم ایس سی کے بعد ان کا دو سال کے لیے باہر جانے کا ارادہ تھا۔ حمیدہ بیگم چاہتی تھیں کہ ان کے باہر جانے سے پہلے باقاعدہ منگنی کی رسم ادا کر دیں۔ اور دو سال بعد جب وہ واپس آ کر کسی اونچے عہدے پر فائز ہو جائیں تو اس وقت بہو بیاہ کر لائیں۔

اِس دوران میں اچانک تحمینہ کی شادی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کی منگنی تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ابھی ان لوگوں کا شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اچانک ہی لڑکا جاپان جانے کو تیار ہو گیا۔ پھر سب کی رائے ہوئی کہ شادی کر کے تحمینہ کو بھی ساتھ لے جائے۔ وقت زیادہ نہیں تھا۔ اس لیے نہ تو سب رشتے دار جمع ہوئے، نہ شادی میں دُھوم دھڑکا ہو سکا۔ بس حمیدہ بیگم سادگی سے اس فرض سے سبکدوش ہو گئیں۔ اور بی تحمینہ جاپان کو سدھار گئیں۔ تحمینہ کے جانے کے بعد وہ اب اس فکر میں تھیں کہ کامرآن کی منگنی کر دی جائے۔

وہ موقع کی تلاش میں تھیں کہ کسی دن کامرآن سے اس سلسلے میں گفتگو کر لیں اور پھر عمرآنہ بیگم کو لکھیں۔ انہیں یہ تو علم تھا کہ کامرآن بھی ثمرآنہ کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ صاف طور سے ان کی زبان سے اقرار سُننا چاہتی تھیں۔ کامرآن کے والد نوید احمد بھی اس رشتے سے بہت خوش تھے اور ان کی یہی خواہش تھی کہ منگنی کی رسم جلد از جلد ادا کر دی جائے۔

انہوں نے بیوی سے کہہ دیا تھا کہ تم کامران کی مرضی معلوم کر کے ثمرآنہ بیگم کو لکھ دو کہ ہم گرمیوں کی چھٹیوں میں منگنی کرنے آ رہے ہیں۔

شام کو حمیدہ بیگم مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھیں، نوید احمد اپنے کمرے میں مطالعے میں مصروف تھے۔ کامران ٹینس کھیل کر واپس آئے۔ حمیدہ بیگم نے آواز دے کر اپنے کمرے میں بلا لیا۔

کامران ریکٹ ہلاتے ہوئے آکر ماں کے پاس بیٹھ گئے اور بولے :-

"کہئے امّی جان! کیسے یاد فرمایا۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

حمیدہ بیگم :- ہاں بیٹے! کئی دن سے تم سے بات کرنے کو سوچ رہی تھی۔ تم سے کچھ مشورہ لینا ہے۔

کامران :- کیسا مشورہ؟ میں سمجھا نہیں!

حمیدہ بیگم :- گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بات تو خوشی کی ہی ہے!....

...میں سوچتی ہوں بیٹے، اس سال چھٹیوں میں تمہاری منگنی ثمرآنہ سے کر دوں، پھر تو خیر سے تم دو سال کے لئے چلے جاؤ گے۔ شادی واپس آنے پر ہو جائے گی۔ میں تمہارا عندیہ لینا چاہتی ہوں تاکہ ثمرآنہ بیگم سے خط و کتابت کر لوں، وہ بھی تیاری کر لیں۔ میں چاہتی ہوں کہ منگنی بھی دھوم سے کروں، تمہاری کیا رائے ہے؟

کامران :- (کچھ گھبرا کر) امّی، ابھی ایسی جلدی کیا ہے۔ مجھے تعلیم سے تو فارغ ہونے دیجئے!

حمیدہ بیگم کو کامران کے گھبرانے اور منگنی سے انکار نے پریشان کر دیا۔

وہ بولیں :-

"بیٹے، یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو، کیا خدانخواستہ ثمرآنہ تمہیں پسند نہیں ہے؟"

کامران :- "نہیں امّی! ایسی کوئی بات نہیں (پھر حمیدہ بیگم کے گلے میں باہیں ڈال

کر بولے) میری امّی! آپ کتنی جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے، کہ منگنی اگر آپ کو کرنی ہی ہے تو مجھے ایم ایس سی تو کر لینے دیجئے۔ پھر میرے انگلینڈ جانے سے پہلے منگنی کر دیجئے گا!

حمیدہ بیگم:۔ تمہیں ابھی منگنی کرنے سے کیوں انکار ہے؟

کامران:۔ امّی، سوچیے تو، جب تک میں کسی قابل نہ ہو جاؤں آپ خالہ جان سے کس طرح بات کر سکتی ہیں۔ کہیں وہ انکار نہ کر دیں!

حمیدہ بیگم:۔ کیسی باتیں کرتا ہے، عمرانہ کبھی اس رشتے سے انکار نہیں کر سکتیں۔ جب ثمرانہ چند دن کی تھی میں نے اُسی وقت اس کو مانگ لیا تھا۔ اب انکار کا تو سوال ہی نہیں ہے۔

کامران:۔ (خوشامد سے) میری امّی! ابھی منگنی کو رہنے دیجئے۔

حمیدہ بیگم:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں منگنی سے انکار کیوں ہے؟

کامران:۔ (سنجیدگی سے بولے) امی، جب تک میں اپنی پڑھائی سے فارغ نہ ہو جاؤں، میں کسی قسم کی وابستگی نہیں چاہتا۔ لیکن آپ کی خوشی اسی میں ہے۔ میں انگلینڈ جانے سے پہلے منگنی کو تیار ہوں۔ لیکن امّی — پلیز! ابھی اس ذکر کو نہ چھیڑیے۔ مجھے اپنی پڑھائی کی طرف توجہ کرنے دیجئے!

اور یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف تھکے تھکے قدموں سے چل دیئے۔ حمیدہ بیگم کی سمجھ میں یہ معمّہ نہیں آ رہا تھا کہ کامران منگنی سے خوش ہونے کے بجائے انکار کیوں کر رہا ہے۔ ثمرانہ کی یہاں موجودگی میں کامران کی اس سے دلچسپی اور وارفتگی دیکھ کر بہت مطمئن تھیں۔ ان کا تو خیال تھا کہ کامران یہ خبر سُن کر خوشی سے ناچا ناچا پھرے گا، لیکن اس کے سردردیے نے انہیں بہت فکر مند کر دیا تھا۔ وہ تو بہت منصوبے بنائے بیٹھی تھیں کہ عمرانہ بیگم سے خط و کتابت کر کے بات پکّی کر لیں گی۔ اور گرمیوں میں منگنی کی رسم ادا کر دی

جائے گی۔

وہ اسی سوچ میں گم تھیں کہ اگلا قدم کس طرح اٹھانا چاہیئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کامرآن اپنے کالج کی کسی لڑکی کو پسند کرتا ہو۔

نہیں..... میرا کامرآن ایسا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے اس خیال کو جھٹک دیا۔

اگر کامرآن نے انکار کر دیا تو......

یہ خیال ہتھوڑے کی طرح ان کے دماغ پر پڑا۔

اُف..... میں عمرآنہ بیگم کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی اور یہ صدمہ میرے لئے بھی برداشت کرنا مشکل ہو گا!

نہیں، نہیں..... کامران کی سعادت مندی سے مجھے یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ میری خواہش کو ٹھکرا دے گا۔ لیکن پھر ایسی کون سی مجبوری ہے جو وہ ابھی منگنی نہیں کرنا چاہتا ——— !

وہ میری اس بات سے خوش کیوں نہیں ہوا۔ وہ چپ کیوں ہو گیا ——— میرا تو خیال تھا کہ وہ خوشی سے جھوم اُٹھے گا۔ مگر وہ تو کیسے تھکے تھکے قدم اُٹھاتا ہوا یہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔

میرے معبود! ——— مجھے امتحان میں نہ ڈال ——— جو زبان میں عمرآنہ بیگم کو آج سے سترہ سال پہلے دے چکی ہوں ——— مجھے توفیق دے کہ میں اس کو پورا کر دکھاؤں اے اللہ! تُو ہی مدد کرنے والا ہے!

کامران ماں کے پاس سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آئے۔ اور بغیر کپڑے بدلے جُوتوں سمیت ہی مسہری پر لیٹ گئے۔

وہ سوچ رہے تھے کہ امّی کی خوشیوں کا مرکز میں ہوں۔ امّی میری منگنی ابھی کرنا چاہتی ہیں۔ وہ جلد از جلد ثمرآنہ کو اپنی بہو بنے ہوئے دیکھنا چاہتی ہیں۔

ثمرآنہ میری بھی زندگی ہے۔ میں بھی اس کو اپنانا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کی مرضی کے بغیر نہیں۔ کسی طرح اگر ثمرآنہ کی مرضی معلوم ہو جائے، تو مجھے ابھی منگنی پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ تو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی کہ ثمرآنہ میری ہو جائے۔ مجھے اس کے رویّے سے احساس ہُوا تھا کہ وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی ہے۔

اس کی آنکھوں میں اب سے کئی سال پہلے کے واقعات گھُوم گئے۔ جب ثمرآنہ یہاں آئی تھی۔

میں تو ثمرآنہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ جب وہ یہاں آئی تھی تو میں نے اپنی عادت کے خلاف اس کو چھیڑنا بھی اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ میں اس کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ میں تو ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ مُجھ سے دُور بھاگتی تھی۔ اس نے کبھی خود مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔

میری ہر بات کا جواب ہاں، یا نہیں سے زیادہ نہیں دیا ـــــ کیا وہ مجھے پسند نہیں کرتی؟ ـــــ کامران کے ذہن میں سوال گونجا۔

نہیں..... اب سے چند سال پہلے وہ چھوٹی تھی...... اس عمر میں اچھے بُرے کا احساس نہیں ہوتا...... شائد اسی لئے میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں!

لیکن وہ اتنی چھوٹی بچی تو نہیں تھی۔ کیا وہ اپنی پسند کو نہیں سمجھتی تھی؟ اور اس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی ـــــ انہوں نے سوچا۔

نہیں ـــــ وہ شرمیلی، نازک سی لڑکی، جذبات بھی نازک ہی رکھتی ہوگی۔ وہ کُھلّم کُھلاّ کس طرح اپنی پسند کا اظہار کر سکتی تھی۔ اس عمر میں لڑکیاں کچھ زیادہ ہی شرمایا کرتی ہیں اور اپنی پسند ظاہر نہیں کر سکتیں۔

پھر اچانک کامرآن کے ذہن میں اس کی روانگی کا نقشہ گھوم گیا۔

وہ اُس دن کس قدر خوش تھی۔ اگر اس کو میرا ذرا بھی خیال ہوتا تو اس طرح خوش نہ ہوتی۔ اس کو تو یہاں سے جانے کا ذرا بھی غم نہیں تھا۔ وہ تو اِس طرح مگن پھر رہی تھی جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ اس کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میرے دل پر کیا کیا بیت رہی ہے۔

میں تو صرف یہ تمنّا کر رہا تھا کہ وہ ایک مرتبہ نظر اٹھا کر میری طرف دیکھ لے۔ لیکن اس نے ایک دفعہ بھی تو نظر اٹھا کر میری طرف نہیں دیکھا۔ اور جب میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ناراض ہو کر جا رہی ہو، جب بھی تو اس نے کوئی اچھا تاثر نہیں دیا۔ سپاٹ لہجے میں "نہیں" کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

مجھے اس کی طرف سے ذرا سا بھی تو اشارہ نہیں ملا۔

میں کیسے امّی کی بات مان لوں..... بہت ممکن ہے، وہ اب بھی شرم اور

سعادت مندی کی وجہ سے زبان نہ کھولے۔ مشرقی لڑکیوں کا تو دستور ہی یہ ہوتا ہے۔
اس کی مرضی کے خلاف اگر اس کی شادی مجھ سے ہو گئی تو ہم دونوں کی ہی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ میں اسے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔

اور وہ شاید میرے پاس آکر خوش نہ ہو!

ان سب باتوں کو تو کئی سال گزر چکے ہیں۔ اب وہ کالج میں پڑھ رہی ہے، اس میں ضرور کچھ تیزی آگئی ہو گی۔ اپنی پسند اور ناپسند کو خُوب اچھی طرح سمجھتی ہو گی۔

میں نے تو کئی سال سے اس کو دیکھا ہی نہیں۔ یہ اندازہ لگانا میرے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں!

کسی طرح اس کی مرضی معلوم ہو جائے......

مگر کیسے؟

نیلما سے کہوں کہ وہ خط لکھ کر پُوچھے۔

مگر لڑکیاں ایسی باتیں خطوں میں کیسے لکھ سکتی ہیں؟

میں جب تک اس کی مرضی نہیں معلوم کر لوں گا، کوئی قدم نہیں اُٹھاؤں گا!....

...میں اس کی مرضی خود معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس سے صاف صاف کہلوانا چاہتا ہوں.......

مگر وہ مجھے ملے گی کہاں؟

اس کو دیکھے ہوئے بھی تو کتنے دن ہو گئے ہیں۔ اب تو وہ اور بھی پیاری ہو گئی ہو گی۔ اب نمعلوم وہ مجھ سے ملنا اور بات کرنا پسند بھی کرے گی یا نہیں!

نمعلوم میری قسمت میں کیا لکھا ہے...... وہ مجھے ملے گی بھی یا ساری عمر میں اس کی یاد کو ہی سینے سے لگائے بیٹھا رہوں گا!

اس کو دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔

کراچی جانے کا پروگرام بنانا چاہیئے۔ اس کو ایک نظر دیکھ بھی لوں گا۔ اس کی مرضی بھی معلوم کر لوں گا۔ اس کو پنڈی آنے کی دعوت دوں گا!

انگلینڈ جانے سے پہلے میں اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں — میں ان جگہوں پر جانا چاہتا ہوں جہاں ہم لوگوں نے بچپن کے حسین لمحات گزارے تھے۔

میں اس کو ایک ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں۔ اگر وہ "میری" ہونے پر راضی نہیں ہوگی تو میں اس کو بچپن کا ایک ایک واقعہ یاد دلاؤں گا...... پھر میں اس سے کہوں گا کہ ان یادوں کو میرے ذہن سے کھرچ دو!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بچپن کے ان حسین لمحات کو بھلا بیٹھی ہو، میرے لئے اس کے دل میں کوئی جگہ نہ ہو...... یہ ماننے کو دل نہیں چاہتا۔

لیکن یہاں سے جاتے وقت اس کا خوش ہونا......

سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا راز ہے اور یہ گتھی کیسے سلجھاؤں

اگر کراچی چلا بھی جاؤں تو وہ مجھے تنہائی میں کہاں ملے گی، جو اس سے میں اپنے دل کی بات کہہ سکوں اور اگر بالفرض کوئی ایسا موقع مل بھی جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے۔

میں اس کی ناراضگی کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔

اُف اللہ —— میں کیسے اس مسئلے کو حل کروں، جتنا میں سوچتا جاتا ہوں، اتنا ہی اُلجھتا جا رہا ہوں!

امّی بے چاری میرے انکار سے کس قدر پریشان ہو گئیں۔ اُن کو کیسے مناؤں؟ اُن کو تو خیر منا لوں گا۔ لیکن جب تک میں منگنی کا اقرار نہیں کر لوں گا اُس وقت تک وہ خوش نہیں ہوں گی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

امّی کو یہ کیسے بتا دوں کہ میں خود ثمرآنہ کی مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ امّی تو کبھی

اس بات کے لیے راضی نہیں ہوں گی کہ میں ثمرآنہ سے کوئی اس قسم کی بات کروں۔ کراچی جانے کا پروگرام تو بنا سکتا ہوں۔

دو دن کی چھٹی میں ہو آؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خالہ جان کے ہاں ٹھہرنا تو مناسب نہیں ہوگا ارشد میرا پرانا دوست ہے۔ بہت دنوں سے بلا رہا ہے۔ اس کے ہی ہاں ٹھہروں گا۔ ثمرآنہ سے ملنے کا موقع نکالنا بہت ہی مشکل ہوگا۔ دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔

ارشد سے ملے ہوئے بھی ایک مدّت ہوگئی۔ اتنے دن کے بعد وہ مجھے دیکھ کر کس قدر خوش ہوگا۔ اتنے سالوں کی کتنی باتیں جمع ہوگئی ہیں۔

امّی سے کراچی تفریح کے لیے اجازت لے لوں گا۔ میری امّی بہت اچھی ہیں۔ وہ ضرور اجازت دے دیں گی، خدا کرے میرا کام بن جائے۔ کسی طرح ثمرآنہ سے ملاقات کا موقع مل جائے اور میں اس کی مرضی معلوم کرلوں پھر امّی کو یہ خوشخبری سناؤں کہ منگنی کی تیاریاں شروع کردیں۔

بیچاری امّی ـــــ مجھ سے کتنی محبّت کرتی ہیں۔ میری خوشی سے خوش اور میری خاموشی سے کتنی پریشان ہوجاتی ہیں۔

میں صبح ہی امّی کو مطمئن کردوں گا۔ وہ پریشان نہ ہوں۔ خدا مجھے اپنے ارادوں میں کامیاب کرے۔

ان خیالوں سے کامرآن قدرے مطمئن ہوگئے اور اسی طرح لیٹے لیٹے سو گئے

نیلما کھانے کے لیے کامرآن کو بلانے کمرے میں آئی تو دیکھا، وہ کپڑے بدلے بغیر اور جوتوں سمیت سو رہے ہیں۔ اس نے آہستہ سے ان کے جوتے اتارے، کمبل اڑھایا پیشانی چھوکر دیکھی اور مطمئن ہوکر ہلکی روشنی کمرے میں جلاکر بھائی کو محبت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

کھانے کے کمرے میں سب جمع تھے۔ حمیدہ بیگم بہت خاموش، افسردہ سی بیٹھی تھیں، نیلما اور کامرآن کا انتظار تھا۔

نیلماؔ نے آکر کہا۔ بھیاؔ تو بے خبر سو رہے ہیں۔ کپڑے بھی نہیں بدلے۔ میں اُن کے جوتے اتار کر کمبل اُڑھا کر آئی ہوں۔

حمیدہ بیگم پریشان ہو کر بولیں :۔

"ہائے کہیں میرے بچے کی طبیعت تو خراب نہیں ہو گئ !"

"نہیں امّی، میں نے پیشانی چھو کر دیکھ لی ہے۔ بخار تو نہیں، تھک گئے ہوں گے!"

حمیدہ بیگم نے کہا :۔

"نہیں، آج وہ شام کو بہت خاموش تھا۔"

نویدؔ احمد بولے :۔

"شام کو جب وہ ٹینس کھیل کر آیا ہے اُس وقت تو بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ میرے پاس ہو کر پھر تمہاری طرف گیا تھا۔ مجھ سے تو کافی دیر ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ تم نے تو کچھ نہیں کہا ؟"

حمیدہ بیگم افسردگی سے بولیں :۔

"نہیں، میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

وہ ابھی یہ بات نویدؔ احمد اور لڑکیوں کو نہیں بتانا چاہتی تھیں۔

کھانا بہت خاموشی اور بدمزگی سے کھایا گیا۔ دونوں ماں بیٹے کی خاموشی نے گھر کی فضا کو مکدّر کر دیا تھا۔ کھانا کھا کر سب خاموشی سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

صبح کو کامرآن کی آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو پینٹ سمیت بستر پر دراز دیکھ کر کل شام کا واقعہ ذہن میں گھوم گیا۔ امّی کا بُلانا، منگنی پر اصرار کرنا، پھر اپنی پریشانی....

وہ اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ امّی کو کیسے خوش کریں۔ وہ ان کے انکار سے بہت رنجیدہ اور پریشان تھیں۔

وہ سوچنے لگے :۔

امّی ضرور رات کو میرے کمرے میں آئی ہوں گی۔ مجھے کمبل بھی شاید امّی نے ہی اُڑھایا ہو گا۔

میری امّی مجھ سے کتنی محبّت کرتی ہیں۔ میں ابھی خوش خوش ان کے پاس جاؤنگا تو وہ بھی خوش ہو جائیں گی۔ وہ میری خوشی سے خوش ہوتی ہیں۔ میں ان کو مطمئن کر دوں گا

پھر وہ غسل خانے میں چلے گئے۔

ناشتے کی میز پر سب لوگ کامرآن کے منتظر ہی بیٹھے تھے۔ نوید احمد کو جلدی جانا تھا وہ ناشتہ کر کے جا چکے تھے۔ کامرآن مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور ماں کو سلام کیا۔

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"جیتے رہو بیٹے، طبیعت کیسی ہے؟"

کامران :- امی جان، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔

حمیدہ بیگم :- رات کو بغیر کپڑے بدلے سو گئے۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ بہت پریشان تھے۔

کامران :- (بات بناتے ہوئے) نہیں امی جان، میں تو پریشان نہیں تھا، کل دراصل ٹینس کافی دیر تک کھیلتا رہا۔ اس لئے کچھ تھک گیا تھا۔ جوتے پہنے پہنے ذرا آرام کرنے لیٹا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔

حمیدہ بیگم :- میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔ بُرے بُرے وہم دل میں آ رہے تھے۔

کامران :- امی، آپ تو ذرا سی بات میں پریشان ہو جاتی ہیں۔

حمیدہ بیگم :- بیٹے، تمہاری خاموشی نے ہمیشہ مجھے پریشان کیا ہے۔ تم ماں کے دل کو کیا سمجھو۔ ذرا سی بات پر کیسے کیسے وہم دل میں آنے لگتے ہیں۔

کامران سمجھ گئے تھے کہ ماں کا اشارہ رات والی باتوں کی طرف ہے وہ بولے :- امی جان! معمولی باتوں میں وہم نہ کیا کیجئے۔ میں تو ہمیشہ کی طرح خوش ہوں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

حمیدہ بیگم کامران کی باتوں سے قدرے مطمئن ہو گئیں۔ وہ ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں، کامران اور لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں اسکول اور کالج جانے کے لئے تیار ہونے چلے گئے۔

دو تین روز اسی طرح گزر گئے۔ پھر منگنی کے موضوع پر نہ حمیدہ بیگم نے کوئی بات چھیڑی، نہ کامران نے ہی کوئی تذکرہ کیا!

کامران کے دل میں الجھن اور پریشانی رہتی تھی۔ لیکن وہ ماں کے سامنے اپنے آپ کو خوش و خرم ظاہر کرتے تھے۔ کراچی جانے کا پروگرام ابھی نہیں بن سکا تھا۔

شام کا وقت ہے، حمیدہ بیگم عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھیں کہ کامرآن ان کے کمرے میں آکر بولے۔

"کہئے امی جان، کیا ہو رہا ہے؟"

حمیدہ بیگم :۔ تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی کہ تم آجاؤ تو چاء پئیں۔

کامران :۔ ارے ابھی تک آپ نے چاء نہیں پی۔ نیلما اور تبسّم کہاں ہیں؟

حمیدہ بیگم :۔ لڑکیاں ابھی تو یہیں تھیں۔ وہ بھی تمہارے انتظار میں تھیں!

کامرآن کی آواز سُن کر لڑکیاں بھی اسی کمرے میں آگئیں۔ حمیدہ بیگم نے تبسّم سے کہا کہ جاؤ، چاء بن گئی ہو گی۔ شرفو سے کہو کہ یہیں لے آئے۔

تبسّم چاء کو کہہ کر آگئیں۔

کامرآن بولے :۔

"امّی جان! دو دن کے لئے کراچی جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اور ابّا جان اجازت دیں تو چلا جاؤں!"

حمیدہ بیگم :۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن دو دن کے لئے کراچی جانے سے کیا فائدہ۔ کوئی لمبی چھٹی ہو تو اس میں چلے جانا تمہارے ابّا جان سے تو میں پوچھ لوں گی!

کامران :۔ امّی، ارشد بہت دن سے بُلا رہا ہے۔ اِس لئے سوچتا ہوں، دو ہی دن کے لئے ہو آؤں!

حمیدہ بیگم :۔ دو دن میں ارشد سے تو کم ہی وقت کے لئے ملاقات ہو سکے گی، تم تو عمرانہ کے ہاں رہو گے!

کامران :۔ نہیں امّی! اس مرتبہ میرا خالہ جان کے ہاں ٹھہرنے کا پروگرام نہیں ہے۔ ارشد کے بُلانے پر جا رہا ہوں، وہیں ٹھہروں گا۔ خالہ جان کے ہاں ملنے تو ضرور جاؤں گا۔ پھر کبھی جاؤں گا تو ان کے ہاں ٹھہر جاؤں گا!

حمیدہ بیگم :۔ عمرانہ کو تمہارا کہیں اور ٹھہرنا ناگوار ہو گا!

کامران :۔ امّی! میں خالہ جان کو ناراض نہیں کروں گا۔ اُن کے ہاں بھی وقت گزاروں گا۔ ان کو اپنے وہاں نہ ٹھہرنے کی وجہ سمجھا دوں گا، ان کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

تبسّم شرارت سے بولی :۔

"بھائی جان! آپ کچھ وقت ہی نہیں بلکہ زیادہ وقت وہاں گزاریں گے سُسرال ہے، بڑی خاطریں ہوں گی!"

کامران :۔ تم کیوں میری خاطروں سے جل رہی ہو، تمہاری سسرال میں تمہاری بھی خاطریں ہُوا کریں گی۔ پھر تم کون سا مجھے پُوچھ لو گی!

تبسّم چڑ کر بولی :۔

"دیکھئے تو امّی جان، یہ بھائی جان کیسی باتیں کر رہے ہیں!"

کامران بولے :۔

"تم نے مجھے کیوں چھیڑا۔ جیسی بات کرو گی ویسا ہی جواب ملے گا۔"

چائے آ گئی۔ اور اسی قسم کے ہنسی مذاق کے دوران چائے پی جانے لگی۔

کامران بولے :-

"پھر امّی، میں چلا جاؤں نا! آپ کی طرف سے اجازت ہے؟"

حمیدہ بیگم :- ہاں بیٹے پ چلے جاؤ، میری طرف سے اجازت ہے!

کامران اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اگلے ہی دن روانگی تھی، وہ آ کر اپنی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

کراچی ایئر پورٹ پر ارشد بے چینی سے ٹہل رہے ہیں۔ ابھی جہاز کے آنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ وہ دس منٹ ان کو دس سال کے برابر معلوم ہو رہے ہیں۔ ایک عرصے کے بعد اپنے عزیز دوست سے ملاقات ہونے والی ہے۔ انہیں ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا ہے۔

جہاز کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور جہاز رَن وے پر آتا دکھائی دیا۔ ارشد ریلنگ کا سہارا لے کر بغور جہاز کی طرف دیکھنے لگے۔ سیڑھی لگی اور سب سے پہلے ہی ان کو کامران نظر آ گئے۔

ارشد دوڑ کر کامران سے لپٹ گئے۔

کار فرّاٹے بھرتی جا رہی تھی۔ دونوں دوست اتنے عرصے بعد ملے تھے۔ باتوں کا سلسلہ کار میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب گھر آ گیا۔

ارشد نے کامران کے ٹھہرنے کا بندوبست گیسٹ روم میں کیا تھا۔ وہ کامران کو ان کے کمرے میں پہنچا کر اندر چائے کو کہنے چلے گئے۔

چائے آ گئی اور وہ دونوں چائے کے دوران بھی گفتگو میں مصروف رہے۔ دُنیا جہان کی باتیں کی جا رہی تھیں۔

ارشد بولے :۔

"کہو بھئی کامران! شادی وادی کب ہو رہی ہے؟"

کامران اس ذکر پر ذرا سنجیدہ ہو گئے۔

یہ بات ارشد کو کچھ عجیب سی لگی۔ ان کا تو خیال تھا کہ کامران اس ذکر سے خوش ہوں گے۔ پھر اس سے شادی کے بعد کے پروگرام اُگلوائے جائیں گے۔

ارشد نے کہا :۔

"ارے بھئی اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گئے تم شادی کے نام پر!"

پھر بولے :۔

"اچھا ـــــ اب سمجھا کہ تم خاموش کیوں ہو۔ اپنی خالہ جان کے ہاں جو نہیں ٹھہرے بھئی اس میں اتنا بسورنے کی کون سی بات ہے، کل چلے جانا۔ اب تو شام ہو گئی ہے۔ آج کا تھوڑا سا وقت ہمارے ساتھ گزار لو۔ کل صبح ہی تمہیں چھٹی دے دیں گے۔ تم دن بھر کے لئے اپنی خالہ کے ہاں ہو آنا۔ مگر یہ یاد رکھنا چھٹی صرف صبح سے شام تک کی ہوگی۔ اس سے زیادہ کی نہیں۔ صرف دو دن کے لئے تو آئے ہو۔ تمہارا رونا دیکھ کر ہم نے ایک دن کی بھی اجازت دے دی، ورنہ ہم تو تمہیں ایک منٹ کو بھی نہ جانے دیتے۔"

پھر جیب سے رومال نکال کر کامران کو دیتے ہوئے بولے :۔

"لو بس! اب چُپ ہو جاؤ اور آنسو پونچھ لو!"

کامران کو ارشد کی اس حرکت پر ہنسی آگئی۔ وہ کہنے لگے :۔

"تم نے تو بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ تم نے مجھے جواب دینے کی مہلت ہی کہاں دی؛ خود ہی بولے چلے جا رہے ہو!"

ارشد :۔ اچھا تو اب تم بکو کہ شادی کب کر رہے ہو؟"

کامران :۔ یار، شادی کا تو ابھی جلدی کوئی ارادہ نہیں ہے، انگلینڈ سے واپسی پر دیکھا

جائے گا۔

ارشد:۔ واہ میرے یار، کیا بات کہی ہے۔ ہم تو لڈّوؤں کے انتظار میں دُبلے ہوئے جارہے ہیں۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ ابھی جلدی ارادہ نہیں ہے۔ میاں صاحبزادے اپنے ہوش وحواس میں رہنا۔ میں نے بھی اگر خالہ جان سے کہہ کر تمہاری شادی انگلینڈ جانے سے پہلے نہ کرائی تو میرا بھی نام ارشد نہیں۔ وہاں سے کوئی تیتری پکڑ کر لانے کا خیال ہوگا۔ پھر ثمرآنہ کا کیا ہوگا۔ یہ بھی سوچا ہے!

کامران:۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) تیتری تو لانے کا خیال نہیں ہے۔ اور جہاں تک ثمرآنہ کا سوال ہے تو وہ اپنی پسند کی خود مختار ہیں۔ جہاں وہ چاہیں گی، خالہ جان ان کی شادی وہیں کردیں گی۔

ارشد:۔ بہت خوب! تو یعنی اب ثمرانہ کہیں اور شادی کریں گی، اور آپ اکیلے ڈنڈے بجائیں گے۔ اور وہ جو بچپن سے تم نے رشتے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے اور اس رشتے کی آڑ میں روز بروز مجنوں بنتے جارہے ہو، اس کا کیا ہوگا!

کامران:۔ (سنجیدگی سے) بھئی، یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔ میں بچپن کے رشتے کو سینے سے لگائے بیٹھا ہوں، مگر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ثمرآنہ بھی اس رشتے کا اتنا ہی احترام کریں گی!'

ارشد:۔ اچھا ـــــ تو یعنی آپ تو بچپن کے رشتے کو سینے سے لگائے بیٹھے رہیں گے۔ اور ثمرآنہ مشرقی لڑکی ہوکر بھی آپ کا خیال دل سے نکال دیں گی!

کامران:۔ یہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے کسی کے دل کا حال کیا معلوم!

ارشد:۔ یعنی آپ بغیر دل کا حال معلوم کئے یہ گفتگو کر رہے ہیں۔ میاں جب دل کا حال معلوم ہوجائے جب ہی یہ کلمات زبان سے نکالنا۔ ورنہ اگر تمہاری خالہ جان نے سن لیا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔

کامران :۔ میں نے کسی کے دل کا حال تو کبھی نہیں معلوم کیا۔ لیکن ارشد ! عقل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

ارشد :۔ جی ہاں، یہ تو مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ بہت عقلمند ہیں آگے فرمایئے کہ آپ نے اپنی عقل سے کون سا تیر مارا ہے۔

کامران :۔ بھئی میرا تو یہی اندازہ ہے کہ ثمرآنہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔

ارشد :۔ شاباش ـــــ بڑے دُور کی کوڑی لائے۔ یعنی آپ نے یہ اندازہ لگالیا کہ ثمرآنہ آپ کو پسند نہیں کرتیں (سنجیدہ ہو کر) یہ کیوں نہیں کہتے کہ کسی کو دل دے بیٹھے ہو۔ صاف صاف بتا دو، ورنہ ...... ورنہ

کامران :۔ ورنہ کیا ؟

ارشد :۔ ورنہ کچھ نہیں !

کامران ہنس پڑے۔

ارشد :۔ میاں صاحبزادے ! یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ صحیح صحیح بتاؤ کہ قصّہ کیا ہے۔ پہلے تمہاری باقاعدہ منگنی ہونی تھی۔ پھر شادی ہونی تھی۔ خالہ جان کو تمہاری شادی کا کتنا ارمان ہے اور تم شادی کے نام سے بدک رہے ہو، آخر ہوا کیا ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو !

کامران :۔ میں نے کہا تو ہے کہ مجھے اندازہ یہ ہوا ہے کہ ثمرآنہ مجھے پسند نہیں کرتیں

ارشد :۔ آپ کو کس بات سے یہ اندازہ ہوا۔ آپ کب آخری بار ثمرآنہ سے ملے تھے ؟

کامران :۔ ثمرآنہ سے تو میں اب سے کئی سال پہلے ملا تھا اور جب ہی مجھے یہ اندازہ ہوا

ارشد :۔ اچھا ـــــ تو جب ثمرآنہ انگوٹھا چوسا کرتی تھیں۔ آپ نے جب ہی سے سمجھ لیا کہ وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں !

کامران :۔ سمجھ تو میں جب ہی گیا تھا۔ اتنے دنوں میں بھی اپنے آپ کو یہی تسلی دیتا رہا کہ ثمرآنہ اُس وقت چھوٹی تھی، مگر اب اس عرصہ میں مجھے ثمرآنہ کی کسی بات سے بھی تو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہیں۔

ارشد :۔ تمہاری بھی عقل چرنے گئی ہے۔ تم پنڈی میں تھے وہ کراچی میں پھر تمہارے خیال میں ثمرآنہ کو اپنی پسند کا اظہار کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور تم کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ تمہیں پسند نہیں کرتیں؟

کامران :۔ اتنے دنوں میں کتنے انقلاب آئے۔ میں نے اتنے امتحان پاس کئے۔ اس نے کوئی چھوٹا موٹا تحفہ بھیجنا تو درکنار مبارکباد کے دو لفظ بھی لکھ کر نہیں بھیجے۔ کراچی سے برابر کوئی نہ کوئی پنڈی جاتا رہتا ہے اس نے کبھی کوئی زبانی پیغام تک نہیں کہلوایا تم خود ہی بتاؤ یہ سب باتیں میرے شک کو یقین میں بدل دینے کے لئے کافی نہیں ہیں؟

ارشد :۔ واہ واہ! کیا شعر عرض کیا ہے۔ یعنی وہ لڑکی ہو کہ آپ کو تحفے بھیجے آپ کو محبت نامے لکھے۔ آپ سے پیام سلام کرے۔ میں پوچھتا ہوں۔ آپ نے اب تک اس کو کتنے تحفے بھیجے۔ کتنی مرتبہ پیام سلام بھیجے۔

کامران :۔ بھئی میں تو خالہ جان کی وجہ سے ڈرتا ہوں۔ میں ان کی بیٹی کو کچھ بھیجوں گا تو وہ کیا سوچیں گی؟

ارشد :۔ بہت خوب ...... یعنی آپ تو چھ فٹ کے مرد ہو کر ڈرتے ہیں اور اس بیچاری سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ صاف صاف لفظوں میں آپ سے اظہارِ محبت کرے!

کامران :۔ خدا کو دیکھا نہیں، عقل سے پہچانا ہے۔ میں کب کہتا ہوں کہ وہ صاف صاف لفظوں میں اظہارِ محبت کرے، مگر بھئی ارشد! مجھے تو اس کی کسی بھی بات سے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔ جب کئی سال پہلے وہ پنڈی آئی تھی اُس وقت اس نے مجھے بالکل لفٹ ہی نہیں دی تھی!

ارشد :- پھر وہی بات ـــــ میرے یار، اس وقت یہ تو سوچو کہ اس کی عمر کیا تھی۔ خیر ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ کل تم صبح ہی ثمر آنہ کے ہاں چلے جاؤ، پھر سب معلوم ہو جائے گا کہ ثمر آنہ کتنے پانی میں ہیں۔ پھر میں آپ کو آپ کے اندازوں پر مبارکباد دوں گا میں ثمر آنہ کی عادت سے خوب واقف ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میری بہن کی اس سے بہت دوستی ہے۔ میری بات مانو۔ ثمر آنہ بھی بچپن سے تمہیں دل میں بٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ یاد رکھنا پیارے، شام کو چھ بجے سے پہلے آجانا۔ اندازے غلط ہونے پر ایک پکچر اور ایک انٹر کانٹی نینٹل میں ڈنر دینا پڑے گا۔

کامران ٹھنڈی سانس بھر کر بولے :-

کاش، یہ سب اندازے غلط ہوں۔ پھر تو جتنی پکچر نہ اور ڈنر کہو گے میں کھلاؤں گا اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی کیا ہو گی۔

کھانا لگنے کی اطلاع ملی۔ پھر دونوں دوست کھانا کھانے چلے گئے۔ کھانا کھا کر بھی یہ دونوں دوست گھنٹوں مختلف قسم کی باتوں میں مشغول رہے۔ کالج کے قصّے، ساتھ گزرا ہوا وقت، اور جتنے دن ایکدوسرے سے دُور رہے وہ سارے واقعات ایک دُوسرے کو سُناتے رہے ـــــ گیارہ بجے ارشد سونے چلے گئے۔ اور کامران بستر پر لیٹ کر کل کے متعلق سوچنے لگے۔

نمعلوم ثمر آنہ سے ملاقات ہو سکے گی یا نہیں، کاش! ارشد کا ہی کہنا صحیح ہو، اور میرے سارے اندازے غلط نکلیں۔

اگر ثمر آنہ نے مجھ سے ٹھیک سے بات نہ کی اور وہی بے رُخی برتی تو کیا ہو گا.... ...اُف..... یہ سوچ کر ان کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ اپنے خیالات سے چھٹکارا حاصل کر کے سو جانا چاہتے تھے، لیکن نیند تو ان کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی ـــــ وہ رات گئے تک ان ہی تانوں بانوں میں اُلجھے رہے۔ پھر نمعلوم کس وقت نیند کی دیوی نے اُن پر قبضہ جما لیا۔

صبح ذرا دیر سے کامران کی آنکھ کھُلی۔ دیکھا تو سامنے ہی آرام کرسی پر ارشد بیٹھے ہوئے ان کی طرف بغور دیکھ رہے تھے۔

کامرآن نے ارشد کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:۔

"صبح بخیر! یہ صبح ہی صبح کس کے فراق میں بیٹھے ہو!"

ارشد بولے :۔

"یار تمہارے ہی فراق میں بیٹھا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ رات کو کب سوئے تھے۔ آنکھیں اور چہرہ بتا رہا ہے کہ کافی جاگے ہو!"

کامران :۔ ہاں یار، رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی"

ارشد :۔ کیوں، کیا پھر اس گتھی کو سلجھاتے رہے جو میں سُلجھا چکا تھا!"

کامران :۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تک مجھے ثمرآنہ کی طرف سے اچھی طرح اطمینان نہیں ہو جائے گا میں چین سے نہیں سو سکتا!"

ارشد :۔ تم بھی ہو بڑے وہمی۔ رات کو اتنا سمجھایا لیکن بات جہاں تھی وہیں رہی اچھا میرے یار، جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں تمہاری ثمرآنہ کے گھر ڈراپ کر دوں گا اور شام کو دفتر سے واپسی پر لیتا آؤں گا۔ ویسے آج میرا ارادہ دفتر سے چھٹی منانے کا تھا۔

اتنے دنوں کے بعد تو تم آئے ہو۔ چھٹی لے کر گھومتے پھرتے۔ مگر آپ تو مجنوں بنے ہوئے ہیں۔ میں چھٹی لے کر کیا کروں گا۔

کامران :۔ تم بھی میرے ساتھ خالہ جان کے ہاں چلو نا!"

ارشد :۔ واہ، میں کیوں کباب میں ہڈی بننے کے لئے تمہارے ساتھ جاؤں!

کامران :۔ (ٹھنڈی آہ بھر کر) مجھے ثمرانہ کے ساتھ بیٹھ کر تنہائی میں کونسی باتیں کرنی ہیں ؟'

ارشد :۔ نہیں بھئی، تم ہی جاؤ۔ تنہائی میں باتیں کرنے کا بھی موقع اللہ نکال ہی دے گا۔ اس قدر مایوس کیوں ہوتے ہو...... چلو اٹھو، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ناشتہ کرو۔ میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں!

ارشد تیار ہونے چلے گئے اور کامران بھی کچھ سوچتے ہوئے تیار ہونے کے لئے اٹھ گئے۔ انہوں نے کپڑوں کا انتخاب بھی بہت بے دلی سے کیا۔ اگر وہ مطمئن اور خوش ہوتے تو یقیناً کپڑوں کا انتخاب بہت سوچ بچار کے بعد کرتے۔ ان کا کپڑوں کے معاملے میں ذوق بہت ہی نفیس تھا، مگر آج تو وہ بہت ہی بجھے ہوئے تھے۔ اس طرف توجہ ہی نہیں دی!

ارشد تیار ہو کر آ گئے۔ کامران تیار ہو کر ان کے انتظار میں ہی کھڑے تھے۔ دونوں دوست جا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ارشد راستے بھر ان سے باتیں کرتے رہے مگر کامران کچھ کھوئے کھوئے سے خاموش بیٹھے رہے۔ ارشد کی باتوں کا جواب بس "ہوں" "ہاں" میں دیتے رہے۔ ارشد ان کی اس خاموشی کو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن مصلحتاً انہوں نے بھی نہیں چھیڑا۔ اس وقت ارشد بھی سنجیدہ ہو کر سوچ رہے تھے کہ اگر واقعی کامران کا یہ خیال صحیح ہے کہ ثمرانہ اس کو پسند نہیں کرتی تو کامران کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ انہوں نے دل ہی دل میں خدا سے دعا کی کہ کامران کا خیال غلط ہو جائے۔ اور وہ ثمرانہ کے گھر سے بامراد واپس آئیں۔

گاڑی پورٹ میں جا کر رُکی، کامران نے اُتر کر ارشد کو شام تک کے لئے خدا حافظ کہا اور اندر آ گئے۔

گھر میں بہت سناٹا ہو رہا تھا۔ کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ کامران گیلریوں اور برآمدوں کو عبور کرتے ہوئے سیدھے اپنی خالہ جان کے کمرے میں پہنچے۔ وہ الماری میں کچھ کپڑے وغیرہ ٹھیک کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم!"

کامران نے زور سے کہا۔

عمرانہ بیگم نے، جو اچانک کامران کو دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہو گئیں۔

"ارے...... تم بغیر اطلاع کے کیسے پہنچ گئے!"

یہ کہہ کر انہوں نے جلدی سے کامران کو گلے لگا لیا۔ پھر کہنے لگیں:۔

"بیٹے! سامان وغیرہ کہاں ہے، چلو نوکروں سے کہہ کر سامان تو اتروالوں....."

کامران بولے:۔

"نہیں خالہ جان! سامان نہیں ہے۔ میں تو کل آیا تھا۔ ارشد کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اِس مرتبہ ارشد کے بُلانے پر ہی آیا ہوں۔ اِس لئے اس کے ہاں ٹھہر گیا۔ اور آیا بھی صرف دو دِن کے لئے ہوں۔ میں نے سوچا اِس مرتبہ ارشد کی شکایت دُور کر دوں۔ اگلی مرتبہ لمبی چھٹی میں آؤں گا تو انشاء اللہ یہیں رہوں گا۔ اگر اس مرتبہ آپ کے ہاں ٹھہر جاتا تو پھر لمبی چھٹی میں ارشد کے ہاں کا بھی حصہ ہوتا۔"

عمرانہ بیگم:۔ (مسکرا کر) باتیں خُوب بنانی آتی ہیں!

پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئے۔

کامران:۔ خالہ جان! آج یہ گھر میں سناٹا کیسا ہے۔ سب کہاں ہیں۔

عمرانہ بیگم:۔ سب اسکول کالج گئے ہیں۔ تمہارے خالو جان کچہری گئے ہیں۔ صبح سے دوپہر تک تو میں اکیلی ہی ہوتی ہوں۔

عمرانہ بیگم نے اپنی بہن اور بھانجیوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کو

الگ الگ پُوچھ رہی تھیں۔ کامران سب باتوں کا جواب دیتے جا رہے تھے، مگر انہیں تو اس کی جلدی تھی کہ کسی طرح جلدی سے دوپہر ہو جائے اور ثمرآنہ آ جائے۔ وہ دل ہی دل میں ثمرآنہ سے چند منٹ کے لئے تنہائی میں ملنے کی دُعائیں مانگ رہے تھے۔ عمرآنہ بیگم دُنیا جہان کی باتیں کرتی رہیں۔ اور کامرآن بہت ادب سے ہر بات کا جواب دیتے رہے۔

عمرآنہ بیگم کھانے کا انتظام کروانے باورچی خانے کی طرف چلی گئیں، اور کامرآن پھر اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔ اُف...... وقت گزر ہی نہیں چکتا۔ ایک تو بج گیا ہے مگر ثمرآنہ ابھی تک نہیں آئی......

ثمرآنہ کالج سے آ کر سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ مُنہ ہاتھ دھوئے، کپڑے تبدیل کئے، اچانک اس کی نظر میز پر رکھے ہوئے خالی گلدان پر پڑی۔ یہ گلدان صبح کو پھول سجانے کے لئے ڈرائنگ روم سے لائی تھی۔ لیکن کالج کو دیر ہو رہی تھی۔ اِس لئے اپنے ہی کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس وقت اس نے سوچا کہ جب تک کھانا لگے میں پھول سجا کر ڈرائنگ روم میں رکھ آؤں۔ بغیر پھولوں کے ڈرائنگ روم کتنا بُرا لگتا ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر طرف پھُول ہی پھُول ہوں۔

یہ سوچتی ہوئی وہ گلدان لے کر باغ میں چلی گئی۔ اس میں پھُول لگا کر گنگناتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا بھی نہیں کہ کون بیٹھا ہے۔

کامرآن ثمرآنہ کو دیکھ کر اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور قریب جا کر مسکراتے ہوئے بولے:

"السلام علیکم"

ثمرآنہ ایک دم سے گھبرا گئی اور ہائے اللہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

کامران کو وہ گلابی کپڑوں میں بے حد پیاری لگی۔

کامرآن پھر بولے:۔

"کیا پہچانا نہیں، سلام کا جواب بھی ندارد!"

ثمرآنہ جھینپ کر نظریں نیچے کئے ہوئے بولی :۔

"پہچان تو لیا ہے"۔

اور یہ کہکر جانے لگی۔

کامران پھر بولے :۔

"پھر آپ اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہیں ؛ کیا میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی جو اس طرح بھاگی جا رہی ہیں !"

ثمرآنہ اس وقت بُری طرح نروس ہو رہی تھی۔ وہ یہاں سے فوراً چلی جانا چاہتی تھی۔ اچانک کامرآن کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر بے حد گھبرا گئی تھی۔

"جی نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے" ثمرآنہ نے کہا اور پھر جانے لگی۔

کامران بولے :۔

"مجھے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کو میرا آنا بے حد ناگوار گزرا ہے۔ اور اسی لئے آپ مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کر رہیں"۔

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :۔

"ہائے اللہ، مجھے جانے دیجئے، امّی آجائیں گی !"

کامرآن سنجیدگی سے بولے :۔

"ثمرآنہ ! میں تو بڑی اُمیدیں لے کر آیا تھا۔ کیا تم اپنے رویّے سے میری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دو گی ؟"

ثمرآنہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی :۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی !"

کامرآن :۔ سمجھنا چاہو تو سب کچھ سمجھ سکتی ہو۔ اور اگر تم کہو تو میں صاف صاف بتا دوں !"

ثمرآنہ :۔ دیکھئے تو امّی آجائیں گی، مجھے جانے دیجئے !

کامران :۔ اگر امی آ بھی جائیں گی تو کیا ہوا۔ میں تم سے بات ہی تو کر رہا ہوں، ہاں، اگر تم مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتیں تو میں مجبور نہیں کرتا!

ثمرانہ :۔ آپ میری بات کا غلط مطلب سمجھ رہے ہیں۔

کامران :۔ ثمرانہ! میں پنڈی سے صرف تم سے بات کرنے کے لئے ہی آیا ہوں۔ اور تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ یہ میری خوش فہمی تھی کہ میں تم سے جو بات کرنی چاہتا تھا۔ اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن تمہاری یہ بے رُخی دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ میں نے اتنی غلط امیدیں کیوں قائم کیں۔

ثمرانہ :۔ (بیحد گھبرا کر) ہائے اللہ، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا کروں؛

کامران :۔ میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں ہے۔ میں تم سے تنہائی میں صرف چند منٹ بات کرنا چاہتا تھا۔ اگر تم اس وقت خالہ جان کی وجہ سے بات کرنے سے کترا رہی تو کیا میں اُمید کر سکتا ہوں کہ تم مجھے آج ہی کسی وقت ملنے کا موقع دو گی! (ٹھنڈی سانس بھر کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے) مگر ہماری ایسی قسمت کہاں۔ آج شام کو میں چلا جاؤں گا!

ثمرانہ کچھ دیر تک خاموش کھڑی رہی۔

کامران پھر بولے :۔

"کیا آج میں کسی وقت تم سے ملنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

ثمرانہ :۔ (گھبرا کر) "ہائے اللہ! اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو کیا ہوگا؟ امی آ رہی ہوں گی!"

اور یہ کہتے ہوئے وہ کمرے میں سے تیزی سے چلی گئی۔

کامران کھوئی کھوئی نظروں سے اس کو جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ اس سے پھر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور کہنے کو رہ ہی کیا گیا تھا۔

کافی دیر تک صوفے کی ٹیک سے سر ٹیکے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔

عمرانہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں اور بولیں :۔

"چلو کامران بیٹے، کھانا کھالو۔ تمہیں اتنی دیر اکیلے بیٹھنا پڑا۔ کیا کروں، نوکر اتنے نکمے ہیں کہ جب تک خود باورچی خانے میں نہ جاؤ، کام ٹھیک نہیں ہوتا۔ بچے بھی سب آگئے ہیں، کھانے کے کمرے میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔"

کامرآن خاموشی سے اُٹھ کر عمرانہ بیگم کے ساتھ کھانے کے کمرے میں آگئے۔ بچے سب دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔

"آہا! کامرآن بھائی آگئے......!"

کامرآن نے نعمان احمد کو ادب سے سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ نعمان احمد سب کی خیریت پوچھنے لگے۔ پھر کامرآن کے متعلق پوچھتے رہے کہ کتنے دن کے لئے آئے ہیں۔ یہاں کیوں نہیں ٹھہرے، وغیرہ وغیرہ!

بچوں نے بھی مختلف قسم کے سوالوں کی بوچھاڑ کر کے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ عمرانہ بیگم بولیں:۔

"بچو! پہلے کھانا تو کھا لینے دو کامران کو، پھر باتیں کرنا۔ لو کامران بیٹے! تم کھانا شروع کرو۔" ـــــ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولیں:۔

"ارے ثمرآنہ کہاں ہے؟"

پھر زور سے بولیں:۔ "نصیبن بوا! ذرا ثمرآنہ کو تو بھیج دو، اپنے کمرے میں ہوگی!"

صباحت شوخی سے بولی:۔

"باجی اب یہاں نہیں آئیں گی، وہ اپنے کمرے میں شرمائی بیٹھی ہوں گی۔"

"چُپ شریر کہیں کی!" عمرآنہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

کامرآن نے ان دونوں کی طرف افسردگی سے دیکھا اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

نصیبن بوا نے آکر کہا کہ ثمرآنہ بی بی کہہ رہی ہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں ابھی

کھانا نہیں کھاؤں گی تھوڑی دیر بعد کھالوں گی!

عمرانہ بیگم مسکرا کر بولیں:۔

"بھوک کیسے نہیں ہو گی۔ ابھی تو کالج سے آئی ہے ــــ جاؤ نصیبن بوا۔ اس کا کھانا اس کے کمرے میں ہی پہنچادو!"

نعمان احمد:۔ نہیں بھئی، ہماری بیٹی تو ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائے گی۔ وہ اکیلی کیوں کھائے۔

عمرانہ بیگم:۔ آپ بھی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں، وہ کامران کی وجہ سے نہیں آرہی ہو گی۔

نعمان احمد:۔ تو کیا بیگم۔ تم میری بیٹی کا پردہ کراؤ گی۔ مجھے یہ دقیانوسی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔

عمرانہ بیگم:۔ میں تو پردہ نہیں کروا رہی۔ وہ خود ہی چھپ کر بیٹھ گئی ہے۔ اس کی شرم بھی تو دنیا سے نرالی ہے۔ شرم کی وجہ سے نہیں آرہی۔ لیجئے آپ تو کھائیے۔ ــــ جاؤ نصیبن بوا اس کو کھانا جلدی سے دے آؤ!"

کھانے پر سب لوگ کامران سے مختلف قسم کی باتیں کرتے رہے۔ کھانے کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ نعمان احمد معذرت کر کے آرام کرنے چلے گئے۔ بچے کامران کے ساتھ اودھم مچاتے رہے۔ کچھ دیر عمرانہ بیگم بھی بیٹھی رہیں۔ پھر آرام کرنے چلی گئیں۔ بچوں سے کہتی گئیں کہ کامران کو تنگ نہ کرنا۔

پھر خرم سے بولیں:۔ "تم کوئی کھیل لے کر بیٹھ جاؤ!"

کامران بہت چپ چپ تھے۔ یہ عمرانہ بیگم نے بھی محسوس کیا۔ لیکن وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ بچوں کو بھی کامران کا اس طرح چپ رہنا ناگوار گزر رہا تھا۔ وہ تو اودھم مچانے میں بچوں سے بھی زیادہ تیز تھے۔ آج بچے ہر طرح کوشش کرتے رہے

کہ کامرآن بھائی پہلے کی طرح ان کے کھیل میں شریک ہوں، لیکن بچوں کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی کامرآن اسی طرح سنجیدہ بنے رہے۔

شام کو چار لان میں پی گئی۔ نعمان احمد کامرآن سے ان کے مستقبل کے بارے میں پوچھتے رہے۔

اور کامران جلد سے جلد یہاں سے چلا جانا چاہتے تھے۔ ہر گاڑی کی آواز پر مڑ مڑ کر دیکھتے تھے کہ شاید ارشد آئے ہوں!

ثمرآنہ کا رویّہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جو اندازے انہوں نے پہلے لگائے تھے، وہی صحیح نکلے۔ وہ بہت دل برداشتہ سے وہاں بیٹھے رہے۔

ثمرآنہ ہانپتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور مسہری پر گر گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

کامرآن کو اچانک اس طرح اپنے اتنے قریب دیکھ کر اس کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔ خوشی اور شرم کے ملے جُلے جذبات تھے۔ اس کے تو تصوّر میں بھی نہیں تھا کہ کامرآن اِس طرح اس کے اتنے قریب آجائیں گے۔ شرم سے وہ اب تک سُرخ ہوئی جا رہی تھی، نہ تو وہ کامرآن کی باتوں کا صحیح طور سے جواب دے سکی تھی۔ جانا چاہتی تھی لیکن کامرآن کی التجاؤں نے اس کے پیر پکڑ لئے تھے۔ وہ اپنے اندر نہ جانے کی ہمت پیدا کر سکتی تھی اور نہ بات کرنے کی!

وہ اسی طرح لیٹی ہوئی تھی کہ نصیبن بُوا کھانے کے لئے بُلانے آگئیں۔ اس نے ان سے کہہ دیا کہ میں ابھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔ آج اسے اِتنی شرم آرہی تھی کہ نصیبن بُوا سے بھی نظریں نہیں ملائی جا رہی تھیں۔ وہ نظریں نیچے کئے بیٹھی رہی اور نصیبن بُوا مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ اس کو بھوک تو بہت لگ رہی تھی لیکن وہ شرم کی وجہ سے کھانے کے کمرے میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ:۔

امّی کو بھی کیا ہو جاتا ہے۔ مجھ کو اس کمرے میں کیوں بُلا رہی تھیں۔ میں بھلا کامرآن

کے سامنے کیسے جاسکتی ہوں۔ اور ابّو بھی وہیں تھے۔ ہائے اللہ، ابّو کیا سوچتے!

نصیبن بُوا کھانا لے کر آ گئیں۔ اس نے شکر ادا کیا۔ بھوک سے بُرا حال تھا کھانا کھا کر پھر وہ مسہری پر دراز ہو گئی۔ اور تصوّرات میں کھو گئی۔

اُف اللہ، کامران کتنے ہینڈسم ہو گئے ہیں، سفید کپڑوں میں کس قدر اچھے لگ رہے تھے میرے کامران۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اپنے آپ سے ہی شرما گئی۔

اللہ، میرے کتنے قریب آ کر کھڑے ہو گئے تھے، وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے امّی اگر آجاتیں تو مجھے ان کے اتنا قریب دیکھ کر کیا سوچتیں —— میں تو وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی........

وہ مجھ سے تنہائی میں کیا بات کرنا چاہتے تھے؟ ہائے.... بھلا میں تنہائی میں کس طرح اُن سے مل سکتی ہوں —— کتنی بُری بات ہے!

مگر وہ کہنا کیا چاہتے تھے؟

اُس دن امّی اپنی ملنے والیوں سے بات کر رہی تھیں، وہ میری منگنی جلدی کر دینا چاہتی ہیں!

کامران کہہ رہے تھے کہ "میں صرف تم سے بات کرنے کے لئے آیا ہوں"۔ ایسی کیا بات تھی جو وہ مجھ سے کرنا چاہتے تھے۔

اُف! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا

کاش میں ان کی بات سُن لیتی!

اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو ——؟

مگر ایسی ویسی بات کیا ہو سکتی تھی۔ میں سُن تو لیتی......

ہائے مجھے کتنی شرم آتی نہ معلوم کیا بات تھی!

اور اگر مجھے امّی بات کرتے ہوئے دیکھ لیتیں تو کیا ہوتا؟

میں کس مشکل سے پیچھا چھڑا کر آئی ہوں۔

مگر وہ کتنے اُداس ہو گئے تھے۔ بالکل تھکے تھکے سے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ کیا میں کسی طرح کوشش کروں ان سے بات کرنے کی!

ہائے میں تو شرم سے مر جاؤں گی!

آج رضوانہ نے آنے کو کہا تھا، مگر ابھی تک نہیں آئی۔ اگر وہ جاتی تو شائد کچھ کام بن جاتا!

مگر وہ کیا کام بناتی۔ وہ تو الٹا مذاق کرنے بیٹھ جاتی ہے اور ہم دونوں کا ہی ناک میں دم کر دیتی۔

ہائے کامران ــــــ تم نے مجھے کس الجھن میں ڈال دیا۔ تم کیا بات کہنا چاہتے تھے۔ میں کیوں ایسی ہو گئی تھی کہ تمہاری بات نہ سُنی۔

کامران ٹھیک تو کہہ رہے تھے، اگر میں اس وقت امّی کی وجہ سے بات نہیں کر رہی تھی تو دوبارہ اُن سے ملنے کا وعدہ تو کر لیتی۔ ہائے، یہ میں نے کیا کر لیا!

اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ شام ہونے والی ہے اور وہ کہہ رہے تھے کہ میں شام کو چلا جاؤں گا۔

اللہ، وہ کتنے خاموش تھے۔ بچوں کے شور و غل کی آوازیں آ رہی ہیں لیکن کامرآن کی آواز نہیں سنائی دے رہی ہے۔

میں نے کتنی بڑی غلطی کی۔ کاش میں ان کی بات سُن لیتی!

وہ سوچتے ہوں گے کہ میں کتنی بد اخلاق اور بد تمیز ہوں۔

مگر شرم بھی تو کوئی چیز ہے۔ میں کس طرح ان سے بات کر لیتی؟

اے اللہ! مدد فرما ــــــ کامرآن نے میرے متعلق کتنی غلط رائے قائم کر لی ہو گی ــــــ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

میں کتنی بڑی غلطی کر کے پچھتا رہی ہوں۔

لیکن کیا کروں ــــــ مجھ میں اتنی ہمّت بھی تو نہیں تھی کہ ان سے بات کرلیتی مجھ سے تو بالکل بات نہیں کی جا رہی تھی۔ مجھ سے تو ایک لفظ بھی نہیں بولا جا رہا تھا۔ میرے تو حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ میرا دل کتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اللہ میاں نے سب کے حصّے کی شرم مجھے ہی کیوں دے دی۔ میں نے تو افسانوں اور ناولوں میں پڑھا ہے کہ ہیرو ہیروئن ایک دُوسرے سے خُوب گھُل مل کر باتیں کرتے ہیں مگر بھئی ــــــ مجھ سے تو یہ بے شرمی نہیں ہو سکتی۔

مگر اب کیا ہو؟ ــــــ کیا کوئی حل نہیں ہے ــــــ؟

کاش، رضوانہ ہی آجائے۔ شاید وہ کوئی بات سنجیدگی سے سوچ کر مجھے مشورہ دے!

ثمرآنہ ان ہی سوچوں میں غلطاں و پیچاں تھی کہ ملاحت آگئی۔

"باجی، دیکھئے، ہمیں کامرآن بھائی نے کتنی ساری ٹافیاں دی ہیں!"

ثمرانہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:۔

"اچھا دیکھیں تو کتنی ساری ٹافیاں ہیں؟

ملاحت بولی:۔

"ہم کوئی آپ کو تھوڑی دیں گے یہ ٹافیاں۔ یہ تو ساری کی ساری ہماری ہیں!"

ثمرآنہ بولی:۔

"نہیں بھئی، ہم تو ٹافی ضرور کھائیں گے"۔

ملاحت نے ہنس کر کہا:۔

"مجھے تو کامرآن بھائی نے ٹافیاں دی ہیں اور آپ کے لئے خالی کاغذ دیا ہے۔ دیکھئے"

اُس نے تہہ کیا ہُوا کاغذ دکھاتے ہوئے پھر کہا:۔

"کامران بھائی کہہ رہے تھے کہ اگر تم یہ کاغذ اپنی باجی کو دے آؤ گی تو ہم تمہیں بہت

سی ٹافیاں دیں گے۔

"مگر باجی! میں کوئی ایسی بے وقوف تھوڑی ہوں کہ خالی کاغذ آپ کو پہنچا دیتی تو آپ کی ڈانٹ پڑتی اور کامران بھائی مجھے ٹافیاں بھی نہ دیتے۔

تو باجی! میں نے کامران بھائی سے کہا کہ پہلے آپ مجھے ٹافیاں دیجئے۔ پھر میں یہ خالی کاغذ باجی کو دوں گی ..... بہت سی ٹافیاں لوں گی ..... خالی کاغذ دیکھ کر باجی مجھے ڈانٹیں گی۔ میں جلدی سے دیکر بھاگ آؤں گی ......"

پھر معصومیت سے بولی:۔

"باجی! آپ مجھے ڈانٹیں گی تو نہیں، میں کوئی خود تھوڑی لائی ہوں خالی کاغذ، وہ تو کامران بھائی نے دیا ہے۔

..... اور ہاں باجی! وہ کہہ رہے تھے کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ باجی، بھلا اس میں ایسی کیا بات ہوئی جو کسی کو معلوم نہ ہو.....

خیر مجھے کیا ــــ مجھے تو بہت سی ٹافیاں مل گئیں۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی، لیجئے اپنا کاغذ......"

وہ کاغذ ثمرآنہ کی گود میں ڈال کر بھاگ گئی۔

ثمرآنہ کا کاغذ کا نام سُن کر ہی دل دھک سے ہو گیا تھا۔ اس کی ہمّت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کاغذ ملاحت سے لے لیتی۔

نمعلوم اس میں کیا لکھا ہو گا، اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ یہی سوچتی رہی کہ پرچے کو کھولے یا نہیں۔

بمشکل اس نے پرچے کو کھولا۔

چھوٹا سا کاپی کا کاغذ تھا۔ اس پر بیچ میں بہت صاف الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔

"کیا تم اِس سال چھٹیوں میں پنڈی آؤ گی؟ میری زندگی کا

دار و مدار تمہارے جواب پر ہے !"

کامرآن

وہ سوچنے لگی ــــــ ہائے اللہ، یہ کامران نے کیوں پوچھا ہے۔

میں اب پنڈی کس طرح جا سکتی ہوں، رشتے کی بات سب کو معلوم ہے۔ اب تو باقاعدہ منگنی ہونے والی ہے۔ اب میرا پنڈی جانے کا کیا موقع ہے۔ کامرآن بھی کیسی باتیں کرتے ہیں......

میں "نہیں" کہلوائے دیتی ہوں۔

مگر کہلوانا ٹھیک نہیں۔ اسی پرچے میں لکھ دوں.....

یہ انہوں نے کیا لکھا ہے کہ میری زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ یہ کیا چاہتے ہیں۔ شاید مجھے پنڈی بلانا چاہتے ہیں۔

امّی اس مرتبہ چھٹیوں میں پنڈی جانے کو کہہ بھی رہی ہیں۔

ہائے اللہ، میں تو شرم سے مر جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔

مگر امّی تو مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی۔ کسی طرح امّی کا جانا ہی ٹل جائے تو اچھا ہے۔

میں کامرآن کو کیا جواب دوں ؟

اللہ ! کامرآن ! ــــــ تم نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ تم اتنا کیوں نہیں سمجھتے کہ مشرقی لڑکیاں اس طرح آزادانہ سوال جواب نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے کیوں اتنا بے باک بنانا چاہتے ہو۔

میں کیسے جواب دوں ؟

اب تو ملاحت بھی چلی گئی۔ چلو اچھا ہوا۔ جان بچی۔ جواب نہیں دینا پڑے گا۔

ملاحت بھاگتی ہوئی آئی۔

"باجی! کامران بھائی جا رہے ہیں۔ انہیں ارشد بھائی لینے آگئے ہیں۔ انہوں نے چپکے سے میرے کان میں کہا ہے کہ جلدی سے اپنی باجی سے جواب لے کر آؤ۔"

وہ اور بھی گھبرا گئی۔ اُس نے جلدی سے قلم اٹھا کر اسی کاغذ پر نیچے "ہاں" لکھ دیا۔ اور وہ کاغذ تہہ کر کے ملاحت کو دے دیا۔ وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔

ثمرآنہ کا دل اب تک ٹھکانے نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، میں نے آج کتنی بے شرمی کی بات کی ہے۔

آج میری پہلی تحریر کامرآن کے ہاتھ میں گئی ہے۔

کامرآن جا رہے ہیں۔ پھر نہ معلوم کب انہیں دیکھ سکوں گی۔ میں نے تو اپنے کامرآن کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔

یہ سوچ کر وہ کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ سب لوگ لان میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور کامرآن سب سے الوداعی گفتگو کر رہے تھے۔ پھر وہ خدا حافظ کہتے ہوئے کار کی طرف چلے گئے۔ اور کار میں بیٹھنے سے پہلے اچانک انہوں نے مڑ کر ثمرآنہ کے کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔

ثمرآنہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کامرآن اس طرح پلٹ کر دیکھ لیں گے، وہ جلدی سے کھڑکی میں سے ہٹ گئی۔

لیکن کامرآن نے اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔

انہوں نے سوچا کہ شاید یہ ثمرآنہ نہ ہو۔

لیکن گلابی کپڑوں میں ثمرآنہ کے کمرے میں اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ آج وہ گلابی کپڑوں میں کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ کاش وہ کچھ دیر اور میرے سامنے رہتی۔

یہ سوچتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئے ——— اور ثمرآنہ ڈرے ڈرے، سہمے

سہمے سے انداز سے کھڑکی کے پردے کی آڑ میں سے گاڑی کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔
وہ اب بھی سمجھ رہی تھی کہ کہیں کامران پلٹ کر نہ دیکھ لیں۔
جب کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ پھر مسہری پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔
اور اپنے حسین تصوّرات میں گم ہو گئی۔

کامرآن گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ارشد نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا:۔

"کہو کچھ بات بنی ؟"

کامرآن افسردگی سے بولے :۔

"نہیں یار۔ اپنی ایسی قسمت کہاں !"

ارشد :۔ دیکھو، اگر اب آئندہ تم نے اپنی قسمت کو کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔ سیدھی طرح بتادو کہ آج تم کن کن مرحلوں سے گزرے۔

کامران :۔ کاش، میں مرحلوں سے گزرا ہوتا !

ارشد :۔ دیکھو، میں کہہ رہا ہوں، سیدھی طرح بتادو۔ مجھ سے چھپانے سے کام نہیں چلے گا۔

کامرآن :۔ بھئی، میں کیا چھپا رہا ہوں۔

ارشد :۔ اچھا ـــــ ہماری بلّی اور ہم ہی سے میاؤں۔ یعنی ہم نے ہی آج آپ کو یہاں بھیجا۔ آپ کے ملنے کا بندوبست کیا، آپ کی دن بھر کی غیر حاضری کو معاف کیا، اور آپ ہیں کہ سیدھی طرح بات ہی نہیں کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ تم مجھ سے چھپا رہے ہو، مگر میں تم سے اگلوائے بغیر پنڈی نہیں جانے دوں گا !

بس پیارے ــــ اب بچھر کا ارادہ تو ملتوی کرو، کلفٹن چلتے ہیں، وہاں اطمینان سے بیٹھ کر تم سے اگلواؤں گا۔

اور ارشد نے گاڑی کلفٹن کی طرف موڑ دی۔

لوگوں کے ہجوم سے الگ وہ دونوں ایک طرف لان میں بیٹھ گئے

ارشد بولے :۔

" ہاں میاں، اب بولو، بچ کر کہاں جاؤ گے۔ آج یہیں بیٹھے بیٹھے صبح کر دوں گا مگر تم سے قبلوا کر چھوڑوں گا۔"

کامران :۔ بھئی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو۔ میں نے آج تک تم سے کوئی بات نہیں چھپائی تو اب کیا چھپاؤں گا۔ بس اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جو اندازہ میں نے لگایا تھا وہ کچھ زیادہ غلط نہیں نکلا۔

ارشد :۔ کیا مطلب ؟

کامران :۔ غالباً یہ رشتہ ثمرآنہ کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہے۔ اُس نے تو مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کیا۔

ارشد بہت سنجیدگی سے بولے :۔

" ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات کرنا پسند نہیں کیا جاتا۔ لیکن پرچے بازی تو پسند کی جاتی ہے۔ اگر ثمرآنہ نے تم سے بات نہیں کی تو اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے، محبت نامہ تو بھیج دیا۔ ہونھ، آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ہی عقلمند ہیں۔ مگر میاں صاحبزادے، میں تمہارا بھی استاد ہوں۔ میں نے بھی اس بچی کو پرچہ لاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اور یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ آپ نے جلدی سے چھپا کر جیب میں رکھ لیا تھا۔ اتنی دیر تک میں بھی آپ کے ضبط کا امتحان لیتا رہا۔ میں نے گاڑی میں بھی تمہیں ایسا باتوں میں اُلجھائے رکھا کہ تم بھی میری نظر بچا کر پرچہ نہ پڑھ سکو...... مانتے ہو مجھے استاد ؟"

مگر یار ـــــ تمہارے ضبط کا قائل ہو گیا۔ کب سے پرچہ جیب میں لئے بیٹھے ہو۔ مگر ابتک پڑھا نہیں۔ دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اور منہ سے آہیں بھر رہے ہو!"

کامران ٹھنڈی سانس بھر کر بولے :۔

"ارے یار۔ چھوڑو بھی یہ باتیں......"

ارشد :۔ (بات کاٹ کر) کیوں چھوڑیں۔ چھوڑنا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں۔ سیدھی طرح بتا دو!

کامران :۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ اس پرچے میں کوئی امید افزا بات تو ہو نہیں سکتی اس لئے میں نے پڑھنا ہی نہیں چاہا۔ بس یہی سوچ کر دل کو تسکین دے رہا ہوں کہ اس کی تحریر تو جیب میں ہے۔

ارشد :۔ یہ آپ کو کیسے معلوم کہ اس میں کوئی امید افزا بات نہیں ہے میرے یار، اگر امید افزا بات نہ ہوتی تو پرچہ ہی کیوں آتا!

کامران :۔ بھئی جب اُس نے مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ میں اس سے بات کرتا رہا، اُس سے میں نے کہا کہ اِس وقت اگر تم مجھ سے بات نہیں کر سکتیں تو مجھے آج دن بھر میں کوئی بھی موقع دے دو پانچ منٹ بات کرنے کا۔ لیکن وہ صفائی سے ٹال کر چلی گئی۔ کیا وہ پانچ منٹ کے لئے مجھ سے بات نہیں کر سکتی تھی!

ارشد :۔ یار تم بھی چغد ہو۔ بھئی کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ شرم کی وجہ سے ـــ یا دوسروں کے ڈر کی وجہ سے تم سے بات نہیں کر سکی ہو گی۔ اب اس محبت نامے کے ذریعے تمہیں اپنی مرضی سے آگاہ کر دیا ہو گا۔

لاؤ پرچہ نکالو، اس میں دیکھوں کیا لکھا ہے!

کامران جیب میں سے پرچہ نکالتے ہوئے بولے :۔

"اس اسٹیج تک تو بات ہی نہیں پہنچی۔ مرضی کیسی!"

کامرآن پرچہ کھول کر دیکھتے ہی مسکرانے لگے۔

ارشد نے زور سے ان کی کمر پر ایک گھونسہ جمایا اور بولے :۔

"اب کیوں دانت پھاڑ رہے ہو، میں نہ کہتا تھا کہ یہ راضی نامہ ہے۔"

کامرآن نے مسکراتے ہوئے وہ پرچہ ارشد کے آگے کر دیا۔

ارشد اس کو پڑھ کر بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے بولے :۔

"رہے تم بھی بدھو کے بدھو، میں سمجھا کہ راضی نامہ آگیا ہے۔ اب تم جاتے ہی خالہ جان کو یہ خوشخبری سنادو گے کہ میں منگنی کے لئے تیار ہوں۔ بس پھر منگنی ہو گی پھر آپ دولہا بنیں گے۔ پھر شادی ہو گی، ہمیں بھی پلاؤ کھانے کا موقع ملے گا۔ یہ تو ساری اسکیمیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ میاں، اگر میں اس وقت تمہاری جگہ ہوتا تو آج ثمرآنہ سے ہاں کرائے بغیر نہ آتا...... یعنی آپ گئے تھے شادی کے لئے مرضی پوچھنے اور بجائے شادی کے آپ پنڈی آنے کی "ہاں" کروا آئے۔ واہ واہ، کمال کر دیا۔ حماقتوں میں بھی تمہارا جواب نہیں ہے!

یعنی آپ نے یہ پنڈی آنے کے لئے کس سلسلے میں ہاں کروائی ہے؟"

کامرآن سنجیدگی سے بولے :۔

"یہ تو خود میں نہیں جانتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ میں تو دراصل اس وقت کراچی آیا ہی اسی لئے تھا۔ امّی جان منگنی کے لئے اصرار کر رہی تھیں، میں چاہتا تھا کہ ثمرآنہ سے خود اس کی مرضی معلوم کر لوں۔ پھر امّی جان منگنی کریں۔ یہاں آیا تو رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھر گیا۔"

پھر کامرآن نے اپنی ثمرآنہ سے ملاقات کا پورا حال سُنایا۔ پھر کہنے لگے کہ :۔

"جب اس نے ملنے کی کوئی امید ہی نہیں دلائی تو میں یہی سوچتا رہا کہ اب کیا کروں میرا تو کراچی آنا ہی بے کار ہوا۔ میرے جاتے ہی امّی پھر منگنی کا سوال اُٹھائیں گی۔ کہاں

تک ٹالوں گا۔ اس کی مرضی معلوم ہو جاتی تو ایک ہی دفعہ امّی سے ہاں یا نہیں کہہ دیتا آج اس سے بات کرنے کی جب اُمید بالکل ہی ختم ہو گئی تو میں نے سوچا کہ کم از کم اس سے یہی معلوم کر لوں کہ وہ پنڈی آئے گی یا نہیں۔ اگر پنڈی آجائے تو پھر سیلمیٰ اور تبسم سے کہہ کر بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ وہ اس کو بات کرنے پر تو راضی کر ہی لیں گی۔ میں صرف اس کی مرضی ہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو مجبور نہیں کروں گا۔ جو اس کی خوشی ہو گی اس کو میں بھی خوشی سے قبول کر لوں گا۔

ارشد:۔ اس کی مرضی تو میں تم کو ابھی بتائے دیتا ہوں۔ اس کی سولہ آنے مرضی ہے کہ وہ تم سے شادی کرے۔

کامران:۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) یہ تو سب دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ اگر اس کی مرضی ہوتی تو آج وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتی اور مجھ سے بات ضرور کرتی۔

ارشد:۔ مگر یہ سوچو کہ اگر اس کی مرضی نہ ہوتی تو وہ پنڈی آنے کی ہی کیوں ہامی بھرتی۔ انکار کر سکتی تھی۔

کامران:۔ نہیں بھئی ارشد! دل یہ ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہے۔ پنڈی تو وہ مجبوراً جائے گی۔ خالہ جان نے مجھے اپنا پروگرام بتایا ہے۔ اس مرتبہ خالہ جان اور خالو جان تمام بچوں سمیت آئیں گے۔ ظاہر ہے ثمرانہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ خالہ جان کے پروگرام پر اگر اس نے بھی پنڈی آنے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہے۔

ارشد:۔ حضور، ہمیں عشق کے بہت تجربے ہیں۔ اس میدان میں آپ اکیلے ہی مجنوں نہیں ہیں۔ ہم ان حسینوں کے نخرے خوب سمجھتے ہیں۔ سوچو تو، وہ اس کا ادا سے شرمانا، آپ کے پرچے کا جواب دینا، اور پھر آپ کی روانگی کے وقت کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھنا، یہ سب باتیں اقرار کی نہیں تو کیا انکار کی ہیں۔

کامران :- کھڑکی میں تو کیا معلوم کون تھا۔ میں نے غور سے تو دیکھا نہیں۔

ارشد :- آپ نے چاہے غور سے نہ دیکھا ہو، مگر اِس ناچیز، خاکسار گناہگار نے گلابی کپڑوں میں ایک جھلک ضرور دیکھی ہے۔ سرکار! اگر وہ شرآنہ نہ ہوتی تو کھڑکی میں کھڑی دن دہاڑے آپ کا نظارہ کرتی رہتی۔ لیکن آپ کے پلٹ کر دیکھتے ہی وہ پیچھے چھپ گئی۔ اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ وہ شرآنہ تھی۔ پھر دیر تک کھڑکی کا پردہ ہلتا رہا۔ اور میں نے بھی ثبوت فراہم کرنے کے لئے پلٹ کر دیکھا تھا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ دُنیا کی ہر لڑکی آپ سے شرمائے اور تانک جھانک کرے۔ ارے خدا کا شکر ادا کرو، یہ تاک جھانک بھی قسمت والوں کے حصّے میں آتی ہے.....

وہ تو دُور تک تمہیں دیکھتی رہی اور ٹھنڈی آہیں بھرتی رہی۔ اب میری مانو تو یہاں سے جاتے ہی خالہ جان سے کہہ دو کہ منگنی کا انتظام کریں۔ سمجھے!

کامرآن بدستور سنجیدہ تھے، بولے :-

"نہیں ارشد! میں کسی پر جبر کرنا نہیں چاہتا۔ تمہارا تسلّیاں دینا بجا سہی، لیکن جب تک مجھے پوری طرح اس کی مرضی نہیں معلوم ہو جائے گی اُس وقت تک منگنی نہیں ہونے دوں گا۔ کچھ دن اور امّی جان سے ٹال مٹول کرتا رہوں گا۔ پھر وہ انشاءاللہ پنڈی آئے گی تو پھر ضرور صاف صاف بات معلوم کر لوں گا۔"

ارشد بڑی سنجیدگی سے بولے :-

"آمین۔ ثم آمین!"

اب رات ہو چکی تھی۔ ان دونوں نے چائینیز ریسٹوران میں کھانا کھایا، پھر سیکنڈ شو دیکھنے چلے گئے۔ رات گئے گھر پہنچے۔ کچھ دیر دونوں دوست باتیں کرتے رہے، اگلے دن کامرآن واپس جا رہے تھے۔ پھر ارشد اپنے کمرے میں سونے چلے گئے۔

کامرآن سونے کے لئے لیٹے۔ نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ دن بھر کے واقعات

ذہن میں گھوم رہے تھے۔ ان کے تصوّرات ثمرآنہ کے ہی گرد چکر لگا رہے تھے۔

وہ اس کا گھبرانا، بار بار سہمی ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنا، اٹک اٹک کر جواب دینا۔ پھر نظریں جھکا لینا، شرم سے گلابی ہو جانا، ایسا لگ رہا تھا جیسے شفق زمین پر آگئی ہو!

گلابی کپڑوں میں وہ کس قدر پیاری لگ رہی تھی...... کاش، ثمرآنہ مجھے مل جائے میرے یہ اندیشے صحیح نہ ہوں...... زیادہ محبّت بھی بد گمان بنا دیتی ہے۔ ممکن ہے، وہ شرم کی وجہ سے مجھ سے بات نہ کر سکی ہو، لیکن خوش تو ہو سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر تو خوشی کے بجائے گھبراہٹ تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر گھبرا کیوں گئی۔ یہی تو باتیں ہیں جو میرے اندیشوں کو تقویت دیتی ہیں!

جب میں نے اس سے کہا کہ میں پانچ منٹ کے لئے اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، تو وہ سُرخ ہو گئی تھی۔ اُس نے شرما کر سر جُھکا دیا تھا۔

اس سے تو کوئی غلط مطلب نہیں نکلتا۔ شرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ ضرور اس کے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے!

مگر وہ مجھے ملنے کا وقت ضرور دے سکتی تھی۔ وہ چند منٹ کے لئے وہیں رُک کر میری بات سُن سکتی تھی۔

خدایا! یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لڑکی نے بھی عجیب الجھنوں میں پھنسا دیا ہے!

وہ یقیناً مجھ سے بیزار ہے۔ جب ہی اتنی بے رُخی سے چلی گئی۔ لیکن اُس نے پرچے کا جواب کیوں دیا۔ وہ اس کا جواب "نہیں" بھی دے سکتی تھی۔ یا وہ اس کا جواب بالکل ہی نہ دیتی تو میں کیا کر لیتا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے میری اس جرأت پر بُرا نہیں مانا، بلکہ کسی حد تک حوصلہ افزائی کی ہے۔

کھڑکی میں بھی یقیناً وہی تھی۔ ارشد ٹھیک ہی کہتا ہے کہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو کھڑکی میں کھڑی رہتی؟

امّی پھر منگنی کی بات لے بیٹھیں گی۔ میں کس طرح ٹالوں وہ جب پنڈی آئے گی۔ اس کے بعد ہی میں امّی کو بتا سکوں گا۔

نمعلوم منگنی تک نوبت آئے گی بھی یا یوں ہی ساری عمر جلتا رہوں گا۔ امّی کو تو منگنی کا اس قدر ارمان ہے، جب میں ٹالتا ہوں تو وہ کس قدر اُداس ہو جاتی ہیں۔ کیا کروں...... عقل کام نہیں کرتی۔

تبسّم کو رازدار بنانا پڑے گا۔ اس سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ جب تک میں خود ثمرآنہ کی مرضی نہیں معلوم کروں گا، منگنی نہیں ہو گی۔ تبسّم آسانی سے ٹلوا دے گی۔ میرے انکار سے امّی سمجھتی ہیں کہ شائد میں ثمرآنہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ کسی اور لڑکی سے الجھ گیا ہوں۔ امّی کو کیا معلوم کہ ثمرآنہ تو میری زندگی ہے۔ اس کے بغیر میری زندگی نامکمل ہے۔ میں اتنی پیاری سی لڑکی کو چھوڑ کر کیسے کسی اور لڑکی سے الجھ سکتا ہوں۔ مجھے ثمرآنہ مل جائے، بس اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

اُف .... ثمو رانی! یہ تم نے میرے اوپر کیا جادُو کر دیا ہے۔ تم کیوں اس طرح میرے حواسوں پر چھا گئی ہو۔ اور پھر اپنی بے رُخی سے تڑپاتی ہو!

زندگی کس ڈھب سے گزرے گی۔ خوشیاں اور شادمانیاں ہوں گی یا مہیب اندھیروں سے واسطہ پڑے گا!

کامران! تمہیں تو دُنیا جہان کی خوشیاں اور شادمانیاں مل گئی ہیں، لیکن تم نے مجھے مہیب اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ایک وہ وقت تھا، جب تم اپنی ثمّو رانی کے لئے بے قرار رہا کرتے تھے۔ اور اب تمہاری ثمّو رانی اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے تم سے لمحہ بہ لمحہ دُور ہوتی جا رہی ہے۔ اور تم اپنی خوشیوں میں گم ہو۔ تم نے کبھی ماضی کے اوراق پلٹ کر نہیں دیکھے۔ جہاں تمہاری محبّت کے نقوش ہیں۔

تم ماضی کی طرف کیوں دیکھنا چاہو گے .... تم جن خوشیوں میں گم ہو وہ تمہیں ماضی کی طرف دیکھنے سے روکتی ہیں کامرآن .... ماضی تمہیں اپنی ثمّو رانی کی یاد دلائے گا اور تم پُرانی باتوں کو یاد رکھنے کے قائل نہیں۔ اس سے حال کی خوشیوں میں کمی ہونے کا اندیشہ ہے۔

یہ کیسی اندھیر نگری ہے۔ دو رُوحوں نے ایک ساتھ رہنے کے لئے دنیا میں جنم لیا .... لیکن ایک کے دامن میں تو خوشیوں کے رنگ برنگے پھول ہیں.... اور.... دُوسرے کا دامن کانٹوں سے اُلجھا ہُوا ہے۔ دُور دُور تک کہیں خوشیوں کا نام و نشان نہیں ہے۔ پیچھے تپتے ہوئے ریگستان اور اونچی نیچی چٹانیں ہیں۔ اور آگے ...... مستقبل میں اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں!

بیروت آگیا ہے۔ لوگ اُترنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں بھی اپنے خیالات سے چونکتی ہوں۔ تھکی تھکی سی، رُکے رُکے سے قدموں سے، دُوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز سے اترتی ہوں۔ اتنے ہنگامے اور نئے نئے لوگوں کو دیکھ کر خالی الذہن ہو جاتی ہوں۔ اس وقت میرے ذہن میں نہ ماضی ہے نہ مستقبل — نہ وطن چھوٹنے کا غم ہے نہ نئی جگہ اور نئے لوگوں کو دیکھنے کی خوشی ہے۔ اور ہاں کامران! اس وقت میں تمہارے خیالات کو بھی اپنے دل سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ اس وقت تمہارا خیال بھی میرے ذہن میں نہیں ہے۔

میں خاموشی سے لاؤنج میں آ کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتی ہوں اور لوگوں کو آتا جاتا دیکھتی رہتی ہوں، کبھی کوئی ہنستا، مسکراتا جوڑا سامنے سے گزر جاتا ہے۔ کبھی دو چار آدمی خوش گپیاں کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں —— کبھی کوئی عمر رسیدہ جوڑا سنجیدگی سے محوِ گفتگو نظر آتا ہے۔

ہر طرف چہل پہل ہے۔ مختلف قسم کے لوگ نظر آ رہے ہیں —— لیکن میں کتنی تنہا ہوں...... احساسِ تنہائی جو عرصہ سے میرا حصہ تھا، اس وقت اس احساس نے پھر دُکھی کر دیا ہے۔

اس احساس کو مٹانے کے لیے، اپنی تنہائی کو ختم کرنے کے لیے میں اُٹھ کر ڈیوٹی فری شاپ کی طرف چلی جاتی ہوں۔ کافی لوگ وہاں جمع ہیں۔ میں بھی مختلف قسم کی چیزوں پر نظر ڈالتی ہوں۔

ایک سیلز مین نہایت شائستہ لہجے میں انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہوتا ہے۔

"میڈم! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ کوئی "پرفیوم" چاہیے؟"

میں غیر ارادی طور پر "ہاں" کہہ دیتی ہوں۔

مجھے تو خود نہیں معلوم کہ مجھے کیا چاہیے۔ کسی نہ کسی طرح وقت گزارنا ہے، اور اپنے

احساسِ تنہائی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ مجھے کسی نے مخاطب تو کیا۔ خواہ وہ سیلزمین ہی کیوں نہ ہو۔

اُس نے مختلف قسم کے سینٹ نکال کر دکھانے شروع کیے۔

"لیجیے میڈم، یہ "جوائے" (Joy) ہے!"

"یہ شینل نمبر 5 ہے!"

"لیجیے، یہ "کریپ ڈی شائن" حاضر ہے۔"

میں ایک ایک شیشی اٹھا کر دیکھتی ہوں اور رکھ دیتی ہوں۔

وہ پھر بولا۔

"آپ کو کوئی سینٹ پسند نہیں آیا؟

لیجیے ـــــ یہ "مس دیار (Miss Dior) ہے!"

اس نے خوبصورت پیکنگ میں شیشی میری طرف بڑھا دی۔

اُف..... اچانک میرا سر گھوم گیا...... میں تنہائی سے چھٹکارا پانے کے لیے یہاں آئی تھی، لیکن کامران!... یہاں تمہارا خیال اس تیزی سے کوندا کہ مجھے اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"مس دیار" ـــــ اس سے کتنی یادیں وابستہ ہیں۔ یہ سینٹ مجھے اور تمہیں دونوں کو ہی پسند تھا۔ سینٹ جمع کرنے کا مجھے خبط تھا اور تم دُور دُور سے مجھے سینٹ منگوا کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ سینٹ تم کتنی مشکلوں سے اور کہاں کہاں سے منگواتے تھے!

تم کہتے تھے۔

جب تم یہ سینٹ لگاتی ہو تو میں اتنا بے خود ہو جاتا ہوں کہ پھر جی چاہتا ہے کہ دُنیا کے سارے جھمیلوں کو خیرباد کہہ دوں اور.......

یہ سینٹ لگا کر میں ہمیشہ ہی تمہارے مُنہ سے کوئی ایسا فقرہ سنتی تھی جس کو سُن کر میں مسکرانے اور شرمانے پر مجبور ہو جاتی تھی۔

مگر آج ...... کامران ...... یہ سینٹ دیکھ کر میرا سر گھوم رہا ہے، میرے حواس جواب دے رہے ہیں۔

میں سیلز مین سے بغیر کچھ کہے ہوئے تیز تیز آ کر صوفے پر گر جاتی ہوں اور سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔

کامران ____ یہ کیسا درد ہے جو تم نے مجھے دیا ہے۔ میرے دل و دماغ پر تمہارا قبضہ ہے۔ میں تمہارے خیالات کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک دینا چاہتی ہوں میں تمہارا ذرا سا عکس بھی اپنے ذہن میں نہیں رکھنا چاہتی۔ میں بھی دُنیا میں خوشیاں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مگر خوشیاں بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ جب تمہارے خیالات میرا پیچھا چھوڑ دیں ____ !

مگر کامی ____ ! تمہاری دس سالہ رفاقت میں چھوٹے بڑے اَن گنت واقعات پیش آئے ہیں۔ ان کو اپنے ذہن سے نکال دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ تم اس تجربے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ تم نے بہت آسانی سے یہ دس سال اپنی زندگی سے ایسے مٹا دیئے ہیں۔ جیسے کئی دن کی بارش کے بعد آسمان صاف ہو جاتا ہے۔

اُف .... کامران! .... تم نے یہ سب کچھ کیسے بُھلا دیا ! مجھے تنہائیوں اور اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑتے وقت کاش ...... مجھے بھلا دینے کا درس بھی دے دیتے۔ پھر مجھے تم سے کوئی گلا نہ ہوتا۔ میں بھی پھر تمہاری طرح شاداں و فرحاں اپنے حال میں مگن ہوتی۔ نہ مجھے ماضی کی یادیں ڈستیں، نہ مجھے "حال" کی تنہائیاں ستاتیں۔ نہ مجھے مستقبل کے اندیشے خوفزدہ کرتے۔

تمہیں تو کامران، جینے کا ڈھنگ خُوب آتا ہے۔ اور "ہم ہیں کہ مر مر کے جئے

جاتے ہیں!"

کامران! خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ تم جہاں رہو خوش رہو۔ اگر تم مجھ سے الگ رہ کر زیادہ خوش رہ سکتے ہو تو میرے کامران...... یہ خوشیاں تمہیں مبارک ہوں۔ تمہیں خوش کرنے کے لئے ہی تو میں نے یہ اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے۔

میں تمہاری دُنیا سے ہی نکل آئی ہوں۔ اور اب تم سے ہزاروں میل دُور ہوتی جا رہی ہوں...... ہر لمحہ مجھے تم سے دُور کرتا جا رہا ہے......

کون جانے کہ اب ہم دونوں زندگی میں کبھی ایک دوسرے سے ملیں گے بھی یا نہیں۔ کتنی زندگی باقی ہے یہ کسی کو کیا معلوم! ؎

ہم جیسے برباد دلوں کا جینا کیا، مرنا کیا —!
آج تری محفل سے اُٹھے کل دُنیا سے اُٹھ جائیں گے

جہاز کی روانگی کا اعلان ہوتا ہے اور میں اپنے تصوّرات کے جال سے باہر نکل آتی ہوں جہاز تک کس طرح پہنچتی ہوں، یہ مجھے نہیں معلوم۔

جہاز میں پہنچ کر سوچتی ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے خواب میں چل کر آئی ہوں۔

جہاز فضاؤں میں بلند ہو جاتا ہے، اور میرے خیالات پھر ماضی کے نشیب و فراز میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں!

حمیدہ بیگم اور لڑکیاں سب کامران کو گھیرے بیٹھی ہیں۔ حمیدہ بیگم ثمرآنہ بیگم کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔ لڑکیاں بار بار ثمرآنہ کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ وہ سب کی باتوں کا جواب دیئے جا رہے تھے۔ لیکن ثمرآنہ کی بات کو اکثر گول کر جاتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کو ثمرآنہ کی خیریت پوری طرح معلوم بھی نہیں تھی۔

ثمرآنہ سے ان کی بات نہیں ہوئی اور خالہ جان سے وہ کس طرح ثمرآنہ کے متعلق پوچھتے۔ کچھ دیر بعد حمیدہ بیگم کسی کام سے اٹھ کر چلی گئیں۔ پھر تبسم اور نیلما بولیں :۔

"ہاں بھائی جان! اب بتایئے ثمرآنہ کیسی ہیں!"

کامران مسکرا کر بولے :۔

"بہت پیاری ہے!"

تبسم بولی :۔

"ہائے اللہ بھائی جان، آپ کتنے بے شرم ہیں۔"

کامران :۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے، تم نے پوچھا ثمرآنہ کیسی ہے، میں نے بتا دیا۔

تبسم :۔ ہم تو یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ خیریت سے تو ہیں نا! آپ سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟

کامران سنجیدگی سے بولے :-

"ہاں، خیریت سے ہی ہوں گی !"

تبسم :- خیریت سے ہوں گی سے کیا مطلب ! کیا آپ کو ان کی خیریت نہیں معلوم ؟

کامران :- بھئی، میں نے تو ذرا سی دیر کو ان کی جھلک ہی دیکھی تھی۔ بات کرنی تو چاہتا تھا، لیکن انہوں نے مجھ سے بات کرنا پسند ہی نہیں کیا۔

تبسم :- واہ بھائی جان ! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اب تو منگنی ہونے والی ہے۔ وہ کیوں آپ سے باتیں کریں گی۔ میں نے تو آپ کی عادت کو جانتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا کیا باتیں ہوئیں۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ آپ ضرور ان سے بات کرنے کی کوشش کریں گے۔

کامران :- (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں بات کرنے کی میں نے کوشش تو کی تھی لیکن ان کی بے رُخی دیکھ کر میں نے انہیں بات کرنے پر زیادہ مجبور نہیں کیا۔ اور منگنی وگنی کیسی۔ دیکھو منگنی ہوتی بھی ہے یا نہیں۔

دونوں گھبرا کر بولیں :-

ہائے بھائی جان، یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ منگنی کیوں نہ ہو گی۔ انشاء اللہ ضرور ہو گی۔ امی تو بہت جلدی آپ کی منگنی کرنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ کی کیا عادت ہے جو مُنہ میں آتا ہے اول فول بکنے لگتے ہیں۔

کامران :- بھئی اگر میرے یا تمہارے کہنے سے منگنی ہو جائے تو یہ زیادتی ہے۔

تبسم :- کیسی زیادتی ؟ کس پر زیادتی ؟ آپ کا بچپن کا رشتہ ہے۔ اب منگنی ہو گی۔ پھر شادی ہو گی۔ ہماری ثمرآنہ بھابی بن کر ہمارے گھر آجائیں گی !

کامران :- ان باتوں کو چھوڑو۔ ممکن ہے تمہاری یہ آرزوئیں تمہارے دلوں میں ہی رہ جائیں۔

تبسم کامران کے مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں :-

یہ ایسی فالیں مُنہ سے نہ نکالیئے۔ خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔ بھائی جان آپ کو تو معلوم کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میں امّی سے آج ہی کہوں گی کہ بھائی جان کی منگنی، بلکہ شادی بھی جلدی سے کر دیں۔

کامران:۔ نہیں تبسّم۔ امّی سے کچھ نہ کہنا۔ میں ابھی شادی اور منگنی وغیرہ کے جھمیلوں سے الگ رہنا چاہتا ہوں۔

تبسّم:۔ ان جھمیلوں سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ آپ کو کیا معلوم، ہم لوگوں کو آپ کی شادی کا کتنا ارمان ہے۔

کامرآن افسردگی سے بولے:۔

"بس اپنے ارمان اپنے ہی دل میں رہنے دو۔ یہ بھول جاؤ کہ کبھی ثمرآنہ تمہاری بھابی بن کر اس گھر میں آئیں گی۔"

تبسّم گھبرا کر بولیں:۔

"بھائی جان، کیا خدانخواستہ آپ کی نظرِ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی ہے....."

پھر بہت افسردگی سے بولیں:۔

"..... ہمیں آپ کے انتخاب پر بولنے کا کیا حق ہے۔ لیکن یہ ضرور کہوں گی بھائی جان کہ آپ جو بھی انتخاب کریں سوچ سمجھ کر کیجیئے گا، اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ ثمرآنہ سے اچھی لڑکی آپ کو دُنیا کے کسی حصّے میں نہیں ملے گی!"

کامران بولے:۔

"انتخاب تو ایک ہی مرتبہ کیا جاتا ہے، جو انتخاب امّی جان نے کیا ہے اس پر مجھے فخر ہے۔ اس انتخاب کو نہ سراہنا دُنیا کی بڑی نعمت کو ٹھکرانا ہے۔"

تبسّم:۔ پھر آپ منگنی سے کیوں انکار کر رہے ہیں۔ اچھا ہے جلدی منگنی ہو جائے اور پھر میں کوشش کروں گی کہ شادی بھی جلدی ہو جائے۔ فاصلے بدگمانیوں کو جنم دیتے

ہیں، اور آپ بھی بدگمانیوں کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔

کامران :۔ تبسم! بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی خوشیوں کے لئے کسی کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتا۔ میرا خیال ہے کہ ثمرآنہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔ اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو میں اس کو مجبور نہیں کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ خود ثمرآنہ سے مل کر اس کی مرضی معلوم کروں۔ امّی بار بار منگنی کے لئے اصرار کر رہی تھیں۔ اسی لئے میں نے اس وقت کراچی جانے کا پروگرام بنایا۔ مجھے امید تھی کہ میں چند منٹ کے لئے اس سے بات کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن اس نے موقع ہی نہیں دیا۔

پھر کامرآن نے اپنی اور ثمرانہ کی ملاقات کا حال تبسم کو بتایا، پرچے والی بات دانستہ گول کر گئے، پھر کہنے لگے :۔

"تم کسی طرح امّی سے کہہ کر منگنی کو فی الحال ملتوی کرادو۔ وہ بھی تمہاری طرح یہی سمجھ رہی ہیں کہ میں کسی اور لڑکی میں الجھ گیا ہوں۔ میں تو ثمرآنہ کے علاوہ کسی لڑکی کا خیال بھی ذہن میں نہیں لا سکتا۔ تمہارے کہنے سے امّی جان کوئی غلط مطلب نہیں نکالیں گی۔ ان سے بس یہ کہہ دو کہ فی الحال میں اپنی پڑھائی میں مصروف ہوں۔ ابھی منگنی کر کے مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔"

تبسم افسردگی سے بولیں :۔

"بھائی جان! کب تک آپ منگنی کو ٹالتے رہیں گے۔ امّی سے میں کیا کہوں، کب تک ٹالنے کے لئے کہوں؟"

کامرآن بولے :۔

بس زیادہ دن کے لئے نہیں، خالہ جان نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ ان چھٹیوں میں ضرور پنڈی آئیں گی۔ ظاہر ہے کہ ثمرآنہ بھی آئیں گی اور وہ لوگ پوری چھٹیاں یہیں گزارنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ خالو جان بھی آئیں گے۔ اس پورے عرصے میں، میں کوئی نہ کوئی وقت

ایسا ضرور نکال لوں گا، جو اس سے بات کر سکوں۔ ________ بس تھوڑی سی تم کو میری مدد کرنی ہوگی۔ اور ان چھٹیوں میں ضرور معاملہ اِدھر یا اُدھر ہو جائے گا، ثمرآنہ سے میں صاف صاف جواب مانگوں گا۔ تم دُعا کرو۔ ثمرآنہ کی "نا" ہم سب کو غموں کی تاریکیوں میں پھینک دے گی اور اس کی "ہاں" سے زندگی میں بہار آجائے گی، ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔ امّی جان، تمہاری اور میری خوشیوں کا مرکز ثمرآنہ ہے۔ وہ چاہے تو اس گھر کو جنّت کا نمونہ بنا سکتی ہے اور اس کی بے رُخی اور انکار اس کو جہنّم بنا سکتا ہے۔

تبسّم اور نیلما خاموشی سے بیٹھی ہوئی کامران کی باتیں سُن رہی تھیں۔ اُنہیں بھی یہ حالات جان کر بے حد صدمہ ہُوا تھا۔ تبسّم افسردگی سے بولیں :۔

"ہم تو معلوم کیا کیا ارمان دل میں لئے بیٹھے تھے۔ آپ کی باتوں نے ہمیں بھی کشمکش و پیچ میں ڈال دیا۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ثمرآنہ ایسی ہو جائے گی کہ وہ بچپن کے رشتے اور اپنے والدین کی خواہشات کا احترام نہیں کرے گی۔ بس خدا ہی بہتر کرنے والا ہے۔"

ہم لوگ ہمیشہ خالہ جان اور ثمرآنہ کے آنے سے کتنے خوش ہُوا کرتے تھے۔ مگر اب تو وہ خوشی افسردگی میں بدلتی جا رہی ہے۔ یہ ضرور دل چاہ رہا ہے کہ ثمرآنہ جلدی سے آجائے۔ پھر میں اس کو جھنجھوڑ کر پوچھوں کہ تمہیں ہمارے بھائی جان میں کیا عیب نظر آتا ہے۔ تم نے ہمارے بھائی جان کی یہ کیا حالت بنا دی ہے؛ تم کیا چاہتی ہو؟ ہم لوگ اس سے اگلوا کر رہیں گے۔"

کامران بولے :۔

"زیادہ جذباتی مت بنو، ہر معاملے کو آسانی سے سُلجھانے کی کوشش کرو، پہلے میں اپنی سی کوشش کر لوں۔ اگر میں اس کا جواب لینے میں کامیاب نہ ہُوا تو پھر یہ معاملہ تمہارے سپرد کر دوں گا، فی الحال تو تم کسی طرح امّی جان کو راضی کر لو کہ وہ کچھ دنوں

کے لئے منگنی ملتوی کر دیں۔

دونوں نے افسردگی سے "اچھا" کہا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ کمرے میں کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھی رہیں۔ پھر نیلما بولی :-

"باجی، سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا قصہ ہے۔ یہ ثمر آنہ بہن کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا یہ اتنی بدل گئی ہیں!"

تبسم اُداسی سے بولیں :-

"دُنیا کو بدلتے دیر نہیں لگتی نیلما! کیا معلوم زمانے کے ساتھ ساتھ ثمر آنہ بھی بدل گئی ہوں!"

نیلما نے کہا :-

"ادھر کئی سال ہو گئے نہ خالہ جان یہاں آئیں، اور نہ ہی امی جان کا جانا ہو سکا۔ امی جان کو چاہیے تھا، برابر آنا جانا قائم رکھتیں۔ اتنے دن کے نہ ملنے سے ممکن ہے کچھ بدگمانیاں ہو گئی ہوں۔"

تبسم بولیں :-

"امی جان اور خالہ جان کی برابر خط و کتابت ہوتی رہی ہے اور اب بھی بھائی جان خالہ جان کے رویے کے تو شاکی نہیں ہیں۔ وہ تو بتا رہے تھے کہ خالہ جان ہمیشہ کی طرح واری صدقے ہو رہی تھیں۔ خالو جان بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھی طرح ملے۔ انہیں تو بس ثمر آنہ سے شکایت ہے۔"

نیلما نے کہا :-

"معلوم کیا بات ہو گی۔ ثمر آنہ بہن یہاں آئیں تو کچھ پتہ چلے!"

تبسم بولیں :-

"میرا تو بس نہیں چل رہا کہ کس طرح گھڑی کی چوتھائی میں وہ لوگ آ جائیں۔ مجھ سے

بھائی جان کا افسردہ چہرہ نہیں دیکھا جاتا۔ وہ پہلے کی سی شوخی نہیں رہی۔ اللہ میرے بھائی جان کے دامن میں خوشیاں ہی خوشیاں بھر دے۔ ثمرآنہ یہاں آجائیں تو بھائی جان سے ملنے کا موقع تو ہم لوگ نکلوا ہی لیں گے۔ پھر اس سے اقرار کروانا بھائی جان کا کام ہے یہ میں جانتی ہوں کہ بھائی جان جس بات پر اڑ جائیں اسے پوری کر کے چھوڑتے ہیں۔ ان کے دماغ میں یہ سما گئی ہے کہ میں خود ثمرآنہ سے اس کی مرضی معلوم کروں گا اور وہ یہ کام ضرور کر کے چھوڑیں گے۔ کراچی میں تو ان کو زیادہ رہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ یہ کام اس طرح اتنی جلدی میں نہیں ہوا کرتے۔"

نیلما کچھ پریشانی سے بولی:۔

"مگر بھائی جان تو کہہ رہے تھے کہ میں ثمرآنہ کو مجبور نہیں کروں گا۔ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

تبسّم نے کہا:۔

"یہ ان کی محبت کی انتہا ہے کہ وہ ثمرآنہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ ایک بات معلوم تو ہو جائے۔ یہ تو ابھی سب قیاس آرائیاں ہیں۔ اور مجھے تو کچھ غلط فہمیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ثمرآنہ کی مرضی پر تو ہم سب کو ہی سر جھکا دینا پڑے گا۔ جلدی سے یہ وقت گزر جائے۔ میں تو اپنے آپ کو اس بُرے وقت کے لئے ابھی سے تیار کرنا شروع کر رہی ہوں جو ثمرآنہ کے انکار کے بعد آئے گا۔"

نیلما گھبرا کر بولی:۔ خدا نہ کرے باجی، ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے، خدا وہ وقت کبھی نہ لائے۔

دونوں بہنیں اُداس اُداس بیٹھی رہیں۔ اپنا دل بہلانے کے لئے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ نیلما باغ میں چلی گئی۔ تبسم باورچی خانے میں آگئیں۔ اپنے آپ کو مصروف کرنے سے شاید پریشان کن خیالات سے چھٹکارا مل جائے!

اِن دنوں زندگی میں بڑا جمود طاری ہو گیا تھا۔ گھر میں ایک سوگوار سی خاموشی چھائی رہتی تھی۔ لڑکیاں اُداس اُداس سی یا تو اپنے کمرے میں رہتی تھیں، یا خاموشی سے کسی کام میں مصروف رہا کرتیں۔ کامرآن گھر میں اپنا وقت کم ہی گزارتے تھے۔ یونیورسٹی سے آکر ٹینس کھیلنے چلے جاتے تھے۔ جو وقت گھر میں گزارتے بھی تھے۔ اس میں اپنے کمرے میں بیٹھے خاموش یا تو کوئی کتاب ہاتھ میں اٹھا لیتے، یا خلا میں گھورتے رہتے۔ کبھی کبھار ان کی مخصوص سیٹی کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ دونوں بہنیں اپنے بھائی کی اس حالت پر بہت کُڑھا کرتی تھیں۔ کامرآن کے وہ پہلے سے قہقہے، وہ چھیڑ چھاڑ، وہ مختلف چیزوں کی کھانے کی فرمائشیں، سب خواب و خیال ہو گیا تھا۔ بہنیں پوچھتی بھی تھیں کہ "بھائی جان کھانے میں آپ کی پسند کی کیا چیز پکوائی جائے؟ ناشتے میں کیا پسند کریں گے؟ یا اب کے اتوار کو پکنک کا پروگرام بنائیے۔" وہ ان سب باتوں کو سُنتے اور خاموش ہو جاتے، یا بہت ہوا تو کہدیا "جو چاہے پکوا لو، مجھے کچھ پسند نہیں ہے، پکنکوں پر جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

بہنیں ان کے اِس جواب سے اُداس ہو جاتیں۔ وہ تو چاہتی تھیں کہ کامران ہمیشہ کی طرح سموسوں، شامی کباب، پسندوں اور گلاب جامنوں کی فرمائش کریں، پکنکوں کے

پروگرام بنیں۔ گھر میں اُسی طرح قہقہے لگا کریں۔ اسی طرح وہ بہنوں کو چھیڑا کریں۔

مگر اب تو وہ پہلے کے سے کامران ہی نہیں رہے تھے۔ گھر کی اِس اُداس فضا کو حمیدہ بیگم بھی بری طرح محسوس کر رہی تھیں۔ ان کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیسی اُداسی سارے گھر پر مسلّط ہو گئی ہے۔ وہ میرے بچوں کا ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ اور قہقہے کہاں گئے۔ لڑکیاں اپنے کمرے میں گھسی رہتی ہیں۔ کامران یا تو باہر رہتے ہیں یا اپنے کمرے میں کتابوں میں گم رہتے ہیں۔ وہ بہن بھائیوں میں ہنسی مذاق ہوتا، اب سنائی نہیں دیتا۔

اب تو منگنی کے دن قریب آ رہے ہیں۔ بہنیں کامران کو چھیڑتیں، وہ جواب میں ان کو تنگ کرتا، وہ لوگ خوشی خوشی منگنی کی تیاری کرتیں، کامرآن کو گھسیٹ گھسیٹ کر بازار لے جاتیں، مگر یہ لوگ تو اس معاملے میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لے رہی ہیں جب بھی کہتی ہوں تو ٹال دیتی ہیں۔ منگنی کے لئے زیور کا آرڈر دینا تھا۔ میں چاہتی تھی، کہ لڑکیوں کی اور کامرآن کی پسند کا ہو۔ مگر یہ لوگ بازار جانے پر ہی راضی نہیں ہوتیں، میں جال کا جوڑا منگنی پر چڑھانا چاہتی ہوں۔ کپڑا آیا رکھا ہے لیکن لڑکیاں اس میں ہاتھ ہی نہیں لگاتیں۔ مجھ سے تو اب اس بڑھاپے میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہی لڑکیاں میرے تو ہاتھ پیر ہیں۔ میں جلدی سے جلدی منگنی کی رسم کرنا چاہتی ہوں۔

حمیدہ بیگم کافی دیر تک ان ہی سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہیں۔ کچھ سوچ کر انہوں نے نیلما اور تبسّم کو آواز دے کر بلایا۔

دونوں آ کر کہنے لگیں :۔

"جی امّی، کیا بات ہے۔ آپ نے کیوں یاد فرمایا ہے؟"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں چاہتی ہوں کہ جلدی ہی کامرآن کی منگنی کر دوں پھر خیر

سے کامران لندن چلے جائیں گے۔ وہاں سے واپسی پر شادی ہو جائے گی۔ بلکہ میں تو یہ چاہتی تھی کہ ان کے جانے سے پہلے نکاح کر دوں۔ زمانہ خراب ہے، ڈرتی ہوں!"

دونوں لڑکیاں خاموش بیٹھی رہیں، کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم دونوں خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ کچھ بولتیں کیوں نہیں!"

پھر دونوں بولیں:۔

"جی امّی!"

یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئیں۔

حمیدہ بیگم بولیں:۔

"تم دونوں اس قدر کھوئی کھوئی کیوں ہو۔ کیا بات ہے؟ کیا منگنی سے خوش نہیں ہو؟"

تبسّم بولیں:۔

"امّی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے بھائی جان کی منگنی سے خوش نہ ہوں!"

حمیدہ بیگم نے کہا:۔

"زیور کا آرڈر دینا ہے، میں چاہتی ہوں کہ زیور تم دونوں اور کامران کی پسند کا ہو۔ اس لئے میں چاہتی تھی کہ تم تینوں کسی وقت چل کر زیور پسند کر لو۔ بننے میں بھی کچھ وقت لگے گا!"

تبسّم افسردگی سے بولی:۔

"امّی جان! آپ کی پسند مقدّم ہے، آپ جیسا چاہیں بنوا لیں!"

حمیدہ بیگم کہنے لگیں:۔

"زیور تو تم ہی لوگوں کی پسند کا بنے گا۔ ہاں جوڑا میں اپنی پسند کا بنوا لوں گی! تربوزی رنگ کا کپڑا میں نے لا کر رکھا ہے۔ اس پر جال ٹانکنا ہے۔ تم لوگوں کو آجکل نہ معلوم کیا مصروفیت ہے۔ اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلتیں۔ جال ٹانکنا شروع کر دو!"

تبسّم بولیں :۔

"امی جان! میری مانئے تو کچھ دن کے لئے منگنی ملتوی کر دیجئے۔"

حمیدہ بیگم گھبرا کر :۔

"ہائیں، کیوں؟ منگنی کیوں ملتوی کر دوں۔۔۔؟"

تبسّم ماں کی پریشانی کو بھانپ گئیں۔ وہ ان کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں، بات بناتے ہوئے بولیں :۔

"امی جان، آپ تو گھبرا گئیں، میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ ہم دونوں کے بھی امتحان قریب ہیں۔ بھائی جان بھی اپنی پڑھائی میں مصروف ہیں۔ اب دل تو ہم لوگوں کا پڑھائی میں لگا رہے گا۔ کپڑے سینے ٹانکنے میں مزہ نہیں آئے گا۔ اور پھر جب تک بھائی جان سے چھیڑ چھاڑ نہ ہوتی رہے، منگنی کی تیاری میں بھلا کیا لطف آئے گا!"

حمیدہ بیگم افسردگی سے بولیں :۔

"کامران کو تو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے۔ اتنا خاموش رہتا ہے۔ نہ ہنستا بولتا ہے، نہ کوئی چیز پکوانے کی فرمائش کرتا ہے، نہ معلوم میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے۔"

تبسّم ماں کو اطمینان دلاتے ہوئے بولیں :۔

"امّی جان، فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ بھائی جان بھی اپنی پڑھائی میں مصروف ہیں وہ بھی امتحان سے فارغ ہو جائیں، اور ہم لوگ بھی۔ پھر منگنی کی تیاری میں مزہ آئے گا زیور کا آرڈر ہم لوگ دیئے دیتے ہیں۔ جال کی آپ فکر نہ کیجئے۔ وہ تو ہم لوگ دو چار ہی دن میں رات بھر بیٹھ کر ٹانک لیں گے۔"

حمیدہ بیگم تبسّم کی باتوں سے کچھ مطمئن ہو گئیں، اور اپنے پریشان خیالات کو ذہن سے نکال دیا۔ وہ سوچنے لگیں :۔

ہاں ٹھیک تو ہے، تینوں کے امتحان قریب ہیں، یہ لوگ اپنی پڑھائی میں مصروف

ہیں۔ تبسّم ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ زیور بنوا کر رکھ لوں گی۔ جال تو لڑکیاں ذرا میں ٹانک لیں گی!

شام کو جب کامراؔن یونیورسٹی سے آئے تو بہنیں چائے لئے ان کی منتظر بیٹھی تھیں۔

تبسّم بولی:۔

"آیئے بھائی جان، چائے پی لیجئے!"

کامراؔن مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد چائے پینے کے لئے حمیدہ بیگم کے کمرے میں آ گئے ـــــــ تبسّم اور نیلما مختلف قسم کی باتیں کرتی رہیں۔ حمیدہ بیگم بھی بیچ بیچ میں ان کی گفتگو میں حصّہ لیتی رہیں۔ لیکن کامراؔن خاموش ہی بیٹھے رہے۔ بس "ہوں، ہاں" میں کبھی کسی بات کا جواب دے دیتے تھے۔

تبسّم بولی:۔

"بھائی جان! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

کامراؔن کہنے لگے:۔

"شاید ٹینس کھیلنے چلا جاؤں۔ یا ممکن ہے نہ جاؤں، اپنے کمرے میں بیٹھ کر پڑھوں گا۔"

تبسّم خوشامد سے بولی:۔

"بھائی جان! آج ہم لوگوں کو بازار جانا ہے۔ آپ لے چلئے۔"

کامراؔن کچھ دیر تک چپ بیٹھے رہے۔ وہ سوچ رہے تھے:۔

اِن دِنوں میں اپنی بہنوں کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہوں۔ اِن لوگوں نے کئی مرتبہ پکچر کی فرمائش کی۔ پکنک کا پروگرام بنانے کو کہا۔ میں نے ٹال دیا۔ یہ لوگ میرا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ میری وجہ سے یہ دونوں بھی کتنی خاموش رہنے لگی ہیں۔ آج مَیں ان کی بات ضرور مان لوں گا!

تبسّم کامراؔن کو خاموش دیکھ کر خود بھی چُپ ہو گئی۔ اُس نے سوچا کہ شاید

آج بھی ان کا موڈ نہیں ہو گا۔

کامرآن کچھ دیر کے بعد بولے :۔

"اچھا چلو، تیار ہو جاؤ، چلتے ہیں۔"

دونوں لڑکیوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ نیلما خوش ہو کر شرارت سے بولی :۔

"اہا۔ بھائی جان ہمارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ بڑا مزہ آئے گا۔ آج ہم بھی دیکھیں گے کہ بھائی جان کی پسند کیسی ہے؟"

تبسّم نے نیلما کو آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا، اور اسے خاموش رہنے کا اشارا کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ منگنی کے زیور کے لئے جا رہے ہیں تو جانے سے انکار نہ کر دیں۔

کامرآن بولے :۔

"چیزیں تم لوگ خریدو گی اور پسند میری ہو گی!"

تبسّم جلدی سے بولیں :۔

"ارے بھائی جان، آپ اس کی باتوں پر نہ جائیے، یہ تو یوں ہی اُلٹی سیدھی باتیں بکا کرتی ہے۔"

کامرآن تیار ہونے چلے گئے اور تبسّم بھی حمیدہ بیگم اور نیلما سے تیار ہونے کو کہہ کر کامرآن کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں چلی گئی۔

اُس نے کامرآن سے کہا :۔

"بھائی جان! آج امّی نے پھر آپ کی منگنی کی بات چھیڑی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں وہ منگنی بہت دھوم سے کرنا چاہتی ہیں۔ وہ زیور اور کپڑوں کے لئے فکرمند تھیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ جلدی سے سب تیار ہو جائے۔ ہم لوگوں کی ٹال مٹول سے وہ

بے حد گھبرا گئیں۔ اب میں نے ان کو یہ اطمینان دلا دیا ہے کہ ہم تینوں کے امتحان ہونے والے ہیں اس لئے منگنی کی تیاری کچھ دن کے لئے ملتوی کر دی جائے۔ وہ مان گئی ہیں، لیکن وہ چاہتی ہیں کہ منگنی کے زیور کا آرڈر ابھی دے دیا جائے۔ اور زیور میں ہم لوگوں کے علاوہ آپ کی بھی پسند شامل ہو۔ میں نے بھی سوچا زیور بننے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں بالکل ہی زیور کو منع کر دیتی تو وہ اور بھی پریشان ہوتیں۔ اسی لئے میں نے آج آپ کے ساتھ بازار جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے بھائی جان، ہمارا خود بھی کسی کام کے لئے دل نہیں اُٹھ رہا ہے۔ ہم لوگوں کی خوشیوں پر بھی اوس پڑ گئی ہے۔ آپ کی منگنی کے آگے امتحان کیا چیز ہے۔ ہم تو ایسے ایسے دس امتحان آپ پر قربان کر دیں۔ یہ تو امّی کو اطمینان دلانے کا بہانہ ہے۔"

پھر خوشامد سے بولی:۔

"میرے اچھے بھائی جان، اس وقت امّی کی خوشی کی خاطر بازار چلئے اور اپنی پسند کے زیور کا آرڈر دے دیجئے۔ اگر آپ نے اس وقت انکار کیا یا اپنی رائے کا اظہار نہ کیا تو امّی کو بہت رنج ہوگا۔ ثمرآنہ کے آنے تک یہ معاملہ اسی طرح خوش اسلوبی سے چلتا رہے تو اچھا ہے۔ پھر بعد میں دیکھا جائے گا!"

بعد میں کیا ہوگا؟ اس خیال سے ہی تبسّم کو جھرجھری آگئی۔ کامرآن خاموشی سے تبسّم کی باتیں سُنتے رہے پھر کہنے لگے:۔

"چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

تبسّم اپنے کمرے میں آکر بے دلی سے تیار ہونے لگیں۔

سب لوگ تیار ہو کر جیولر کے ہاں پہنچ گئے۔

اُس نے مختلف قسم کے زیورات دکھانے شروع کئے۔ لڑکیاں اور حمیدہ بیگم ہر بات میں کامرآن سے مشورہ لے رہی تھیں۔

لیکن کامران اپنے ہی خیالوں میں گم تھے۔ کبھی چونک کر جواب دے دیتے۔ کبھی "ہوں" یا "ہاں" کر دیتے تھے۔ جب بہنیں زیور کے متعلق پوچھتیں کہ کونسا اچھا ہے تو جو سامنے ہوتا اسی کو اچھا کہہ دیتے۔

خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا۔ کسی نہ کسی طرح زیورات پسند کر کے آرڈر دیا گیا۔ کامران بہت خاموش تھے۔ نیلما اور تبسم بھی اُداس تھیں۔ واپسی پر کار میں بھی سب خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کامران کو بہنوں کی خاموشی کا احساس ہوا تو بولے:۔

"چلو پکچر دیکھنے چلیں۔ بہت روز ہو گئے ہیں پکچر دیکھے ہوئے۔"

حمیدہ بیگم بولیں:۔

"ہاں، تم لوگ چلے جاؤ۔ لڑکیاں بھی کافی دنوں سے گھر میں بند ہیں۔ تم بھی اپنی پڑھائی میں مصروف ہو۔ اچھا ہے تم لوگوں کا ذرا دل بہل جائے گا۔ مجھے پہلے گھر پر چھوڑ دو، پھر جانا۔"

کامران بولے:۔

"امّی آج آپ بھی ہمارے ساتھ چلیئے۔"

حمیدہ بیگم بولیں:۔

"نہیں بیٹے، تم لوگ جاؤ۔ میں بڑھاپے میں اب کیا پکچر دیکھوں گی۔ اس وقت تو ضروری کام سمجھ کر نکل آئی تھی۔ تمہارے ابّو جان بھی آگئے ہوں گے۔ میں تو اب گھر ہی جاؤں گی۔"

کامران نے گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑ لی۔ حمیدہ بیگم کو گھر پر اُتار کر وہ پکچر دیکھنے چلے گئے۔

پکچر بھی تینوں نے بے دلی سے دیکھی۔ تینوں خاموش بیٹھے رہے۔ کسی کے پاس کوئی

موضوع نہیں تھا جس پر بات کرتے۔ بس جیسے فرض ادا کر دیا۔ واپسی میں گاڑی میں بھی کوئی بات نہیں ہوئی۔

نیلمآ کبھی کبھار خاموشی توڑنے کی کوشش کرتی بھی تھی، لیکن اس کو صرف "ہاں" یا "نہیں" میں جواب مل جاتا۔ اور پھر وہی خاموشی مسلّط ہو جاتی۔

حمیدہ بیگم تینوں کا کھانے پر انتظار کر رہی تھیں۔ سب نے خاموشی سے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے۔

تبسّم دیر تک لیٹی ہوئی سوچتی رہی:۔

"یا اللہ، اب کیا ہو گا۔ مجھ سے تو بھائی جان کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ کیا میں ثمرآنہ کو خط لکھوں؟"

لیکن وہ اِن باتوں کا جواب ہی نہیں دے گی۔

وہ پھر دل ہی دل میں اپنے بھائی جان اور ثمرآنہ کے ایک ہونے کی دُعائیں مانگتے مانگتے سو گئی۔

زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی۔ صبح و شام اسی طرح سکون کے ساتھ گزرے چلے جا رہے تھے، لیکن دلوں میں جو ہل چل تھی اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔

بظاہر تو نیلما تبسم اور کامران اپنے امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھے، لیکن جب بھی وہ باری باری اپنی کتابوں کی دُنیا سے باہر نکلتے تو تینوں کی سوچ کا محور ثمر آنہ ہوتی۔ اور پھر تینوں ہی الگ الگ اپنے اس خیال کو ذہنوں سے جھٹک دیتے اور ایک مرتبہ پھر کورس کی موٹی موٹی کتابوں میں گُم ہو جاتے۔

گھر کی یہ خاموشی اور اُداسی حمیدہ بیگم کو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ وہ دِل ہی دل میں اپنے بچوں کی حالت دیکھ کر کُڑھتی تھیں۔ آجکل پڑھنے کے علاوہ تینوں کو اپنے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ گھنٹوں جا نماز پر بیٹھ کر اپنے بچوں کی کامیابی کی دُعائیں مانگتیں۔

خدا خدا کر کے تینوں کے امتحان ختم ہو گئے۔ آج تینوں کے چہروں پر اطمینان کی ہلکی سی لکیر تھی اور وہ بھی اپنے بچوں کو مطمئن دیکھ کر خوش تھیں۔

آج بہت دنوں بعد یہ لوگ آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ آج اُن کے ذہنوں پر امتحان کا بوجھ نہیں تھا۔ اور آج ان کا ذہن ثمر آنہ کے خیال سے بھی خالی تھا۔ آج

گھر میں پھر وہی پہلے کے سے خوشگوار ماحول کی جھلک نظر آرہی تھی۔

آج وہ تینوں ایک عرصے کے بعد رات گئے تک خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ ریکارڈ سنتے رہے۔ فلموں پر تبصرے ہوتے رہے۔

حمیدہ بیگم کے کمرے تک ان کی آوازیں پہنچ رہی تھیں۔ آج وہ اپنے بچوں کی خوشی سے بہت خوش تھیں۔ اور دل ہی دل میں دُعا مانگ رہی تھیں ـــــ "اے خدا تو میرے بچوں کو ہمیشہ خوش رکھیو!"

اب صبح ہی صبح نہ کالج جانا تھا، نہ امتحان کا فکر تھا۔ آج صبح کا ناشتہ ان لوگوں نے کافی دیر میں کیا۔

پُر لطف باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک دُوسرے پر فقرے چسپاں کیے جا رہے تھے ہمیشہ کامرانؔ کو ثمرآنہ کے نام سے چھیڑا جاتا تھا۔ لیکن آج نیلماؔ اور تبسّمؔ دانستہ ثمرآنہ کا کوئی ذکر نہیں کر رہی تھیں۔

ایک زمانہ تھا جب ثمرآنہ کے نام پر سب کے چہرے خوشی سے کھل جاتے تھے لیکن اب ثمرآنہ کا خیال بھی انہیں اداس کر دیتا تھا۔

یہ لوگ ناشتے کے بعد حمیدہ بیگم کے کمرے میں باتوں میں مصروف تھے کہ نوید احمد ٹیلیگرام لیے ہوئے اندر آئے اور بولے :۔

"بھئی نعمانؔ کا تار آیا ہے۔ وہ معہ بیوی بچوں کے کل دوپہر کی گاڑی سے پنڈی پہنچ رہے ہیں۔"

حمیدہ بیگم تو یہ خبر سُن کر خوشی سے بے قابو ہو گئیں۔

"اچھا، ثمرآنہ آ رہی ہیں۔ کافی دن ہو گئے ہیں اپنی بہن کو دیکھے ہوئے۔ میں نے تو ایک ایک دن اب کے گن کر گزارا ہے۔ اب کے تو منگنی کی رسم بھی۔ بس یہیں ادا

کر دوں گی!"

کامران منگنی کے نام پر پھر اُداس ہو گئے۔ لڑکیاں بھی عمرانہ بیگم کے آنے سے جیسے پہلے خوش ہوا کرتی تھیں۔ اب وہ بات نہیں تھی۔

لیکن وہ لوگ قدرے مطمئن تھیں۔ کامران تو خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے اور تبسم سوچ رہی تھی کہ :-

آجانے دو ثمرانہ کی بچی کو۔ خوب اس کا کچومر بناؤں گی۔ میرے بھائی جان کی کیا حالت بنا دی ہے۔ وہ رنگ و روپ ہی نہیں رہ گیا۔ کس قدر بجھے بجھے رہنے لگے ہیں۔ اس کی ذمہ دار ثمرانہ ہی ہے۔ میں بھی اپنے بھیا کے بدلے اس سے خوب لوں گی!

وہ اسی سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ حمیدہ بیگم بولیں :-

"تم لوگ کس سوچ میں بیٹھ گئیں۔ ارے کل عمرانہ آ رہی ہیں۔ میری ثمرانہ بھی آئےگی کئی سال ہو گئے اس کو دیکھے ہوئے۔ اب تو بہت پیاری ہو گئی ہو گی! ......

...... اٹھو ذرا تم لوگ جلدی سے صفائی کرو۔ ان کے لئے کمرے سجا دو۔ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اب تک تو بہن کا ہی رشتہ تھا۔ اب خیر سے سمدھیانہ بھی ہو جائے گا!"

نوید احمد بیوی کی یہ بدحواسی دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ مسکراتے ہوئے بولے

"ارے بھئی بیگم! اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ وہ لوگ تو کل آ رہے ہیں اور تمہاری بدحواسی دیکھ کر تو ایسا لگ رہا ہے، جیسے ابھی آ رہے ہوں، بیچاری لڑکیوں کو بھی تم نے گھبرا دیا۔"

نوید احمد کے خیال دلانے سے حمیدہ بیگم کو بھی احساس ہوا اور وہ مسکرانے لگیں۔ تبسم اور نیلما دونوں اُٹھ کر چلی گئیں، اور کمروں کی صفائی شروع کروا دی لیکن ہر کام بے دلی سے ہو رہا تھا۔ نہ نیلما کا دل لگ رہا تھا، نہ تبسم کا۔۔۔۔ کامران اپنے کمرے میں خاموش لیٹے ہوئے تھے۔

حمیدہ بیگم کو اپنی خوشی کے آگے یہ خیال ہی نہیں آیا کہ کامران خوش ہونے کے بجائے اُداس ہو گئے ہیں اور اپنے کمرے میں خاموش لیٹے ہیں۔

شام تک لڑکیوں نے کمروں کی سیٹنگ وغیرہ مکمل کر لی تھی۔ تھوڑی بہت سجاوٹ اور پھول لگانا رہ گیا تھا، وہ انہوں نے اگلے دن کے لئے ملتوی کر دیا۔

دونوں بہنیں تھک کر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئیں۔

نیلما کہنے لگی:۔

"باجی، میرا تو دل نہیں چاہ رہا کہ ثمرآنہ کے لئے کچھ کروں۔ ہمیشہ مجھے ثمرآنہ کے آنے کی کتنی خوشی ہوا کرتی تھی۔ میری ہم عمر ہے، سہیلی ہے۔ لیکن اب تو اس کے آنے کی مجھے بالکل خوشی نہیں ہو رہی۔ ہمیشہ بھائی جان بھی ہماری خوشیوں میں شریک رہا کرتے تھے۔ لیکن آج اُس وقت سے کتنے خاموش ہیں، اپنے کمرے سے نکلے ہی نہیں، میں دو تین مرتبہ ان کے کمرے میں گئی بھی تھی۔ ان سے باہر آنے کو کہا بھی تو کہنے لگے، نہیں مجھے رہنے دو۔ اب کل سے تو اپنے کمرے میں بند ہونا ہی ہے اِس لئے آج ہی سے عادت ڈال رہا ہوں۔

میں نے کہا:۔

"کیوں کل سے کمرے میں کیوں بند ہونا ہے؟"

تو کہنے لگے:۔

'میں اپنی شکل ان لوگوں کو نہیں دکھاؤں گا'

ان کا یہ جواب سن کر میں واپس آ گئی۔ بھائی جان کی تو یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ثمرآنہ کے آتے ہی آپ اس سے بات کیجئے یا کوئی موقع ایسا نکالئے کہ بھائی جان اس سے بات کر لیں۔"

تبسم نے کہا:۔

"میری تو خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ ثمرآنہ کے آتے ہی کسی طرح بات صاف ہو جائے۔ اس طرح تو بھائی جان اپنے کمرے میں الگ تھلگ رہیں گے۔ ثمرآنہ پہلے ہی کم گو ہے اور جب تک بھائی جان ہمارے ساتھ شریک نہ ہوں کسی بات میں لطف نہیں آتا۔ خدا کرے ہم سب کے یہ اندیشے غلط نکلیں۔ پھر چھٹیاں مزے سے گزریں گی۔ ورنہ اس طرح تو ہماری چھٹیاں بھی ضائع ہوں گی!"

نیلما بولی:۔

"مگر ایسی کون سی ترکیب نکالی جائے جو جلدی ہی یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ ثمرآنہ تو اس قدر شرم کی بو بو ہے۔"

تبسم بولی:۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ بھائی جان اس کی شرم ہی کی وجہ سے بدگمان ہو گئے ہیں۔ وہ اس قسم کی تو لڑکی ہے نہیں کہ اُن سے آزادانہ گفتگو کرتی۔ اور الگ ملنا تو ظاہر ہے، ایک لڑکی کو زیب نہیں دیتا۔ بھائی جان نے اس کا غلط مطلب نکال لیا ہے۔"

نیلما نے کہا:۔

"یا تو ثمرآنہ کو پہلے سے یہ بات بتا دی جائے کہ بھائی جان تمہاری طرف سے بدگمان ہیں۔ اس لئے تم ان سے بات کر لو!"

تبسم کہنے لگیں:۔

"نہیں، اس طرح تو شاید وہ بالکل ہی بات نہ کرے۔ دیکھو کچھ تو ترکیب نکالیں گے، دعا کرو!"

اگلے دن صبح ہی سے پکنے کے انتظامات ہونے لگے۔ کمروں کی سجاوٹ مکمل ہو چکی تھی۔ حمیدہ بیگم سارے گھر میں ایک ایک چیز دیکھتی پھر رہی تھیں۔ نیلما اور تبسّم بھی خاموشی سے کاموں میں مصروف تھیں۔ کامرآن اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے کوئی ناول پڑھ رہے تھے۔

حمیدہ بیگم ایک مرتبہ ان کے کمرے میں گئیں بھی اور ان سے پوچھا:۔

"ارے کامران! تم یہاں کیوں لیٹے ہو۔ باہر نکلو!"

کامران بولے:۔

"امّی جان! یہ کتاب بہت دلچسپ ہے اس لئے اندر لیٹا ہوں۔ اور پھر میں باہر کے انتظامات میں تو حصّہ لے نہیں سکتا۔"

حمیدہ بیگم مسکراتے ہوئے مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

نیلما اور تبسّم ان کی گوشہ نشینی کی وجہ جانتی تھیں۔

گاڑی آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ نوید احمد نے آکر کہا:۔

"بیگم! میں نے ایک گاڑی حمیدی صاحب کی منگوائی ہے۔ اپنی گاڑی بھی تیار ہے۔ اسٹیشن کون کون جا رہا ہے۔"

حمیدہ بیگم بولیں:۔

"لڑکیاں اور کامران جائیں گے۔"

پھر انہوں نے زور سے کہا:۔

"ارے تبسّم، نیلما! کہاں ہو۔ گاڑی کا وقت ہو رہا ہے۔ کامران کو بلاؤ جلدی سے جائیں!"

نیلما اور تبسّم تیار ہو چکی تھیں، باہر آگئیں۔

تبسّم نے نیلما سے کہا:۔

"جاؤ بھائی جان کو بلا لاؤ جلدی سے!"

نیلما جب کمرے میں گئی تو کامران تیار ہو رہے تھے۔ اس نے کہا:۔

"چلیئے بھائی جان، جلدی کیجیئے، دیر ہو رہی ہے۔"

کامران نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ـــــ "اچھا" ـــــ اور اپنے جوتوں کے تسمے باندھنے لگے۔

کامران تیار ہو کر آگئے اور یہ لوگ اسٹیشن روانہ ہوئے۔ پورا راستہ خاموشی سے طے ہو گیا۔ کسی نے کوئی بات نہیں کی۔

اسٹیشن پر یہ لوگ کچھ دیر تک بک اسٹال پر کھڑے کتابیں دیکھتے رہے۔ دور سے ٹرین آتی نظر آئی۔ یہ لوگ بک اسٹال سے ہٹ کر ایک طرف کو کھڑے ہو گئے۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آ چکی تھی۔ وہ تینوں ہر ڈبّے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ایک ڈبّے میں خرّم نظر آئے۔ جو اپنا آدھا دھڑ باہر لٹکائے ہوئے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ سب لوگ اسی طرف دوڑے۔

ٹرین کھڑی ہو چکی تھی۔ خرّم سامان اتروا رہے تھے ـــــ عمرانہ بیگم لڑکیوں کو گلے لگا رہی تھیں۔ اور حمیدہ بیگم کی خیریت پوچھ رہی تھیں ـــــ نعمان احمد کامران سے

باتیں کر رہے تھے۔

سب سامان اُتارا جا چکا تھا۔

ثمرانہ ایک طرف عمرانہ بیگم سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔

تبسّم اور نیلما نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا:۔

"ارے ثمرانہ کہاں ہیں؟"

حمیدہ بیگم مسکرا کر بولیں:۔

"یہ میرے پیچھے چھپی کھڑی ہے!"

نیلما جلدی سے آگے بڑھی اور دونوں گلے ملنے لگیں۔

نیلما نے محسوس کیا کہ اس میں تو وہی والہانہ پن ہے، کوئی اجنبیت نہیں ہے

پھر تبسّم آگے بڑھیں اُس نے انہیں جھک کر سلام کیا۔

پھر تبسّم نے ثمرانہ کو گلے سے لگا لیا۔

کامران دُور کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

ثمرانہ آسمانی کپڑوں میں اُنہیں کوئی آسمانی حُور معلوم ہو رہی تھی۔ ثمرانہ نے کن انکھیوں سے کامران کی طرف دیکھا۔ اُنہیں اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر اس نے گھبرا کر نظریں نیچی کر لیں۔ شرم سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔

کامران کو وہ آسمانی دوپٹے میں سے اس کا گلابی چہرہ چمکتا ہُوا اور بھی پیارا لگا وہ شرمائی اور گھبرائی ہوئی ثمرانہ ان کی نظروں میں کھُبی جا رہی تھی۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اور وہ مسلسل ثمرانہ کو دیکھ رہے تھے۔

تبسّم ثمرانہ سے مل کر جب مڑی تو اس کی نظر کامران پر گئی جو مسکراتے ہوئے ثمرانہ کو دیکھ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر اسے خوشی ہوئی کہ کامران جو ان کے آنے سے پہلے اس قدر بیزار تھے

اب ان لوگوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اور ان کے لبوں پر مسکراہٹ بھی تھی!

سامان گاڑیوں میں رکھا جا چکا تھا۔ کامران کی گاڑی میں خرم تبسم اور نیلما بیٹھنے کو آ رہی تھیں۔ نعمان احمد اور عمرانہ بیگم حمیدی صاحب کی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

اور ثمرانہ اپنی امی سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ وہ بھی اپنی امی کے ساتھ بیٹھنا چاہ رہی تھی۔

نیلما نے دیکھا کہ ثمرانہ دوسری گاڑی میں بیٹھنے جا رہی ہے تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی کی طرف لے آئی۔ ثمرانہ کہتی رہ گئی کہ میں امی کی گاڑی میں بیٹھوں گی۔

نیلما بولی :-

"تم فکر نہ کرو، ہم تمہیں بہت حفاظت سے گھر پہنچ کر تمہاری امی کے حوالے کر دیں گے۔ پھر وہ عمرانہ بیگم کے پاس گئی جو گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ نیلما بولی :-

"خالہ جان! ثمرانہ کو ہم اپنی گاڑی میں بٹھائے لے رہے ہیں۔ یہاں آپ کے ساتھ صباحت ملاحت بیٹھ جائیں گی!"

عمرانہ بیگم نے مسکرا کر "اچھا" کہا۔

ثمرانہ کامران والی گاڑی میں بیٹھنے سے ہچکچا رہی تھی۔ خرم، کامران کے ساتھ آگے بیٹھ چکے تھے۔ نیلما نے ثمرانہ کو گھسیٹ کر گاڑی میں بٹھا لیا۔

اور کامران سے بولی :-

"چلئے بھائی جان، ہم لوگ بیٹھ گئے۔"

گاڑی روانہ ہو گئی۔ ثمرانہ سہمی ہوئی سی بیٹھی تھی۔

نیلما اور تبسم برابر ثمرانہ سے باتیں کئے جا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ہلکی ہلکی آوازمیں جواب دے رہی تھی۔

کامران نے آئینے کا رُخ ثمرانہ کی طرف کر دیا۔ اب وہ ثمرانہ کا پیارا چہرہ

بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

ثمرآنہ کی نظر جونہی آئینے پر پڑی۔ اس میں کامرآن کا چہرہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی، اور اُس نے اپنی نظریں نیچے جھکالیں۔

کامرآن اس کی گھبراہٹ کا لطف لیتے رہے۔

وہ برابر میں بیٹھی ہوئی نیلما کی طرف کھسکتی چلی جارہی تھی۔ نیلما کامرآن کی شرارت کو سمجھ چکی تھی، وہ مسکراتے ہوئے بولی:-

"بھئی ثمرآنہ، میری گود میں کیوں چڑھی آرہی ہو۔ ٹھیک سے بیٹھو نا!"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی:-

"اُدھر جگہ نہیں ہے!"

نیلما شرارت سے بولی:-

"واہ، پوری سیٹ تو خالی پڑی ہے۔ تمہیں اگر میری گود میں ہی بیٹھنے کا شوق ہے، تو ویسے ہی کہہ دو، میں بٹھالوں گی۔"

نیلما کی اس بات پر سب ہنسنے لگے اور ثمرآنہ بے چاری کھسیانی سی ہو کر ادھر کو کھسک گئی۔

پورے راستے وہ اپنے آپ کو کامرآن کی شوخ نظروں سے نہ بچا سکی۔

گاڑیاں رُکیں، حمیدہ بیگم اور نویدا احمد برآمدے میں سب کے منتظر ہی کھڑے ہوئے تھے۔ نویدا احمد اور نعمان احمد گلے ملنے لگے۔ حمیدہ بیگم، عمرانہ بیگم سے لپٹ گئیں۔ پھر باری باری سب بچوں کو پیار کیا۔ ثمرآنہ شرم سے عمرانہ بیگم کے پیچھے چھپی جارہی تھی۔

حمیدہ بیگم بولیں:-

"بیٹی، تم کہاں چھپی جارہی ہو، اِدھر تو آؤ!"

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف بلایا۔ اور اسے گلے لگا کر بولیں :۔

"تمہاری شرم کا ابھی تک وہی حال ہے"

پھر ثمرآنہ بیگم سے مخاطب ہوئیں :۔

"بھئی، تم نے میری بیٹی کے دماغ میں نہ معلوم کیا بٹھا دیا ہے۔ اس سے کہو کہ اس قدر شرمانے کی کیا بات ہے۔ اِس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھے، اپنے ہی گھر کی طرح ہنسے بولے!"

ثمرآنہ بیگم بولیں :۔

"اس کا گھر بھی یہی حال رہتا ہے!"

سب لوگ باتیں کرتے ہوئے اندر آ گئے۔ کامران اور خرّم نوکروں سے سامان اُٹھوا کر اندر لا رہے تھے۔ تبسّم ان لوگوں کا سامان کمروں میں رکھوا رہی تھیں۔

نیلما ثمرآنہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور بولی :۔

"ہاں بھئی ثمرآنہ، اب سناؤ، تمہارے کیا حال چال ہیں۔ کیسی گزر رہی ہے؟"

ثمرآنہ نے مسکرا کر مختصر جواب دیا :۔

"ٹھیک ہوں!"

نیلما اس کے کان کے قریب مُنہ کر کے بہت رازداری سے بولی :۔

"ہمارے بھائی جان بھی تمہیں یاد آتے تھے؟"

ثمرآنہ نے شرم سے گردن جھکا لی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

نیلما ذرا زور سے بولی :۔

"بھئی میری بات کا جواب دو نا!"

ثمرآنہ نیچے نظریں کیے ہوئے بولی :۔

"اِس بات کا کوئی جواب ہی نہیں ہے!"

نیلما بولی :۔

"اچھا تو یعنی اب آپ ہم سے بھی شرما جائیں گی اور ہم کو ہمارے بھائی جان کے ہی متعلق نہیں بتائیں گی!"

ثمرآنہ پھر خاموش رہی اور نظریں نیچے کیئے بیٹھی رہی۔

نیلما بولی :۔

"دیکھو، سیدھی طرح بتا دو۔ ورنہ میں بھائی جان سے جا کر کہتی ہوں۔"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :۔

"ہائے اللہ، مجھے کچھ نہیں معلوم!"

اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

لیکن نیلما کو اس کا سُرخ ہوتا ہوا چہرہ نظر آ گیا تھا۔

تبسّم نیلما کو آواز دیتی ہوئی کمرے میں آئیں۔ انہوں نے جو ثمرآنہ کو اس طرح منہ چھپائے ہوئے بیٹھے دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولیں :۔

"بھئی نیلما! تم کیوں ثمرآنہ کو چھیڑ رہی ہو۔ ذرا اُن کے چہرے کا رنگ تو دیکھو۔" ثمرآنہ اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا چکی تھی، لیکن اپنی شرم پر قابو پانا اُسے بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ اور چہرہ اس کے جذبات کی چغلی کھا رہا تھا — تبسّم کہنے لگیں :۔

"میں تم لوگوں کو کھانے کے لئے بلانے آئی تھی۔ چلو سب انتظار کر رہے ہیں!"

ثمرآنہ کے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا کہ وہاں کامران بھی ہوں گے، وہ بولی

"مجھے بھوک نہیں ہے، میں کھانا نہیں کھاؤں گی!"

تبسّم ہنس کر بولیں :۔

"واہ بہت خوب، آپ سفر سے تشریف لا رہی ہیں۔ کھانے کو پہلے ہی اتنی دیر ہو چکی ہے اور آپ فرما رہی ہیں کہ بھوک نہیں ہے"

ثمرآنہ نظریں نیچے کئے ہوئے بولی :۔

"سچ کہہ رہی ہوں تبسم باجی! مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔"

نیلما شوخی سے بولی :۔

"ہائے اللہ، میں کیا کروں، آپ ہی بتایئے، اس کمرے میں کیسے چلی جاؤں!"

ثمرانہ بے ساختگی سے گھبراہٹ میں اپنے دل کی بات کہہ گئی تھی — اس پر نیلما قہقہہ لگا کر بولی :۔

اچھا اب سمجھ میں آیا کہ یہ کھانے سے کیوں انکار کیا جا رہا ہے۔ یہ کہو کہ اس کمرے میں بھائی جان کی وجہ سے نہیں جانا چاہتیں۔"

پھر ثمرانہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی بولی :۔

"اب تو تمہیں ضرور چلنا پڑے گا۔ میرے بھائی جان جب تک تمہیں نہیں دیکھیں گے ان کے حلق سے نوالہ نہیں اُترے گا۔"

تبسم کھانے کے کمرے میں چلی گئیں۔ نیلما ثمرانہ کو گھسیٹتی ہوئی وہاں لے کر آ گئی اس بے چاری کی بُری حالت تھی۔ پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے تھے اور چہرے پر گھبراہٹ اور شرم کے ملے جُلے جذبات نے عجیب سا تأثر پیدا کر دیا تھا۔

کامران بہت دلچسپی سے مسکرا مسکرا کر اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

حمیدہ بیگم نیلما کو ڈانٹ کر بولیں :۔

"ارے اس بے چاری کو کیوں پریشان کر رکھا ہے اسے کیوں گھسیٹ کر لا رہی ہو!"

نیلما بولی :۔

"امی جان! یہ وہاں بیٹھی ہوئی نخرے کر رہی تھیں۔ پہلے تو کہنے لگیں کہ مجھے بھوک نہیں ہے، کھانا نہیں کھاؤں گی۔ پھر بولیں کہ اس کمرے میں نہیں جاؤں گی ..... امی جان! میں ان کو بھوکا تو نہیں رکھ سکتی تھی اس لئے گھسیٹ کر لے آئی!"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"ارے مجھے تو بتاتیں۔ اگر یہ یہاں سب کے ساتھ نہیں کھانا چاہتی تھیں تو میں ان کا کھانا وہیں کمرے میں بھجوا دیتی۔"

یہ باتیں سُن کر کامران کے چہرے سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ اور کھانا کھاتے کھاتے ہاتھ رُک گئے۔

انہیں ثمرانہ کی پچھلی بے رُخی یاد آ گئی۔ اب بھی وہ سوچنے لگے کہ ثمرانہ میری ہی وجہ سے اس کمرے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

نعمان احمد بولے :۔

"کامران میاں! کیا سوچ رہے ہو۔ ہاتھ کیوں رُکا ہوا ہے۔ کھاؤنا! بھئی ہم کو تو سفر میں کھانا اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے ہم تو اس وقت خُوب ڈٹ کر کھائیں گے۔"

کامران ایک دم سے چونک کر بولے :۔

"جی..... جی ہاں...... جی کچھ نہیں...... وہ میں..... کھا رہا ہوں!"

اُن کی یہ گھبراہٹ اور چہرے کا بدلتا ہوا رنگ تبسّم نے دیکھ لیا تھا اور ثمرانہ نے بھی کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔

ثمرانہ خاموشی سے اپنی امّی کے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شائد کامران کو میرا یہاں آنا بُرا لگا ہے۔

بھُوک تو اسے بھی بہت لگ رہی تھی۔ وہ تو اس کمرے میں نہ آنے کے لئے بہانے بنا رہی تھی۔ یہاں کامران کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات دیکھے تو اس کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جانا چاہتی تھی۔

اُدھر کامران بھی یہی سوچ رہے تھے کہ ثمرانہ میری وجہ سے نہیں آ رہی تھی میں جلدی سے یہاں سے چلا جاؤں۔

سب لوگ کھانے کے دوران باتیں کرتے رہے۔ لیکن کامران اور ثمرانہ بالکل

خاموش بیٹھے رہے۔

ثمرآنہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آگئی اور خاموش بیٹھ گئی۔ عمرآنہ بیگم نے آکر دیکھا کہ ثمرآنہ خاموش بیٹھی ہے تو بولیں:۔

"بیٹی، تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ کچھ دیر آرام کر لو!"

ثمرآنہ بولی:۔

"امّی! صباحت اور ملاحت کہاں ہیں؟ وہ بھی کچھ دیر کو لیٹ جائیں!"

عمرآنہ بیگم بولیں:۔

"وہ دونوں تو باغ میں تتلیاں پکڑ رہی ہیں۔ خرّم نوید بھائی کے کمرے میں ہیں، وہ ان کو اپنی لائبریری دکھا رہے ہیں۔ میں بھی بہت تھکی ہوئی ہوں۔ حمیدہ آپا سے کچھ دیر آرام کرنے کی اجازت لے کر آئی ہوں۔ اب میں بھی لیٹوں گی!"

ایک مسہری پر عمرآنہ بیگم لیٹ گئیں، دوسری پر ثمرآنہ۔ دونوں تھکی ہوئی تھیں فوراً ہی آنکھ لگ گئی۔

تبسّم نے کامرآن کی افسردگی دیکھ لی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کامرآن کے کمرے میں گئیں۔ کامرآن آرام کرسی پر سر ٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔

تبسّم نے جا کر کہا:۔

"کہیے بھائی جان کیا ہو رہا ہے؟"

کامران بولے:۔

"کچھ نہیں، بس اپنی قسمت پر غور کر رہا ہوں کہ اللہ میاں نے کیسی بنائی ہے!"

تبسّم بولی:۔

"بھائی جان! ایسی باتیں نہ کیجئے۔ خدا نہ کرے، جو آپ کی قسمت کو کچھ ہو۔"

کامران بولے:۔

"آثار تو ایسے ہی ہیں۔ تم ثمرآنہ کا رویّہ دیکھ رہی ہو؟ میں نے جو کہا تھا، دیکھو سب صحیح ثابت ہو رہا ہے نا!"

تبسّم بولی :۔

"نہیں بھائی جان، آپ کو غلط فہمی ہے۔ ذرا ہمت سے کام لیجیے۔ اس طرح ابھی سے ہمّت نہ ہاریئے۔ میرا اور نیلما کا ساتھ آپ کو دینا ہی ہوگا۔ ہم دونوں ہر طرح سے ثمرآنہ کو ٹٹول رہے ہیں۔ ابھی تو مذاق ہی مذاق میں باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن اب میں نیلما سے کہوں گی کہ وہ صاف صاف ثمرآنہ سے پوچھ لے۔ میں نے اب تک جو اندازہ لگایا ہے، وہ تو یہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ شرمیلی ہے اور اسی وجہ سے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہی ہوں۔ اگر وہ اس رشتے سے ذرا بھی ناخوش ہوتی تو مجھ سے اور نیلما سے بھی ضرور کھنچ جاتی۔ اس کے ملنے میں، بات چیت میں، ہر بات میں وہی والہانہ پن ہے۔ آپ کے نام پر تو وہ اس بُری طرح سُرخ ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے دل میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہ ہوتی تو وہ آپ کے نام پر اس طرح شرمایا نہ کرتی!"

کامرآن افسردگی سے بولے :۔

"بھئی مجھے تو یقین نہیں آتا۔ میں بھی اس کی ہر بات نوٹ کر رہا ہوں۔ اسٹیشن سے آتے وقت ہی وہ میری گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کر رہی تھی۔ پھر اس وقت کھانا کھانے بھی نہیں آ رہی تھی۔ صاف ظاہر ہے، میری وجہ سے نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ میری صُورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی ۔"

تبسّم بولیں :۔

"نہیں بھائی جان! یہ بات نہیں ہے۔ پہلے تو وہ یہ بہانہ بنا رہی تھی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ جب نیلما نے بہت اصرار کیا تو گھبراہٹ میں شرماتے ہوئے کہہ گئی کہ "میں

اُس کمرے میں کیسے جاؤں!"

یہ سُن کر کامران کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی لیکن فوراً ہی پھر سنجیدہ ہوگئے۔ اور بولے :۔

"کاش، یہ ساری غلط فہمیاں دُور نہیں ہوں گی، میں اپنی حالت نہیں سنبھال سکوں گا، میری تو زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔"

تبسّم سمجھاتے ہوئے بولی :۔

"بھائی جان! یوں دل چھوٹا نہ کیجیے۔ ہم انشاء اللہ بہت جلد آپ کی مشکل آسان کردیں گے۔ نیلما آج ہی ثمرانہ سے صاف صاف بات کرلے گی۔ اُس سے وہ ذرا بے تکلف ہے۔ بھئی اس کی حد سے زیادہ شرم نے ہم لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ حد ہے، وہ تو مجھ سے بھی شرماتی ہے۔ آپ ابھی کوئی غلط رائے نہ قائم کیجیے۔ مجھے تو اب تک یہی اندازہ ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کا خیال دل میں بسائے ہوئے ہے۔

میں نے اکثر اس کو کن انکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس کا دل بھی آپ کی محبت سے خالی نہیں ہے۔"

کامران ٹھنڈی آہ بھر کر :۔

"کاش، ایسا ہی ہو!"

تبسّم کامران کے کمرے میں سے آکر عمرانہ بیگم کے کمرے میں گئیں۔ وہاں دیکھا تو ثمرانہ اور عمرانہ بیگم بے خبر سو رہی تھیں۔ وہ پھر اپنے کمرے میں آگئیں۔ وہاں نیلما کتابیں وغیرہ ٹھیک سے رکھ رہی تھی۔ تبسّم کو دیکھتے ہی بولی :۔

"باجی! ثمرانہ کہاں ہے؟"

تبسّم بولیں :۔

"وہ سو رہی ہے۔ بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے!"

نیلما بولی:۔

"باجی، آپ نے ثمر آنہ کے رویّے سے کیا اندازہ لگایا؟"

تبسّم افسردگی سے بولیں:۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم لوگوں سے تو وہ اسی طرح اپنائیت سے ملتی ہے۔ بھائی جان کے سامنے جانے سے کتراتی ہے۔ دراصل وہ شرماتی بہت ہے۔ اس وجہ سے سامنے نہیں جانا چاہتی۔ اور بھئی میں تو سمجھتی ہوں کہ ٹھیک ہی ہے۔ جب باقاعدہ منگنی جلدی ہی ہونے والی ہے۔ اس کا شرمانا بالکل بجا ہے۔ بھائی جان سمجھتے نہیں ان باتوں کو۔ وہ تو بس یہی کہہ رہے ہیں کہ اس کو میرا خیال نہیں ہے۔ ابھی میں ان کے کمرے میں سے آرہی ہوں۔ بہت افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہی کہہ رہے تھے، کہ ثمر آنہ نے میری وجہ سے کھانے کے کمرے میں آنے سے انکار کیا۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا ہے۔ کہ وہ شرم کی وجہ سے نہیں آرہی تھی۔"

نیلما بولی:۔

"ہاں باجی! وہ شرم کی وجہ سے نہیں جارہی تھی۔ اس کا تو وہاں جانے کے نام سے ہی چہرہ گلابی ہوگیا تھا۔"

تبسّم نے کہا:۔

"بھائی جان کی تو حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ثمر آنہ تم سے ذرا بے تکلف ہے۔ تم اس سے صاف صاف پوچھ لو۔ وہ تمہارے سامنے کسی نہ کسی طرح ضرور اپنی مرضی کا اظہار کردے گی۔"

نیلما بولی:۔

"میں آج ہی اس سے پوچھوں گی!"

شام کو سب لان میں بیٹھے ہوئے تھے، چار وہیں آچکی تھی۔ سب پہنچ

چکے تھے، لیکن ثمرآنہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"جاؤ نیلما! ثمرآنہ کو دیکھو۔ اُٹھ گئی ہو گی۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اس کو بُلا لاؤ۔"

نیلما ثمرآنہ کو بلانے چلی گئی۔

کامران بھی وہیں بیٹھے تھے۔ لیکن سب سے بے تعلق سے۔ نوید احمد خرّم اور نعمان احمد سے گفتگو میں مصروف تھے۔ حمیدہ بیگم اور عمرانہ بیگم کی باتیں تو ختم ہونے میں ہی نہ آتی تھیں

نوید احمد بولے :۔

"کہو خرّم بیٹے! تمہارے پرچے کیسے ہوئے؟"

خرّم :۔ شکر ہے خالو جان! بہت اچھے ہو گئے ہیں۔

نوید احمد :۔ بی، ایس، سی کے بعد کیا ارادہ ہے؟

خرّم :۔ ایم، ایس، سی میں داخلہ لینے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد ریسرچ کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں!

نوید احمد :۔ ماشاء اللہ بہت نیک ارادے ہیں۔ اللہ مبارک کرے۔

ثمرآنہ اس وقت بھی سب کے ساتھ چائے پینے کے لئے نہیں آنا چاہ رہی تھی لیکن نیلما کے بے حد اصرار پر اس کو آنا پڑا۔ اس بے چاری کی بھی بڑی مشکل تھی۔ اسے کامران کی موجودگی میں اپنے باپ اور خالہ خالو کے سامنے آتے ہوئے بہت شرم آتی تھی۔

وہ شرماتی لجاتی نیلما کے پیچھے چھپتی ہوئی آہستہ آہستہ چل کر لان میں آ گئی ۔۔ اس کو دیکھ کر نعمان احمد بولے :۔

"بیٹی، کہاں تھیں تم۔ آؤ چائے پیو۔ سفر کی تھکان اُتر گئی یا ابھی باقی ہے!"

ثمرآنہ سر جھکائے ہوئے بولی :۔

جی ابو جان۔ اب تو تھکان نہیں ہے۔ میں سو گئی تھی۔ اسی وجہ سے آنے میں دیر ہو گئی۔

حمیدہ بیگم نے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اس کو اصرار کر کے مختلف چیزیں کھلانے لگیں۔ کامران کبھی کبھار اُچٹتی ہوئی نظر ثمرآنہ پر ڈال لیتے تھے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھے۔ کبھی ثمرآنہ کی بے رُخی یاد آتی اور کبھی اس کا کن انکھیوں سے دیکھنا یاد آ جاتا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ گورکھ دھندا کیسے سلجھائیں ثمرآنہ کے رویّے نے انہیں عجیب کش مکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔

نوید احمد پھر خرّم سے مخاطب ہوئے :۔

"پوری چھٹیاں یہیں گزارنے کا ارادہ ہے، یا یار دوستوں کے ساتھ کہیں اور کی سیر کا پروگرام بنا رکھا ہے۔"

خرّم بولے :۔

"میں نے دوستوں کے ساتھ کہیں کا پروگرام نہیں بنایا ہے۔ مگر یہ سوچ رہا تھا کہ دو تین دن پنڈی میں رہ کر پھر ہم سب لوگ ہی مری اور نتھیا گلی میں یہ چھٹیاں گزاریں یہاں بھی سب کی چھٹیاں ہیں۔ ایک عرصے بعد یہ موقع آیا ہے کہ ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں سب ساتھ تفریح کر لیں، پھر نمعلوم کب یہ موقع آئے۔"

نوید احمد خوش ہو کر بولے :۔

"ہاں بھئی، تمہاری تجویز بہت اچھی ہے۔ مجھے تمہاری رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ میں بھی آج کل کچھ خالی ہوں۔ ویسے تو ہمیشہ میرا بزنس ہی مجھے نہیں چھوڑتا۔ اب کے نعمان بھی آئے ہیں...... ضرور ضرور...... یہ چھٹیاں نتھیا گلی میں ہی گزاری جائیں گی۔ کیوں بھئی بیگم۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اور نعمان! تم کیا کہتے ہو؟...... خرّم میاں کی تجویز کیسی ہے......؟"

نعمان احمد بولے :۔

"اب کے میں بھی یہی سوچ کر آیا تھا۔ کہ یہ وقت آپ کے ساتھ کسی پُرسکون جگہ گزاروں گا۔ بڑھاپا آگیا ہے۔ کیا معلوم کب زندگی دغا دے دے۔ مجھے بھی اس تجویز سے پورا اتفاق ہے۔ یہ وقت ہم لوگ نتھیا گلی میں ہی گزاریں۔ گرمی سے بھی نجات ملے گی!"

نوید احمد بولے :۔

"بیگم، تم کس سوچ میں پڑگئیں، تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا!"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"آپ لوگ تو نئے نئے پروگرام بنا رہے ہیں، میں کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔"

نوید احمد بولے :۔

"کیوں بھئی، تم کیا سوچے بیٹھی تھیں۔ ہم کو بھی بتاؤ۔"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"میں تو سوچ رہی تھی کہ سب لوگ جمع ہیں، ان چھٹیوں میں منگنی کی رسم ادا کر دی جائے!"

منگنی کا لفظ سنتے ہی ثمرانہ تو وہاں سے کھسک گئی۔ اور کامران کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ وہ تو فی الحال منگنی چاہتے ہی نہیں تھے، وہ تو اس موضوع کو مسلسل ٹالے جا رہے تھے۔

نوید احمد بولے :۔

"بھئی، منگنی کا کیا ہے۔ وہ ہم لوگ نتھیا گلی میں بھی کر سکتے ہیں!"

نعمان احمد بولے :۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، منگنی نتھیا گلی میں ہو جائے۔"

حمیدہ بیگم بولیں ـــــ "بھئی آپ لوگ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ملنے جلنے والے

سب یہیں ہیں۔ ننھیا گلی میں کون شریک ہوگا۔ اور میں تو اپنے بیٹے کی خوب دُھوم سے منگنی کرنا چاہتی تھی۔ کپڑے سلنے ٹکنے ہیں!"

نوید احمد بولے :۔

" اچھا تو ایسا کرتے ہیں کہ ہم لوگ کل پرسوں ہی ننھیا گلی چلے جائیں۔ سلائی ٹکائی کا سامان تم لوگ لے کر وہیں چلو۔ سب مل کر سلائی وہاں کر لینا۔ پھر چھٹیوں کے آخر میں یہاں آکر منگنی کر لیں گے۔ پوری چھٹیاں وہاں نہیں گزاریں گے۔"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

" ہاں آپ کی یہ تجویز معقول ہے، مگر ابھی کل پرسوں کیسے جا سکتے ہیں۔ تیاری کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔"

نوید احمد بولے :۔

" بھئی تیاری کونسی لمبی چوڑی کرنی ہوگی۔ سب لڑکیاں مل کر جلدی سے کر لیں گی!"

حمیدہ بیگم نے کہا :۔

" اچھا   اور عمرانہ! تم بھی تو کچھ بولو۔"

عمرانہ بیگم بولیں :۔ بس جو آپ سب کی رائے ہے، وہی مجھے منظور ہے۔

نوید احمد بولے :۔

" اچھا بھئی لڑکو! باہر کی تیاری تم لوگوں کے ذمہ ہے۔ ایک اور بڑی گاڑی کا بندوبست کرنا ہے۔   اور لڑکیو!   اندر کی تیاری تم لوگوں کے ذمہ ہے!"

پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولے :۔

" ارے ثمرانہ کہاں ہے؟"

حمیدہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں :۔

" منگنی کا نام آتے ہی اُٹھ کر چلی گئی!"

نوید احمد بولے :-

"تم بھی تو بغیر سوچے سمجھے بول دیتی ہو، بے چاری کو یہاں سے اُٹھا دیا!

پھر نیلما سے مخاطب ہوئے :-

"جاؤ بیٹی، ثرآنہ کو بلا لاؤ!"

نیلما ثرآنہ کو بلا لائی ______ نوید احمد کہنے لگے :-

"بیٹی، ننھیال جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔ وہاں جانے کی پوری تیاری تم تینوں کے ذمّہ ہے۔ دیکھیں تم لوگ کتنی جلدی اور کتنی اچھی تیاری کرتی ہو!"

ثرآنہ بولی :-

"جی، بہت اچھا!"

نوید احمد بولے :-

"پرسوں صبح جانا ہے۔ بس تم لوگ تیاری شروع کردو!"

تینوں لڑکیاں اُٹھ کر اندر آگئیں۔

کامران اور خرّم ان سے گاڑی وغیرہ کے بندوبست کے لئے مشورہ لیتے رہے۔

کامران اس پروگرام میں بہت بے دلی سے حصّہ لے رہے تھے، لیکن وہ اس بات سے قدرے مطمئن ہو گئے تھے کہ منگنی کم از کم ڈیڑھ مہینے کے لئے ملتوی ہو گئی۔

تینوں لڑکیاں تبسّم کے کمرے میں آگئیں، اور وہاں بیٹھ کر صلاح مشورے کرنے لگیں کہ کون سے کپڑے رکھے جائیں اور کونسی ضروری چیزیں کس طرح رکھی جائیں۔ پھر وہ لوگ تیاری میں لگ گئیں۔ آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی کرتی جاتی تھیں۔

تبسّم نے نیلما کو اشارہ کیا اور خود یہ کہہ کر چلی گئیں کہ میں امّی جان کے کپڑے ٹھیک کرنے جا رہی ہوں۔

تبسّم کے جانے کے بعد نیلما ثرآنہ سے مخاطب ہوئی :-

"ہاں بھئی ثمرآنہ! اب تو تمہاری منگنی ہونے والی ہے۔ ہم لوگ تمہارے لئے منگنی پر کیا جوڑا بنائیں؟"

ثمرآنہ شرما کر بولی:۔

"تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو!"

نیلما بولی:۔

"کیسی باتیں؟ میں تو بہت اچھی باتیں کر رہی ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ، تم اس منگنی سے خوش ہو یا نہیں!"

ثمرآنہ نے شرم سے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

نیلما کام چھوڑ کر ثمرآنہ کے پاس آکر مسہری پر بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی:۔

"بھئی میں تو تم سے آج یہ پوچھ کر رہوں گی!"

ثمرآنہ آہستہ سے بولی:۔

"یہ آج تم کو کیا ہو گیا ہے، میرے پاس ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے"

نیلما بولی ——— "یہ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے پاس ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔۔۔۔ ہاں یا نہیں، ان میں سے ایک جواب تو ضرور ہو گا!"

ثمرآنہ بولی:۔ "بھئی نیلما بہن! ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔"

نیلما منہ پھلا کر بولی:۔

"اچھا نہ بتاؤ۔ میں بھائی جان سے جا کر کہہ دوں گی۔ وہی آکر پوچھیں گے، وہ کہہ رہے تھے کہ جب تک ثمرآنہ کی مرضی معلوم نہیں ہو جائے گی۔ میں منگنی نہیں ہونے دوں گا، اور اس کی مرضی میں خود ہی معلوم کروں گا۔ وہ تو میں نے تمہاری جان بچا دی اور بھائی جان سے کہہ دیا کہ آپ تکلیف کرنے کو رہنے دیں، میں پوچھ لوں گی۔ اب تم

خود ہی بھائی جان کو ہی بتانا چاہتی ہو تو میں ان کو بھیجے دیتی ہوں!"

وہ یہ کہہ کر اُٹھ کر جانے لگی۔

ثمرانہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھبرا کر بولی:۔

"ہائے اللہ، نیلما! یہ کیا کرتی ہو، تم یہاں سے نہ جاؤ!"

نیلما شرارت سے بولی:۔

"اچھا تو پھر بتاؤ جلدی!"

ثمرانہ شرم اور گھبراہٹ کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ بولی:۔

"اللہ، تم نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا، مجھے کچھ نہیں معلوم!"

نیلما چمک کر بولی:۔

"ہاں، آپ تو ننھی بچی ہیں نا! کچھ جانتی ہی نہیں ہیں۔ بے چارے ہمارے بھائی جان کو پریشان کر رکھا ہے۔۔۔۔۔"

ثمرانہ گھبرائے ہوئے بولی:۔

"ہائے اللہ، نیلما! میں نے تو کسی کو پریشان نہیں کیا۔"

نیلما آنکھیں نچا کر بولی:۔

"جی ہاں، تم تو نہ کچھ جانتی ہو، نہ تم نے کسی کو پریشان کیا ہے۔ ہمارے بھائی جان کی حالت دیکھی ہے؟ کیسی ہو رہی ہے؟؟"

ثمرانہ نیچی نظریں کئے ہوئے بولی:۔ "مجھے کسی کی حالت سے کیا واسطہ؟"

نیلما بولی:۔ "تمہیں واسطہ نہیں ہے تو پھر اور کس کو ہے!"

ثمرانہ سنجیدگی سے بولی:۔

"بھئی، مجھے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔ تم مجھے بلاوجہ پریشان نہ کرو۔"

نیلما بولی:۔ اس طرح لاتعلقی سے تو کام چلے گا نہیں، میں بلاوجہ نہیں، بلکہ وجہ

سے تم کو پریشان کر رہی ہوں۔ تم صاف صاف بات ہی سننا چاہتی ہو، تو سنو کہ:۔

بھائی جان کو تمہاری بے رُخی سے شکایت ہے، اور وہ بالکل یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی ہو، اور وہ اسی لئے برابر منگنی کو ٹالے جا رہے ہیں۔ منگنی کے نام پر ان کے چہرے کا رنگ ہی اُڑ جاتا ہے۔ یہ سب تمہارا ہی تو کیا دھرا ہے، اور اب تم خود بے تعلق ہوئی جا رہی ہو......"

ثمر آنہ کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ اور وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی:۔

"میں نے تو کبھی بھی کسی سے التفات یا بے التفاتی نہیں برتی!"

نیلما سنجیدگی سے بولی:۔

"التفات نہیں برتا تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ تمہیں بھائی جان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور تمہاری مرضی نہیں ہے کہ تم دونوں آئندہ دوسرے رشتے میں منسلک ہو جاؤ، اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو تمہاری مرضی کے خلاف ہوگا۔ بھائی جان اور ہم لوگ تم پر جبر نہیں کرنا چاہتے۔ اور تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہونے دینگے، بس میں امّی سے کہہ دوں گی کہ منگنی کا ارادہ ملتوی کر دیں!"

ثمر آنہ نے گھبرا کر نیلما کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولی:۔

"ہائے اللہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو، کسی سے کچھ نہ کہنا۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ میری مرضی نہیں ہے۔"

نیلما خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بولی:۔

"تو پھر تمہاری مرضی ہے؟ میں جا کر بھائی جان کو یہ خوشخبری سناتی ہوں....."

ثمر آنہ کھسیانی ہو گئی اور اس نے جلدی سے نیلما کا ہاتھ پکڑ لیا اور شرماتے ہوئے بولی:۔

"تم بھی کیسی بات پکڑتی ہو، کتنے گھما کر پھرا کر بات کرتی ہو.....!"

نیلما بولی :-

" اگر گھما پھرا کر بات نہ کرتی تو اس وقت اس راز پر سے پردہ کیسے اُٹھتا۔ اور ہم سب لوگوں کو اس غلط فہمی کا شکار ہو کر کتنا بڑا نقصان اُٹھانا پڑتا۔ تم نے تو شرمیلے پن کی حد ہی کر رکھی ہے۔ مگر ثرآنہ! میں بتائے دیتی ہوں تمہارا یہ شرمیلا پن بعض دفعہ بڑا نقصان دہ ہو جاتا ہے۔ تمہاری شرم کی وجہ سے ہمارے بھائی جان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات کو محسوس کرتے ہیں۔ تم کھانا کھانے کمرے میں نہیں جا رہی تھیں، وہ یہی سمجھے کہ تم ان کو پسند نہیں کرتی ہو۔ کراچی میں بھی تم نے اُن سے بے رُخی برتی۔ وہ جب سے وہاں سے آئے ہیں۔ ان میں وہ شوخی، وہ بات ہی نہیں رہی ان سب باتوں کی ذمہ دار تم ہو!"

ثرآنہ بولی :-

"واہ! یہ کیسے سمجھ لیا گیا۔ میں نے تو یہ محسوس کیا ہے کہ میری موجودگی اُن کو ناگوار ہوتی ہے، اور کراچی میں بھی میں نے تو کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔"

ثرآنہ نے اپنے اندیشوں کا اظہار کر ہی دیا۔

نیلما بولی :-

" اچھا تو آپ بھی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔ میری مانو تو تم لوگ وقتاً فوقتاً ایک دُوسرے سے مل کر گفتگو کرتے رہا کرو۔ پھر کوئی غلط فہمی نہیں ہو گی۔ تم اِدھر شرمائی بیٹھی رہو گی اور وہ اُدھر غلط فہمیوں کو دِل میں جمع کرتے جائیں گے۔ اور بیچ میں شامت میری اور تبسم باجی کی آتی رہے گی۔ ہم دونوں تم دونوں کی صُورتیں دیکھ دیکھ کر کُڑھا کریں گی۔"

ثرآنہ اس کی یہ بات سُن کر مسکرانے لگی۔

نیلما پھر بولی :- تم لوگوں نے ہمیں بہت پریشان کیا ہے۔ ابھی دو مہینے تمہیں

یہاں رہنا ہے۔ ٹھیک ٹھیک رہو۔ یہ شرمانا، لجانا، شادی کے بعد تک ملتوی کردو بعد میں تمہاری اداؤں سے ہمارے بھائی جان کو کم از کم غلط فہمی تو نہیں ہوگی۔ اب تو یہ ہے کہ اِدھر تم نے اداد کھائی اُدھر وہ انٹوانی کھٹوانی لے کر پڑ گئے۔ میں نے بھی ترکیب سوچ لی ہے۔ جہاں تم دونوں کا مُنہ بنا اور میں نے تم دونوں کی ملاقات کروائی!"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی:۔

"ہائے اللہ، ایسا کبھی مت کرنا!"

نیلماَ اس کی گھبراہٹ کا لطف لیتی ہوئی بولی:۔

"واہ! ایسا کیوں نہ کروں۔ تم دونوں کی مرضی یہی ہے۔ تمہاری مرضی سے ہم بھی خوش ہیں۔ ہمیں یہ تم لوگوں کا بسورنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔ ہم تو اب وقتاً فوقتاً مِلواتے رہا کریں گے۔ دیکھیں، تم ہمارا کیا کرلو گی......"

ثمرآنہ اسی طرح گھبراہٹ سے بولی:۔

ہائے نہیں نیلماَ بہن! ایسی کبھی کوشش نہ کرنا۔ مجھے یہ سب باتیں بالکل پسند نہیں ہیں!"

نیلماَ آنکھیں نچا کر بولی:۔

"مگر ہمیں تو پسند ہیں!"

یہ کہہ کر نیلماَ باہر چلی گئی۔ اور ثمرآنہ سوچ میں بیٹھ گئی۔

"—— یہ نیلماَ کو کیا ہو گیا ہے، کیسی باتیں کر رہی تھی۔ اللہ، میں تو کبھی بھی کسی سے نہیں مل سکتی۔ میں تو شرم سے مر جاؤں گی۔ میں ان لوگوں کی شرارتوں کی ہی وجہ سے یہاں آنے سے ڈر رہی تھی۔ یہ لوگ تو بُری طرح میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ ابھی تو دو مہینے یہاں گزارنے ہیں۔ اور یہ نیلماَ سب سے زیادہ ہے، یہ تو بڑی سے بڑی شرارت اتنی آسانی سے کر جاتی ہے۔ اب ننھیا لگی جاتا ہے۔ وہاں بھی اگر یہی حرکتیں کرتی رہی تو مجھے تو تفریح کا ذرا بھی لطف نہیں آئے گا، یہ بار بار مجھے اپنے بھائی جان سے ملوانے کی دھمکی دے

رہی ہے۔ کہیں یہ اپنی بات کو پورا ہی نہ کر دکھائے۔ مجھے ایسی باتوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں بالکل کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ وہ تو میری صورت سے بھی بیزار معلوم ہوتے ہیں نیلماؔ مجھے یوں ہی بہلا رہی تھی کہ وہ میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔ میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتے !——

—— وہ کراچی میں مجھ سے کیوں پانچ منٹ کے لئے ملنا چاہتے تھے۔ وہ کیا کہنا چاہتے تھے ؟ وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتے ہوں گے۔ پہلے تو بہت خوش خوش نظر آرہے تھے۔ لیکن جب میں نے بات کرنے سے انکار کر دیا تو بہت سنجیدہ ہو گئے تھے۔ نیلماؔ کچھ کہتی ہے، میرا دل کچھ کہتا ہے۔ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ میں نے تو اپنی عادت کے خلاف اتنی بے شرمی کا مظاہرہ کیا اور ان کے پرچے کا جواب لکھ کر دیا، اور پھر بھی اگر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو میں کیا کر دوں!

—— میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے جواب سے تو کسی غلط فہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تو بلا وجہ میرے اوپر الزام رکھا جا رہا ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ میرے اوپر الزام رکھ کر انکار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کو انکار کرنا ہی ہے تو کر دیں۔ مجھے تو بدنام نہ کریں۔ انہوں نے مجھ سے پنڈی آنے کے متعلق کیوں پوچھا تھا ؟ اب آگئی ہوں تو کیا ہوا ؟ طرح طرح کی باتیں سن کر اپنا دل جلا رہی ہوں ...... اس سے تو نہ آتی تو اچھا تھا ...... میں نے تو امّی سے کہا تھا کہ میں نہیں جاؤں گی۔ لیکن وہ مجھے اکیلا چھوڑنے پر راضی نہیں ہوئیں ...... یہاں آکر میں کس مشکل میں پھنس گئی——!

—— یہ نیلماؔ بھی بہت شریر ہے۔ گھما پھرا کر بات کر کے مجھ سے اقرار کروا لیا۔ اور میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ اس کی باتوں میں الجھ گئی۔ اور گھبرا کر نہ معلوم کیا کیا کہہ گئی۔ اب یہ باتیں وہ نہ معلوم کس کس سے کہیں گی اور لوگ اس کے کیا کیا مطلب نکالیں گے۔ وہ کہہ رہی تھی ہمیں اپنے بھائی جان سے کہہ دوں گی۔ اگر اس نے کہہ دیا تو کیا ہوگا۔ میں تو ان

کو اپنی صورت نہیں دکھاؤں گی۔ وہ میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔ کہ میں بھی کتنی بے شرم ہوں۔ میں اب اِن لوگوں سے اور بھی الگ رہا کروں گی۔ ......"

وہ بہت دیر تک اپنے اِن ہی خیالات میں کھوئی ہوئی بیٹھی رہی۔ تبسم نے آکر کہا:۔

"ارے تم یہاں اکیلی ہو، نیلما کہاں گئی؟"

ثمرآنہ بولی:۔

"ابھی تو میرے ساتھ کام کر رہی تھیں۔ اب نہ معلوم کہاں چلی گئیں!"

تبسم نے ایک نظر ثمرآنہ پر ڈالی۔ وہ کچھ بجھی بجھی سی نظر آرہی تھی۔ تبسم سمجھ گئیں کہ نیلما نے ضرور اس سے بات کر لی ہے۔

پھر وہ بولیں:۔

"آؤ، میں تمہارے ساتھ جلدی جلدی یہ کام ختم کروا لوں۔"

اور وہ دونوں کام میں مصروف ہو گئیں۔

نیلما ثمرآنہ سے بات کر کے سیدھی دوڑی ہوئی کامران کے کمرے میں پہنچی۔ کامران اپنی ٹائیاں اور رومال وغیرہ ڈبے میں رکھ رہے تھے۔

نیلما بولی:۔

"ارے بھائی جان! یہ کام آپ خود کیوں کر رہے ہیں۔ آپ کے کپڑے تو ہم لوگ رکھ دیں گے۔ آپ یہ تکلیف نہ کیجئے۔"

کامران بولے:۔ نہیں بھئی میں اپنا کام خود ہی کرنا پسند کرتا ہوں۔ تم لوگ اپنا اپنا کام کرو!

نیلما بولی:۔

"نہیں بھائی جان! یہ کام مردوں کو زیب نہیں دیتے۔ یہ تو عورتوں کے کرنے کے ہیں اگر آپ مجھ سے نہیں کروانا چاہتے تو ثمرآنہ کو بھیج دوں وہ کر دے گی!"

کامران مسکرا کر بولے :-

" تم بہت شریر ہوتی جا رہی ہو۔ میں اپنا کام ثمرانہ سے کیوں کرداؤں "

نیلما ہنستے ہوئے بولی :-

" اب تو آپ کو کروانا ہی پڑے گا۔ میں تو آپ کو ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں، پکچر دکھانے کا وعدہ کیجئے۔ پھر سناؤں گی!"

کامران ہنس کر بولے :-

" بھئی ایسی کون سی خوشخبری ہے جو تم بغیر رشوت کے نہیں سنا سکتیں!"

پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولے :-

" اپنی قسمت میں ایسی خوشخبریاں کہاں!"

نیلما بولی :-

" جناب، مجھے شاباش دیجئے۔ جن خوشخبریوں سے آپ مایوس ہو چکے ہیں، وہی خوشخبری آپ کے لئے لائی ہوں۔ بس ذرا پکچر کے لئے ہاں کر لیجئے!"

کامران بولے :-

" پہلے تم سناؤ تو۔ پھر دیکھیں گے کہ تمہاری خوشخبری پکچر کی مستحق ہے بھی یا نہیں!"

نیلما منہ بناتے ہوئے بولی :-

" آپ تو بہت کنجوس ہیں بھائی جان۔ آپ اگر پکچر دکھانا نہیں چاہتے تو نہ دکھائیے ہمیں آپ کی پکچر نہیں آپ کی خوشیاں مقدم ہیں۔ ہم تو آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

کامران نے نیلما کو ناراض ہوتے دیکھا تو اس کو مناتے ہوئے بولے :-

" اچھا بھئی، پکچر بھی دکھا دیں گے، اب بولو جلدی سے، کیا بات ہے؟"

نیلما خوش ہو کر بولی :-

" میں ابھی ثمرانہ سے اقرار کروا کر آ رہی ہوں!"

کامران نے کہا :-

" مگر میں زبردستی کے اقرار کا قائل نہیں ہوں !"

نیلما بولی :-

" میں نے زبردستی اقرار نہیں کروایا ہے۔ اس نے خود ہی کیا ہے۔"

پھر اس نے اپنی اور ثمرآنہ کی پوری گفتگو کامران کو سُنادی — کامران یہ باتیں سُن کر مسکراتے رہے۔ پھر کچھ سنجیدہ ہو کر بولے :-

" بھئی جب تک ہم خود اپنے کانوں سے نہیں سُن لیں گے اور اُن کا رویہ نہیں دیکھ لیں گے اُس وقت تک یقین نہیں کریں گے۔"

نیلما مسکرا کر بولی :-

" ہم نے اس کا بھی بندوبست کر دیا ہے۔ میں نے ثمرآنہ سے کہہ ہی دیا ہے، کہ غلط فہمیاں دُور کرنے کے لئے تم لوگ وقتاً فوقتاً ملتے رہا کرو۔ اور یہ موقع فراہم کرنا ہمارا کام ہے۔ ارے بھائی جان! آپ کو ثمرآنہ سے ملوانا کون سا مشکل کام ہے۔ یہ تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ نتھیا گلی میں تو ایسے مواقع روز آئیں گے۔" پہاڑ پر تو سب ساتھ ہی جایا کریں گے۔ ہم لوگ تیز تیز آگے چڑھ جایا کریں گے اور ثمرآنہ بے چاری نازک سی ہے، پیچھے رہ جائے گی۔ ہم آپ کو بتا دیا کریں گے۔ بس آپ اس کی مدد کو پہنچ جایا کیجئے گا۔ اور پھر سارے گلے شکوے کر لیا کیجئے گا!"

کامران مسکراتے ہوئے بولے :-

" تم بہت شریر ہو گئی ہو۔ یہ سب باتیں خُوب آ گئی ہیں!"

نیلما شوخی سے بولی :-

" بھائی جان! پھر پکچر کی بات پکی رہی نا!"

کامران بولے —— " ہاں پکی تو ہے، لیکن بھئی ابھی تو وقت نہیں ہے۔ پرسوں

صبح ہم لوگ جا رہے ہیں۔ کل کا پورا دن بے حد مصروف گزرے گا۔ نتھیا گلی سے واپسی پر ضرور دکھاؤں گا"........

پھر مسکرا کر بولے :۔

"........ وہاں تمہاری خوشخبری کی پوری طرح تصدیق بھی کرلوں گا!"

نیلما بھی ہنسنے لگی اور تبسّم کو ڈھونڈتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ وہاں تبسّم اور ثمرآنہ تیاری میں مصروف تھیں۔ نیلما تبسّم کو بھی جلد سے جلد یہ خوشخبری سُنا دینا چاہتی تھی، مگر ثمرآنہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی!

اگلا دن سب کا بے حد مصروف گزرا۔ چھوٹا بڑا ہر شخص مصروف نظر آتا تھا۔ لڑکیاں پھرتی سے کوٹ اور سوئیٹر نکال کر دھوپ دکھا رہی تھیں۔ کوئی موزے ڈھونڈھ رہی تھی کوئی موٹی قمیصوں پر استری کر رہی تھی۔ عمرانہ بیگم اور حمیدہ بیگم کی تیاری بھی یہ لڑکیاں ہی کر رہی تھیں۔ وہ دونوں تو اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔ لڑکیوں کو مشورے دیتی جا رہی تھیں، کامران اور خرم نے کہہ دیا تھا کہ ہم لوگ اپنی تیاری خود کریں گے۔ ہمیں لڑکیوں کا احسان لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان ہنگاموں کے باوجود بھی نیلما نے وقت نکال کر تبسم کو ساری بات بتا دی تھی۔ اب وہ بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ اب سب خوشی خوشی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جو اداسی کے بادل تھے وہ چھٹ چکے تھے ——— ان لوگوں کے دلوں کو اب کچھ اطمینان ہو گیا تھا ———!

اس پروگرام سے سب خوش تو تھے، لیکن کامران کی خاموشی کی وجہ سے تبسم اور نیلما کی خوشی بداوس پڑی ہوئی تھی۔ اب کامران بھی قدرے مطمئن ہو گئے تھے، اور یہ لوگ بھی خوش تھیں۔

گھر میں ایک ہنگامہ تھا۔ ہر شخص مصروف نظر آتا تھا۔ یہ ہنگامے رات کو

بارہ بجے تک جاری رہے۔ صبح آٹھ بجے روانگی تھی۔ سب کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ سب صبح سویرے اُٹھنے کے ارادے سے اپنے اپنے بستروں میں گھس گئے!

دونوں کاریں تیار کھڑی ہیں۔ ایک نوکر سامان لے کر بس سے جا چکا تھا۔ چھوٹا سامان گاڑیوں میں رکھا جا چکا ہے۔ کامران نے ایک بڑی گاڑی کا انتظام کر دیا تھا۔ اس میں سب بزرگ حضرات اور چھوٹی بچیاں بیٹھ گئیں۔

نوید احمد بولے:۔

"بھئی ہماری گاڑی کامران چلائیں گے یا خرم!"

خرم نے کہا:۔

"اس گاڑی میں میں آرہا ہوں۔ کامران بھائی اپنی گاڑی لے جائیں گے!"

یہ کہہ کر خرم گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

دُوسری گاڑی میں کامران کے ساتھ نیلما اور تبسم کو بیٹھنا تھا۔ اور ان دونوں نے سوچ رکھا تھا کہ ثمرانہ کو بھی اپنے ساتھ بٹھائیں گے۔ ثمرانہ ابھی تک نہ معلوم کہاں غائب تھی۔ وہ دونوں اس کے انتظار میں ہی باہر کھڑی تھیں۔

ثمرانہ جان بوجھ کر دیر کر رہی تھی۔ اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ کامران کونسی گاڑی چلائیں گے۔ اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ جب سب گاڑیوں میں بیٹھ چکے ہونگے اُس وقت میں تیار ہو کر نکلوں گی، اور جس گاڑی کو خرم چلائیں گے۔ اس میں جا کر بیٹھ جاؤنگی۔

سب لوگوں کو باہر گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ یہ سوچ کر کہ سب گاڑیوں میں بیٹھ چکے ہوں گے۔ اطمینان سے باہر آئی تو دیکھا کہ ایک گاڑی کے پاس تبسّم اور نیلما کھڑی ہیں۔ کامران اسٹیرنگ سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اور دُوسری گاڑی غائب ہے۔

اس کو دیکھتے ہی نیلما بولی :۔

"کیوں مہارانی! کہاں غائب تھیں۔ ہم آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔"

ثمرآنہ کامران کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی، وہ گھبرا کر بولی :۔

"دُوسری گاڑی کہاں ہے ؟"

نیلما چہک کر بولی :۔

"دُوسری گاڑی میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اتنی دیر تک آپ کا انتظار کر سکتا وہ تو ہم ہی تھے جو آپ کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں، آپ کو اپنے سولہ سنگاروں سے ہی اب فرصت ملی ہے۔"

ثمرآنہ اس کے جملوں سے کچھ اور گھبرا گئی اور بولی :۔

"ہائے اللہ، میں نے کون سے سنگھار کئے ہیں، میں نے تو کپڑے بدل کر صرف چوٹی باندھی ہے!"

تبسّم بولیں :۔

"بھئی یہ تو اپنا اپنا حُسن ہے، تم اس سادگی میں بھی سولہ سنگھار کئے معلوم ہو رہی ہو!"

ثمرآنہ اس وقت دھانی کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس میں اس کا گلابی چہرہ چمک رہا تھا، اور وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی، کامران اس کے حُسن میں کھوئے ہوئے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح اس کو اپنی آنکھوں میں بٹھالیں۔ وہ لڑکیوں کی دلچسپ نوک جھونک سے بھی محظوظ ہو رہے تھے۔

نیلما بولی :۔ "بیگم صاحبہ! اب گاڑی میں تشریف لے آئیے۔ یہ کنیز بی داہنی اور تبسّم

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کی منتظر ہیں۔"

تبسم گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ نیلما نے جلدی سے ثمرآنہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اس کو آگے بٹھا کر دروازہ بند کر دیا۔ اور خود جلدی سے پیچھے بیٹھ کر بولی:۔

"بھائی جان! جلدی چلیئے۔ وہ لوگ بہت آگے نکل گئے ہوں گے!"

ثمرآنہ جلدی سے دروازہ کھول کر اُترنے لگی اور بولی:۔

"نیلما بہن! میری جگہ تم آجاؤ نا!"

اتنی دیر میں گاڑی آہستہ سے روانہ ہو چکی تھی۔

نیلما چلا کر بولی:۔

"ارے ثمرآنہ، کیا کرتی ہو، کیا گرنے کا ارادہ ہے، جلدی دروازہ بند کرو!"

اور ثمرآنہ نے گھبرا کر دروازہ بند کر دیا۔

تبسم اور نیلما قہقہہ لگا کر ہنسنے لگیں۔

ثمرآنہ بے چاری بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس کی اپنی بنائی ہوئی اسکیم تو بری طرح ناکام ہو ہی چکی تھی، لیکن یہ نیلما کی شرارت تھی جو اُسے بہت کھل رہی تھی۔ یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا کہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکی۔ اس کی گھبراہٹ اور شرم سے پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ ــــــــ وہ پھر بولی:۔

"نیلما! تم میری جگہ آجاؤ نا۔ میں پیچھے بیٹھوں گی!"

نیلما بولی:۔ "کیوں آگے کیا کانٹے لگے ہوئے ہیں جو تمہارے چبھ رہے ہیں!"

ثمرآنہ پھر لاجواب ہو گئی، اور خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد نیلما بولی:۔

"کیا گھنگھنیاں کھا کر بیٹھی ہو۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم گاڑی میں بیٹھتے ہی گونگی بن جاؤ گی میں نے تو اپنی گاڑی میں اس لئے بٹھایا تھا کہ راستے بھر باتیں کرتے جائیں گے.... بولتیں

کیوں نہیں.....؟"

ثمرآنہ سر جھکائے ہوئے سنجیدگی سے بولی:۔

"میں کیا بولوں.....!" پھر ذرا رُک کر بولی ——— تم میری جگہ آجاؤ نا!"

نیلما ذرا جھلّا کر بولی:۔

"یا تو تم بول نہیں رہی ہو، یا طوطے کی طرح ایک ہی بات کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اب کان کھول کر سُن لو۔ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ تم آگے ہی بیٹھی رہو گی۔ میں تمہیں پیچھے ہرگز نہیں آنے دوں گی اور تمہیں خاموش بھی نہیں بیٹھنے دوں گی۔ اور اگر تم نے ہم لوگوں کو بور کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا!"

کامران بولے:۔

"نیلما! کیوں کسی کو مجبور کرتی ہو، جب یہ میرے ساتھ بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھ رہی ہیں، تو انہیں پیچھے ہی بیٹھنے دو۔ میں گاڑی روکے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر گاڑی روکنے کے لئے رفتار کم کی ——— نیلما چلّا کر بولی:۔

"ارے بھائی جان! یہ کیا غضب کرتے ہیں۔ آپ اطمینان سے گاڑی چلاتے رہئے ثمرآنہ کی مرضی تو میں خوب جانتی ہوں۔ ان کی مرضی تھی۔ جب ہی تو میں نے ان کو آگے بٹھایا ہے"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی:۔

"ہائے اللہ، میری مرضی کب تھی۔ میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا"

کامران بولے:۔

"نیلما! تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کی مرضی تو نہیں ہے کہ یہ میرے ساتھ بیٹھیں۔ یہ آگے بیٹھ کر بہت بور ہو رہی ہیں۔ یہ تو تفریح کا موقع ہے۔ ہم کسی کی تفریح کھوٹی نہیں کرنا چاہتے۔"

تبسّم بولیں ——— "نہیں بھائی جان! ——— ثمرآنہ آگے بیٹھ کر بہت خوش ہیں۔

آپ اطمینان سے گاڑی چلائیے!"

کامرآن نے کہا :-

" تم لوگ کیوں ان کی طرف سے وکالت کر رہی ہو۔ دلوں کا حال ہم کیا جانیں۔ ان کی ناراضگی اور زبان سے تو ہم کو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ آگے نہیں بیٹھنا چاہتیں۔ زبردستی کرنے سے کیا فائدہ؟"

نیلمآ بولی :-

" بھائی جان! ہم تو ثمرآنہ کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ ہم ان کو منٹوں میں ٹھیک کر لیں گے۔ اور بھائی جان، میں دعوے سے کہتی ہوں کہ آگے بیٹھ کر یہ ناراض نہیں ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں ان کی زبان سے ہی کہلوا دوں۔ اور ناراضگی تو ان کی ابھی دُور ہوئی جاتی ہے۔"

ثمرآنہ بولی :-

" نیلمآ! کیسی باتیں کرتی ہو۔ مجھے تنگ نہ کرو!"

نیلمآ شوخی سے بولی :-

" ہم تمہیں تنگ نہیں، بلکہ خوش کر رہے ہیں اور ثمرآنہ! خیریت اسی میں ہے کہ ہنسی خوشی جہاں بیٹھی ہو وہیں بیٹھی رہو، اور جو ناراض ہونے کی ایکٹنگ کر رہی ہو اس میں تم قطعی ناکام رہی ہو۔ میں تم سے اب بولنے کو بالکل نہیں کہوں گی۔ تم اسی طرح خاموش بیٹھی رہو۔ میں خود ہی بولتی رہوں گی۔ اور اب میں ثمرآنہ! وہ ساری باتیں بولتی جاؤں گی، جو تمہارے دل میں ہیں!"

ثمرآنہ نیچی نظریں کیے ہوئے بولی :-

" میرے دل میں ایسی کون سی بات ہے جو تم کہو گی!"

نیلمآ بولی :- ہمیں سب کے دلوں کا حال معلوم ہے (پھر مسکرا کر بولی)، ہمیں سب کے

اقرار و انکار معلوم ہیں۔ وہی ہم سب کو بتائے دیتے ہیں......"

ثمرآنہ گھبرا کر جلدی سے پلٹی اور پیچھے مڑ کر نیلمآ کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا، اور بولی:۔

"ہائے نیلمآ، یہ کیا کرتی ہو، تمہیں میری قسم، تم خاموش ہو جاؤ!"

گاڑی کافی تیزی سے جا رہی تھی۔ اچانک ایک بچّہ دوڑتا ہوا اسٹرک پر آ گیا۔ کامرآن نے تیزی سے بریک لگایا، گاڑی کو زور سے جھٹکا لگا۔ ثمرآنہ جو پیچھے مُڑی ہوئی نیلمآ کے مُنہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی، وہ کامران کے اوپر آ کر گری۔

نیلمآ اور تبسّم نے قہقہہ لگایا اور نیلمآ تالی بجا کر بولی:۔

"دیکھئے بھائی جان، ثمرآنہ نے اقرار کر لیا نا! آپ کہہ رہے تھے کہ یہ آگے بیٹھنے پر ناراض ہیں، مگر یہ تو آپ کی گود میں بیٹھنا چاہتی ہیں۔"

پھر ثمرآنہ سے بولی:۔

"ثمرآنہ! ٹھیک سے بیٹھو نا، ہم لوگوں کا کچھ تو لحاظ کرو۔ کیوں بھائی جان کے اوپر گری جا رہی ہو...... !"

ثمرآنہ اِس حادثے سے اِس قدر حواس باختہ ہو گئی تھی۔ وہ کامرآن کے اوپر سے جلدی سے ہٹی، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔

کامرآن اِس حسین حادثے پر مسکرا رہے تھے، اور دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہیں ثمرآنہ کا شرمانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بار بار کنکھیوں سے اس کو بھی دیکھتے جا رہے تھے۔

نیلمآ پھر بولی:۔

"ثمرآنہ! یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی بھائی جان کے اوپر گری جا رہی تھیں اور اب دلہن بننے کی پریکٹس کر رہی ہو!"

اس وقت شرمندگی کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ وہ شرم کی وجہ سے مُنہ پر سے ہاتھ نہیں ہٹا رہی تھی۔ نیلما کے کہنے سے وہ اور بھی جھینپ گئی۔ اُس نے چہرے پر سے ہاتھ تو ہٹا لیے لیکن سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ اس گاڑی میں کیوں بیٹھ گئی۔ پھر اس کو اپنی امّی پر غصّہ آنے لگا۔

وہ سوچنے لگی :۔

امّی نے میرا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ مجھے اپنے ساتھ اِس گاڑی میں کیوں نہیں لے گئیں۔ اللہ میاں، میں کہاں پھنس گئی۔

وہ ان ہی خیالوں میں تھی کہ نیلما اپنی جگہ سے اُٹھ کر ثمرانہ کے اوپر سے اس کے پیروں کی طرف نیچے جھانکتے ہوئے بولی :۔

"ثمرانہ! مجھے تو تمہارے پیروں کے پاس سے کوئی خوبصورت جگہ نظر نہیں آ رہی۔ سینری تو باہر کی بہت اچھی ہے۔ پیروں کے پاس کیا ہے جو تم اتنے غور سے دیکھ رہی ہو۔"

تبسّم دانستہ اس مذاق میں حصہ نہیں لے رہی تھیں۔ وہ ثمرانہ سے بڑی تھیں اور ثمرانہ ان کا بہت لحاظ کرتی تھیں اور وہ بھی اس لحاظ کو قائم رکھنا چاہتی تھیں۔

تبسّم نیلما سے مخاطب ہوئیں :۔

"بھئی نیلما تم نے کیوں بیچاری ثمرانہ کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کو بھی تو ان قدرتی مناظر اور اس رنگین موسم سے لطف اندوز ہونے دو!"

نیلما جلدی سے بولی :۔

"باجی! یہ تو ان حسین مناظر سے ہم سے زیادہ لطف اندوز ہو رہی ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہیں کہ اس وقت اِن کو ہماری یہاں موجودگی بھی ناگوار گزر رہی ہے اور یہ بغیر کچھ

خیال کیے ہوئے ایسی حرکتیں کر رہی ہیں، جن سے ہمیں بھی شرم آ رہی ہے۔"

تبسّم نے نیلما کو ٹوکا :-

" بس اب ختم کرو۔ اس بیچاری کا پیچھا چھوڑ دو!"

نیلما کو بھی کچھ احساس ہُوا کہ وہ بڑی بہن اور بھائی کی موجودگی میں ذرا زیادہ ہی کھلا مذاق کر گئی تھی۔

ثمرانہ کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ تبسّم کو اس بیچاری پر بہت ترس آ رہا تھا!

پھر نیلما بولی :-

"باجی! اگر ثمرانہ یہ چُپ کا روزہ توڑ دیں تو میں انہیں نہیں چھیڑوں گی۔ یہ چپ رہ کر خود بھی بور ہو رہی ہیں اور ہم کو بھی کر رہی ہیں۔ اگر یہ ابھی ٹھیک ہو جائیں اور ہمیشہ کی طرح ہنسنے بولنے لگیں تو پھر میں ان کو تنگ نہیں کروں گی۔ اِدھر یہ چپ بیٹھی ہیں۔ اُدھر بھائی جان چُپ ہیں۔ میں بھی چُپ ہو جاؤں تو تفریح کا کیا خاک لُطف آئے گا۔"

تبسّم بولیں :-

" نہیں، اب یہ چُپ نہیں بیٹھیں گی۔"

پھر ثمرانہ سے مخاطب ہوئیں :-

" ثمرانہ! تم اس کی باتوں کی پرواہ مت کرو۔ تم مجھ سے باتیں کرو۔ یہ اب تمہیں تنگ نہیں کرے گی!"

پھر وہ کامران سے بولیں :-

" بھائی جان! اس وقت ایک گانا سنا دیجیے۔ مزہ آ جائے گا۔ دیکھیے تو کتنا پیارا موسم ہے، گھٹائیں جھوم جھوم کر آ رہی ہیں۔"

نیلما بولی :-

" ہاں بھائی جان۔ ایک گانا سنا دیجیے۔ پھر ثمرانہ بھی سنائیں گی!"

تبسّم نے ڈانٹا :۔

"تم پھر اس کے پیچھے پڑ گئیں !"

پھر کامراؔن سے بولیں :۔

"ہاں تو بھائی جان، شروع کیجئے ......"

کامراؔن بولے :۔ "میں تم دونوں کو نتھیا گلی چل کر سناؤں گا!"

نیلمؔا قہقہہ لگا کر بولی :۔

"واہ بھائی جان، واہ! موسم اس وقت رنگین ہے، اور گانا آپ نتھیا گلی جا کر سُنائیں گے؟ —— ہم تو ابھی سُنیں گے!"

کامراؔن بولے :۔

"بھئی، یہ تو تم دونوں کہہ رہی ہو۔ کسی اور کو تو میرا گانا سُننا گوارا نہیں ہے!"

نیلمؔا بولی :۔

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا!"

کامراؔن کہنے لگے :۔

"بات تو صاف ظاہر ہے، تم دونوں نے اپنی اپنی مرضی کا اظہار کر دیا جس کی مرضی نہیں ہے، وہ خاموش بیٹھا ہے۔"

تبسّم بولیں :۔

"بھئی ثمرآنہ کو کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ گانا سُننے سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا!"

نیلمؔا بولی :۔

"باجی دیکھئے، یہ ثمرآنہ پھر اسی طرح خاموش بیٹھی ہے۔ میں اسے پھر چھیڑ دوں گی تو آپ مجھے ڈانٹیں گی!"

پھر وہ کامراؔن سے مخاطب ہوئی —— "کیوں بھائی جان! اگر ثمرآنہ

بھی آپ سے گانے کو کہہ دیں تو پھر آپ سنائیں گے نا!"

کامران مسکرا کر بولے :-

"ہاں ہاں۔ پھر ضرور سناؤں گا (سنجیدہ ہو کر) میں اپنے وجود سے تو لوگوں کو بور کر ہی رہا ہوں۔ اپنی آواز سے مزید بور کرنا نہیں چاہتا۔"

نیلما بولی :-

"ثمرآنہ! بس بہت ہو چکا۔ اب جلدی سے بھائی جان سے گانا سنانے کے لئے کہو، وہ تمہارے کہے بغیر ہرگز نہیں سنائیں گے۔ کیوں بھائی جان؟"

کامران مسکرانے لگے اور ثمرآنہ خاموش بیٹھی رہی۔

نیلما بولی :-

"باجی، دیکھ رہی ہیں، یہ ثمرآنہ پھر چپ بیٹھی ہے۔ میں پھر اسے تنگ کروں گی!"

پھر بولی :-

"اچھا ثمرآنہ بی بی، چپ بیٹھی رہو......" پھر تبسم سے مخاطب ہوئی...... "باجی آپ نے سنا، پرسوں ثمرآنہ کہہ رہی تھیں......"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :-

"......خدا کے لئے نیلما خاموش ہو جاؤ!"

نیلما شرارت سے آنکھیں نچاتے ہوئے بولی :-

"میں تو ایک شرط پر خاموش ہوں گی۔ تم بھائی جان سے گانا سنانے کے لئے کہو۔"

ثمرآنہ بے چاری اور بھی پریشان ہو گئی، اور خوشامد سے بولی :-

"نیلما پلیز! مجھے الجھن میں نہ ڈالو!"

نیلما ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی :- "الجھن؟...... کیسی الجھن؟... بھئی یہ چالبازی نہیں چلے گی۔ جلدی سے کہو، ورنہ میں اپنی بات شروع کرتی ہوں!"

ثمرآنہ جلدی سے بولی :-

"ہائے اللہ، تم ہی بتاؤ میں کیا کہوں ؟"

نیلمآ اِٹھلا کر بولی :-

"تم بھائی جان سے مخاطب ہو کر ذرا اِٹھلا کر کہو (ایکٹنگ کرتے ہوئے) "اللہ گانا سُنا دیجئے نا......"

تبسم نے کہا۔ "نیلمآ! تم بہت شریر ہو گئی ہو۔ اِس بیچاری کو ستا رکھا ہے۔"

نیلما بولی ——— "ارے یہ، اور بیچاری ہیں ——— !"

پھر ثمرآنہ سے مخاطب ہوئی :-

"ثمرآنہ! میں ایک دو تین کہتی ہوں۔ اگر تم نے اِس سے پہلے بھائی جان سے کہہ دیا تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی سب کو وہ بات بتاتی ہوں !"

ثمرآنہ نے ملتجیانہ انداز سے کہا :-

"ہائے نیلما نہیں !"

نیلمآ نے اس کی بات اَن سُنی کرتے ہوئے کہا :-

"ایک .... دو .... اور ...."

ثمرآنہ گھبرا کر تیزی سے بولی :-

"گانا سُنا دیجئے !"

نیلمآ نے تالیاں بجا بجا کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ کامرآن اور تبسم بھی ہنس رہے تھے۔ نیلمآ بولی :-

"دیکھا باجی آپ نے ! میں نے کیسا ثمرآنہ کو ٹھیک کیا ہے۔ ہاں بھائی جان ! اب شروع کر دیجئے۔ اب تو ثمرآنہ نے بھی کہہ دیا۔"

کامرآن نے گانا شروع کیا۔

"تو کہے اگر جیون بھر میں گیت سناتا جاؤں"

تبسم اور نیلما اس وقت کامران کے گانے کے باموقع الفاظ سے محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھیں۔ ثمرانہ شرم سے گڑی جا رہی تھی اور نظریں نیچے کیے بیٹھی تھی۔ کامران، مسکرا مسکرا کر گا رہے تھے اور کن انکھیوں سے ثمرانہ کو دیکھتے جا رہے تھے۔

وہ موسم کی رنگینی، اودی اودی گھٹائیں، ہلکی ہلکی پھوار، وہ بہنوں کی چھیڑ چھاڑ اور ثمرانہ کا دھانی کپڑوں میں چمکتا ہوا گلابی چہرہ، وہ اس کا گھبرانا، لجانا، شرمانا.... کاش وقت ٹھہر جائے۔ یہ گاڑی یونہی چلتی رہے، یہ گھٹائیں اسی طرح گھری رہیں۔ یہ کومل سی پیاری سی لڑکی یوں ہی سر جھکائے شرمائی ہوئی میرے برابر میں بیٹھی رہے اور زندگی کا سفر یوں ہی تمام ہو جائے۔

آخری مصرعہ ـــــ "تو کہے اگر ـــــ تو کہے اگر" ـــــ انہوں نے ثمرانہ کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور گانا ختم ہو گیا۔

ثمرانہ ان کی شوخ نظروں سے بچنے کے لیے سر اٹھانے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ گانا ختم ہوتے ہی تبسم اور نیلما نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔

نیلما بولی:۔

"بھئی واہ بھائی جان، کمال کر دیا۔ بہت اچھا گایا۔ اور اس کے باموقع الفاظ تو دل میں اترتے چلے گئے......"

پھر کچھ رک کر بولی:۔

"...... میرے نہیں، ثمرانہ کے......!"

تبسم اور کامران ہنسنے لگے اور ثمرانہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

اب وہ اس ماحول سے مانوس ہو چکی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت جو اس پر گھبراہٹ طاری تھی، اور نیلما کے پے در پے حملوں سے جو وہ حواس باختہ ہو گئی

تھی، اب اس نے اس پر قابو پا لیا تھا۔ اب وہ بھی تھوڑا بہت مسکرانے کی ہمت کر رہی تھی۔ کامرآن نے اس کی تبدیلی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ اب پوری طرح سمجھ گئے تھے کہ ثمرآنہ جو اس سے بچتی ہے وہ صرف شرم کی وجہ سے۔

انہوں نے سوچا :۔

میں کیوں نہ اس وقت سے فائدہ اٹھاؤں اور ثمرآنہ سے بات چیت کر دوں۔ روز یہ مواقع کب آتے ہیں۔ نیلما اور تبسّم تو ویسے ہی میری ہمراز ہیں۔ مجھے کوئی ایسی ویسی بات تو کرنی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا ہوں اس کی جھجک ذرا کم ہو جائے۔ پھر تفریحوں میں اصل لطف آ جائے گا۔ اس کی شرم سارا مزہ کرکرا کر دیتی ہے۔ اس کو اپنی جھجک تھوڑی سی کم کر دینی چاہیئے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں اس سے الگ تھلگ رہنا چھوڑ دوں۔ اور کبھی کبھار اس سے بات کر لیا کروں۔ بزرگوں کی موجودگی میں تو یہ جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ تبسّم اور نیلما کی موجودگی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ اس کی جھجک کم ہو جائے گی۔ پھر اس کا تو امکان ہو گا کہ اگر کبھی تنہائی میں دو چار منٹ کو بات کرنے کا موقع ملے گا تو یہ جواب تو دے دے گی۔ ورنہ وہ دو چار منٹ ان کے شرمانے لجانے میں ختم ہو جائیں گے اور ہم مُنہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ بھئی اس لڑکی کی حد سے زیادہ شرم نے تو کمال کر دیا ہے۔ میں نے تو کبھی آج تک کسی کو اتنا شرماتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ .... مگر اس کی شرم کس قدر پیاری ہے۔ جب شرم سے اس کا چہرہ گلابی ہو جاتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ ...... اس تصوّر سے ہی کامرآن مسکرانے لگے۔

نیلما بولی :۔

"کیوں بھائی جان! نظروں ہی نظروں میں ایسی کون سی بات ہو گئی جو آپ اتنا مسکرا رہے ہیں؟"

کامرآن بیباکی سے بولے :۔

"ہم نظروں کی گفتگو کے قائل نہیں ہیں، ہم تو زبانی بات چیت کے قائل ہیں!"

نیلما بولی :۔

"ماشاء اللہ، بہت نیک خیالات ہیں، کیجیے بسم اللہ۔ ۔ ۔ ۔"

کامران بولے :۔

"بسم اللہ تو ہم کرلیں، لیکن ثمرآنہ سے ڈر لگتا ہے کہیں ناراض نہ ہوجائیں اور شاید اب بھی ناراض ہیں!"

ثمرآنہ نے جو اس بیباکی سے اپنا نام کامران کے مُنہ سے سُنا تو اس کا چہرہ فق ہوگیا۔

نیلما بولی :۔

"بھئی ناراض کیوں ہونے لگیں۔ آپ خود ہی ان سے پوچھ لیجیے کہ یہ آپ سے ناراض تو نہیں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ لوگ بھی خوب ہیں۔ یعنی گفتگو کرنا بھی میں آپ کو سکھاؤں۔ بھئی آپ دونوں باتیں کیجیے۔ ہم دونوں کان بند کیے لیتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر دونوں کانوں میں انگلی رکھ کر سیٹ پر سر ٹیک کر بیٹھ گئی۔ کامران ثمرآنہ سے مخاطب ہوکر مسکرا کر بولے :۔

"کیوں ثمرآنہ، پہلے میں نیلما کی ہی کہی ہوئی بات تم سے پوچھ لوں۔ تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو ؟"

ثمرآنہ سر جھکائے ہوئے ساکت بیٹھی رہی ـــــ نیلما اور تبسم مسکراتی رہیں۔

کامران مُنہ اس کے ذرا قریب کرکے اور آہستہ سے مسکراتے ہوئے بولے :

"بھئی ایسے تو کام نہیں چلے گا۔ اگر تم ناراض رہیں تو میں ابھی یہیں کسی کھائی میں چھلانگ لگا دوں گا۔ بتاؤ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو"

ثمرآنہ نظریں نیچے کیے ہوئے بولی :۔

"جی نہیں!"

اس کے چہرے پر گلابی رنگ کی ایک لہر آئی اور چلی گئی۔

نیلما نے کچھ بولنے کے لیے سر اُٹھایا لیکن تبسم نے اس کا بازو پکڑ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ نیلما نے مسکراتے ہوئے بمشکل اپنی زبان کو قابو میں رکھا۔ تبسم بھی ان لوگوں کو بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھیں۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے بھائی کا دل ذرا بھی میلا ہو۔ ثمرانہ کی شرم اور ان لوگوں کی آپس میں بات چیت نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ ان دونوں بہنوں نے آج یہ پہلے سے طے کر لیا تھا کہ ثمرانہ کو آگے بٹھا دیں گی اور ان لوگوں کو بات چیت کا پورا موقع دیں گی۔

نیلما سے پھر صبر نہیں ہوا اور بولی :-

"بھائی جان! آپ تو پھر چُپ ہو گئے۔ باتیں کیجیے نا، ہم لوگوں کو بالکل نہیں معلوم کہ ثمرانہ آپ سے ناراض نہیں ہیں!"

ثمرانہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

کامران بولے :-

"اب کفر تو ٹوٹ ہی گیا ہے۔ اب تو کبھی کبھی مجھ سے بات کر لیا کرو گی!"

ثمرانہ خاموش بیٹھی رہی۔

نیلما بولی ——— "ہاں ثمرانہ، شاباش، جواب دیئے جاؤ!"

ثمرانہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ کامران اور تبسم بھی ہنسنے لگے۔

کامران بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ یہ موسم، یہ فضا، یہ قرب انہیں مدہوش کئے دے رہا تھا۔ وہ ثمرانہ کی طرف جھک کر سرگوشیوں میں بولے :-

"ثمرانہ! جواب دو نا! آئندہ بھی میری اس جرأت پر تم ناراض تو نہیں ہو گی!"

ثمرانہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آہستہ سے کہا ——— "جی نہیں!"

ثمرانہ کی زبان سے نکلے ہوئے دو لفظ سُن کر ہی کامران کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بادشاہت مل گئی ہو۔ وہ آج خوشی سے پھُولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ آج اپنے

آپ کو دُنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہے تھے۔ آج ان کو اپنی ثمرآنہ کی طرف سے کوئی جواب تو ملا تھا..... ورنہ انہوں نے تو ہمیشہ اس کی زبان سے ایسے ہی جُملے سُنے تھے ـــــ "ہائے اللہ" ـــــ "کوئی دیکھ لے گا" ـــــ کوئی آجائے گا"......

آج نہ کسی کے دیکھنے کا ڈر تھا اور نہ کسی کے آنے کا۔ وہ دل ہی دل میں اپنی بہنوں کو دُعائیں دے رہے تھے۔ جنہوں نے یہ موقع فراہم کیا تھا۔ آج وہ اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ آج ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسی طرح کی بے مقصد باتیں کرتے رہیں اور ثمرآنہ اسی طرح مسکرا کر، شرما کر آہستہ آہستہ جواب دیتی رہے..... زندگی کتنی حسین ہے..... اس کا احساس تو مجھے آج ہوا۔ دُنیا بھی کسی جنّت سے کم نہیں۔

تبسّم اور ثمرآنہ سیٹ سے سر ٹکائے ہوئے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھیں، یہ کامرآن نے دیکھ لیا تھا۔

کامرآن نے جُھک کر ثمرآنہ کے کان میں کہا:۔

"ثمرآنہ! زندگی کتنی حسین ہے!"

ثمرآنہ بولی ـــــ "جی" ـــــ!

کامرآن اس کی اس معصوم سی "جی" پر مسکرا دیئے!

پھر کامران سرگوشیوں میں بولے:۔

"ثمرانہ! یہ سفر کتنا حسین ہے ہمیشہ یاد رہے گا۔ کیا ہم لوگ زندگی کے سفر میں بھی اسی طرح ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے!"

ثمرآنہ نے مسکرا کر شرما کر سر جھکا لیا ـــــ نیلما آنکھیں بند کئے کئے بولی:۔

"بھائی جان! آنکھیں کھول لوں! بند کئے کئے آنکھوں میں درد ہونے لگا۔ جی چاہ رہا ہے کہ باہر قدرت کے حُسن کا میں بھی نظارہ کر لوں..... اجازت ہے آپ دونوں کی؟"

ثمرآنہ مسکرانے لگی۔ کامران کھسیانے ہو کر بولے:۔

"تم سے آنکھیں بند کرنے کو کس نے کہا تھا، تم ضرور قدرت کے حُسن کا نظارہ کرو!"

نیلما مسکرا کر بولی:۔

"مشکل تو یہ ہے کہ قدرت کا حُسن تو ہر جگہ بکھرا پڑا ہے، میں گاڑی سے باہر جھانک کر دیکھوں، یا قدرت کا حسین شاہکار جو آپ کے برابر میں ہے اس کو دیکھوں۔ جب میں باہر دیکھنے کے لئے نظریں اُٹھاتی ہوں تو اس شاہکار پر نظریں ٹھہر جاتی ہیں اور پھر میں موازنہ کرتی ہوں کہ باہر کا منظر زیادہ حسین ہے یا یہ سبز کپڑوں میں چھپی ہوئی ثمرآنہ بھابی!...... اور مجھے جواب میں ہر طرف سے آوازیں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں .... ثمرآنہ...... ثمرآنہ...... ثمرآنہ......"

ثمرآنہ شرماتی مسکراتی ہوئی بولی:۔

"نیلما! کیوں مجھے اتنا شرمندہ کر رہی ہو!"

نیلما بولی:۔

"بھئی اس میں شرمندہ کرنے کی کیا بات ہے، تم نے اپنی شکل آج آئینے میں دیکھی ہے؟ اگر نہیں دیکھی تو دیکھ لو!"

اور اس نے کار کے آئینے کا رُخ ثمرآنہ کی طرف کر دیا۔

ثمرآنہ نے ایک نظر آئینے پر ڈالی اور شرما کر گردن جُھکا لی۔

نیلما قہقہہ لگاتے ہوئے بولی:۔

"اچھا...... آپ آئینے سے بھی شرماتی ہیں، یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا۔ بھئی منگیتروں سے شرماتے ہوئے تو ہم نے سب کو دیکھا ہے، مگر آئینے سے شرماتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا...... واہ ثمرآنہ واہ...... تم بھی خوب چیز ہو...... اور تمہاری شرم تو بس...... واللہ جواب نہیں ہے!"

ثمرآنہ بے چاری عجیب مشکل میں پھنسی ہوئی تھی۔ شرم پر قابو پانا اس کے اپنے اختیار

میں نہیں تھا اور نیلما اس کی شرم پر ہی برابر چوٹ کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔
اللہ میاں نے سب کے حصّے کی شرم مجھ کو ہی کیوں دے دی۔ یہ نیلما میرا کتنا مذاق اڑا رہی ہے۔ ہائے اللہ کیا کروں!

تبسّم بولیں:۔

"بھائی جان! آپ بہت خاموش ہو گئے۔ کیا بات ہے، کوئی بات ناگوار ہوئی ہے؟"

کامران مسکرا کر بولے:۔

"مجھے آج کیا بات ناگوار ہو سکتی ہے۔ مجھے تو آج دُنیا جہان کی دولت مل گئی ہے چڑھائی زیادہ ہے۔ میں راستے کے پیچ و خم میں اُلجھا ہُوا ہوں!"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک گہری اور شوخ نظر ثمرآنہ پر ڈالی اور پھر سامنے راستے پر نظریں جما دیں۔

اور ثمرآنہ شرما کر چھوئی موئی بن گئی۔

راستہ بہت پُرخطر ہو گیا تھا۔ ایک طرف گھنے جنگلوں والے اونچے اونچے پہاڑ تھے دوسری طرف بڑے بڑے کھڈ اور گہری کھائیاں تھیں۔

تینوں بہت دلچسپی سے راستے کو دیکھ رہی تھیں۔ نتھیا گلی اب قریب آ گیا تھا۔ اوپر پہاڑ پر اکّا دکّا مکان نظر آنے لگے تھے۔ بادلوں کے قافلے کے قافلے چلے آ رہے تھے اور گاڑی کے شیشوں سے ٹکرا جاتے تھے۔ کچھ شوخ بادل گاڑی کے اندر بھی اِس طرح گھُس آتے تھے، جیسے بن بُلائے مہمان!

تینوں لڑکیاں بادلوں کی اِس آنکھ مچولی سے بہت محظوظ ہو رہی تھیں، منزل قریب آ گئی تھی۔

کامران ثمرآنہ کی طرف جھک کر آہستہ سے بولے:۔

"اب تو کوئی اجنبیت یا ناراضگی نہیں ہے.....؟"

ثمرآنہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا اور آہستہ سے کہا:۔ "جی نہیں!"

نتھیا گلی آگیا تھا۔ یہ لوگ سیدھے ہوٹل پہنچے۔ وہاں سب لوگ اُن کے منتظر تھے۔ ثمرآنہ کو بے حد شرم آرہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ امّی وغیرہ مجھے اس طرح آگے بیٹھا ہوا دیکھ کر کیا سوچیں گی۔ یہ نیلماؔ نے کتنا بُرا کیا' مجھے آگے بیٹھا کر۔ میں چاہتی تھی کہ پہنچنے سے کچھ دیر پہلے ہی پیچھے بیٹھ جاؤں مگر جب میں نے پیچھے بیٹھنے کا نام لیا۔ سب کا مُنہ بن جاتا تھا۔ کامرانؔ بھی بُرا مان جاتے تھے۔ کامرانؔ کا نام ذہن میں آتے ہی اس کے چہرے پر شرم کی لکیر دوڑ گئی ..... اگر میں دوبارہ پیچھے بیٹھنے کو کہتی تو کامرانؔ کا پھر موڈ خراب ہوجاتا۔ خدا خدا کر کے تو ان کا مُوڈ ٹھیک ہُوا تھا۔ ہنس بول رہے تھے۔ ورنہ پھر خاموش ہوجاتے .... مجھ سے ان کی خاموشی نہیں دیکھی جاتی۔ میرا جی چاہتا ہے وہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں۔ ان کو خاموش اور رنجیدہ دیکھ کر میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔

جیسے ہی گاڑی رُکی، ثمرآنہ سب سے پہلے جلدی سے گاڑی میں سے اُتر گئی اور گاڑی کی آڑ میں ہوگئی تاکہ کوئی اور نہ دیکھ لے۔

نیلماؔ اور تبسّم بھی اُتر گئی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں کہ کسی نے اس کو دیکھا بھی ہے یا نہیں۔ دیکھنے والوں نے اس کو آگے سے اُترتے ہوئے دیکھ لیا تھا .... خُرّم کھڑے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

وہ شرمندہ شرمندہ سی نظریں نیچے کئے ہوئے تبسّم اور نیلماؔ کے ساتھ مل کر سامان اتروانے لگی۔

نیلماؔ نے مسکرا کر ثمرآنہ کے کان میں کہا:۔

"اب تو بھائی جان کے ساتھ آگے بیٹھنے پر ناراض نہیں ہو..... میں نے ٹھیک کہا تھا نا!"

ثمرآنہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا!

نتھیا گلی پہنچ کر ہر ایک خوش تھا۔ اور اپنے اندر نئی امنگ محسوس کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سلیم صاحب کا خاندان بھی ان دنوں یہیں آیا ہوا ہے اور وہ لوگ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔

سلیم صاحب نوید احمد کے پرانے دوستوں میں سے تھے۔ ان کی لڑکیاں سحر اور کرن، نیلما اور تبسم کے ساتھ کی تھیں۔ اس لئے یہ لوگ بہت خوش تھیں۔ اب ان کی چھٹیاں اور بھی اچھی گزرنے کا امکان تھا۔

شام کو سب ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ بزرگ حضرات گفتگو میں مصروف تھے۔ لڑکیاں ایک طرف بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ اگلے دن کی تفریحوں کے پروگرام بنائے جا رہے تھے کامران اور خرم بزرگوں کے پاس بہت سنجیدگی سے بیٹھے ہوئے ان کی گفتگو میں شریک تھے کامران کبھی کبھی نظر اٹھا کر ثمرآنہ کی طرف دیکھ لیتے تھے۔

نوید احمد نے لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"لڑکیوں! کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ آؤ ادھر آؤ۔ کل کی سیر کا پروگرام میں بتا ؤں! ہوں!"

سب لڑکیاں قریب آ کر کرسیوں پر ادب سے بیٹھ گئیں۔

نوید احمد بولے:۔

"بھئی۔ ہم بڈھے لوگ یعنی میں، نعمان میاں اور سلیم صاحب۔ تو صبح سویرے ہی چہل قدمی کو نکل جائیں گے۔ ہم لوگ لالہ زار پر جائیں گے۔ عورتیں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ہم یہیں بیٹھ کر باتیں کریں گی۔۔۔۔۔۔"

پھر مسکرا کر عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:۔

ان عورتوں کی تو باتوں سے زیادہ اچھی تفریح کہیں نہیں ہوتی۔ تم سب لوگ صبح ناشتہ سے فارغ ہونے میں ہی آٹھ بجا دو گے۔ تم لوگ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے لالہ زار کے لئے روانہ ہو جانا۔ تم لوگوں کی روانگی کا وقت یہ عورتیں نوٹ کر لیں گی سب ساتھ ایک وقت پر روانہ ہونا۔ اوپر ہم لوگ تمہارے منتظر ہوں گے جو سب سے پہلے پہنچے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔۔۔۔۔ کیوں بھئی۔ تم لوگوں کو منظور ہے۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا:۔

"جی ہاں۔۔ بہت اچھی تجویز ہے۔ ہمیں بہت خوشی سے منظور ہے!"

نعمان احمد بولے:۔

"تم میں سے کون چلنے میں زیادہ تیز ہے۔ کس کے جیتنے کی امید ہے؟"

تبسم بولیں:۔

"بھائی جان بہت تیز ہیں۔ یہی انعام لیں گے!"

نیلما نے کہا:۔

"واہ! میں کیا کسی سے کم ہوں۔ دیکھیے گا انشاء اللہ انعام میں لوں گی۔"

ثمرانہ بولیں:۔

"بھئی۔ ہم لوگوں کا جیتنا تو بہت مشکل ہے۔ میرا خیال ہے کہ خرم بھیا جیت جائیں گے"

نوید احمد نے کہا:۔

"اچھا کل دیکھیں گے، کون کتنا تیز ہے؟"

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ سب لوگ کھانے کے لئے اُٹھ گئے۔ کھانے کے بعد سلیم صاحب وغیرہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عمرانہ بیگم اور حمیدہ بیگم کی باتوں کا تو سلسلہ ختم ہوتا ہی نہیں تھا۔ نہ معلوم کہاں کہاں کی باتیں تھیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔

لڑکیاں ایک کمرے میں تھیں اور اپنے اپنے بستروں میں لیٹی ہوئی ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ لڑکیاں لالہ زار پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ سوچ رہی تھیں، وہ لڑکوں کو شکست دینا چاہتی تھیں۔ نیلما بہت جوش میں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ضرور سب کو ہرا دے گی۔ یہی منصوبے بناتے بناتے سو گئیں۔

صبح مرد حضرات تو ناشتے سے فارغ ہو کر سویرے ہی لالہ زار کی طرف چلے گئے تھے۔ ٹھیک سوا آٹھ بجے لڑکے اور لڑکیاں ایک جگہ جمع ہو گئے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے، ہر ایک نے اپنے دل میں کوئی نہ کوئی چھوٹا راستہ سوچ رکھا تھا کسی کا خیال تھا کہ چھوٹے راستے سے جانا چاہیئے۔ کسی کا خیال تھا کہ راستہ صاف ہونا چاہیئے خواہ لمبا ہو۔ صاف راستے پر تیزی سے چڑھا جاتا ہے۔ اپنے اپنے راستوں کے متعلق کوئی دُوسرے کو نہیں بتا رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے حمیدہ بیگم نے کہا:۔

"ساڑھے آٹھ بج گئے۔ اب تم لوگ اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔۔۔۔۔ خدا حافظ!"

لڑکے اور لڑکیاں سب مختلف راستوں پر تیزی سے روانہ ہو گئے، عورتیں اپنی باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

لڑکے لڑکیاں مختلف راستوں پر بکھرے ہوئے تھے، سبز جھاڑیوں میں سے جگہ جگہ لڑکیوں کے رنگ برنگے کپڑے چمکتے ہوئے ایسے لگ رہے تھے، جیسے بہار آئی ہوئی ہو اور سبز پتّوں کے درمیان مختلف رنگ کے پھول کھلے ہوں، ہر ایک چڑھنے میں ایک دُوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مڑ مڑ کر سب ایک

دُوسرے کو دیکھتے جاتے تھے، کوئی سیدھے راستے پر جا رہا تھا، کوئی اونچے نیچے راستوں پر سے چڑھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ رفتہ رفتہ سب ایک دُوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔

ثمرانہ کے خیال میں سیدھا راستہ زیادہ طویل تھا۔ اِس لیے اس نے چھوٹے مگر ناہموار راستے پر جانا پسند کیا۔ لیکن یہ فیصلہ کرتے وقت اس نے اپنی نزاکت کو مدِ نظر نہیں رکھا۔ یہ اس کو خیال ہی نہیں آیا کہ وہ اتنے اونچے نیچے راستے پر بغیر کسی سہارے کے نہیں چڑھ سکتی تھی۔ وہ بہت جلدی ہی تھک گئی۔ لیکن ہمّت نہیں ہاری۔ اور چڑھتی ہی رہی۔ لیکن کچھ دُور جا کر اب راستہ زیادہ ناہموار ہو گیا تھا۔ اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھنا اس کے بس سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ آخر کو وہ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔

اُف۔ کتنا تھک گئی ہوں ...... ابھی تو نہ معلوم کتنا راستہ باقی ہے ..... میں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔ ان اونچے اونچے پتھروں پر میں کیسے چڑھ سکوں گی۔ یہاں سے واپس جا کر پھر سیدھے راستے پر آ جاؤں ..... مگر اس طرح تو مجھے دو گنا راستہ چلنا پڑے گا۔ میں سب سے پیچھے رہ جاؤں گی۔ سب سے پیچھے تو اب بھی رہ جاؤں گی۔ سب لوگ تیزی سے چڑھ رہے ہوں گے اور میں یہاں بیٹھی ہوں ..... میں نے بہت غلطی کی جو اِس راستے پر آ گئی ..... اپنے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا ہے ...... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے ...... ہائے اللہ یہ میں نے کیا کیا؟ ...... انعام جیتنے کا تو سوال ہی نہیں ..... مجھے تو اپنا اوپر پہنچنا بھی مشکل نظر آ رہا ہے ...... کیا میں واپس چلی جاؤں۔ اگر واپس چلی گئی تو پورا دن اکیلے بیٹھ کر بور ہونا پڑے گا ...... سب لوگ تفریح کریں گے اور میں اکیلی رہوں گی ... اتنا میرا خیال کس کو ہو گا جو آ کر مجھ کو لے جائے ...... اور پھر کسی کو کیا معلوم کہ میں واپس آ گئی ہوں ..... اگر میں اوپر نہ پہنچی تو ابو جان وغیرہ پریشان ہو جائیں گے

..... ہائے اللہ میں کیا کروں ....؟

کامران کو انعام جیتنے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ انہوں نے سوچا تھا کہ ثمرانہ سے تنہائی میں بات کرنے کا آج سے زیادہ اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ سب لوگ تو انعام کی فکر میں تیز تیز چڑھ جائیں گے۔ میں اسی راستے سے جاؤں گا جس طرف سے ثمرانہ جائے گی.. .... جان بوجھ کر پیچھے رہ جاؤں گا۔ جب سب لوگ نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اس وقت میں ثمرانہ کے پاس پہنچ جاؤں گا...... کامران نے اپنے اسی ارادے پر عمل کیا۔ سب لوگ تو مختلف راستوں پر تتر بتر ہو گئے۔ جس طرف ثمرانہ گئی تھی، کامران بھی اسی طرف چلنے لگے۔ وہ دانستہ آہستہ چل رہے تھے، کبھی کبھی اپنا راستہ ذرا سا بدل بھی دیتے تھے۔ کبھی جھاڑیوں کی آڑ میں چھپ جاتے تھے۔ اِس خیال سے کہ ثمرانہ نہ دیکھ لے اکثر وہ اس سے چھپنے کی کوشش میں اس سے کافی دور بھی ہو جاتے تھے ——

——————— اور وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ جب وہ ایک بڑی جھاڑی کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھنے لگے تو ثمرانہ ان کو کہیں نہیں نظر آئی...... انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، وہ فکر مند ہو گئے۔ ڈھونڈتے ہوئے انہوں نے اپنا رُخ بدل دیا...... وہ سمجھے کہ شاید ثمرانہ دوسری طرف مڑ گئی ہے، لیکن ثمرانہ تو پتھر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، کیسے جائے، اس کو جھاڑی کے پیچھے آسمانی قمیص کی جھلک سی نظر آئی...... یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ نیلما کا قمیص دو پٹہ آسمانی تھا وہ یہی سمجھی کہ نیلما ہے۔ لیکن وہ نیلا دھبہ تو مخالف سمت میں تیز تیز جا رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ منہ کے گرد رکھ کر پوری طاقت سے چلانا شروع کیا۔ نیلما..... نیلما........

اس نے سوچا کہ اگر اس وقت یہ سہارا بھی چلا گیا تو اوپر جانے کی کوئی امید نہیں رہ جائے گی۔ کامران نے آواز سنی اور رُک گئے۔ وہ ثمرانہ کی آواز پہچان گئے، اور سمجھ

گئے تھے کہ ثمرآنہ مشکل میں پھنس گئی ہے، اور وہ اب اوپر نہیں چڑھ سکتی۔ انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ آخر ان کو ثمرآنہ نظر آ گئی جو اپنا رومال زور زور سے ہلا رہی تھی۔

کامرآن تیز تیز چلتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔ جب کامرآن ذرا جھاڑیوں کی اوٹ میں سے سامنے آئے تو اس نے دیکھا کہ وہ تو نیلما کے بجائے کامران ہیں، وہ اب اور بھی گھبرا گئی، یک نہ شد دو شد۔ اُس نے سوچا..... میں تو پہلے ہی اُلجھن میں تھی، یہ مشکل اور آن پڑی..... ہائے اللہ اب کیا کروں..... ان سے کیسے کہوں کہ واپس چلے جائیں...... اگر یہ بھی واپس چلے گئے تو میں پھر اکیلی رہ جاؤں گی...... میں پھر کیسے جاؤں گی..... مجھ میں تو اب اکیلے واپس جانے کی بھی ہمت نہیں ہے...... وہ اس صورتِ حال پر سخت پریشان ہو گئی۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ تھک ہار کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں کہ کامرآن آ بھی رہے ہیں یا نہیں، وہ تو اب عجیب مخمصے میں پھنس گئی تھی۔

کامرآن بہت خوش خوش سیٹی بجاتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کی تو مرادیں بر آئی تھیں۔ اور پھر انہیں ثمرآنہ نے خود بلایا تھا۔ وہ تو آج خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

ثمرآنہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کامرآن نے قریب جا کر جھک کر کہا:۔

"بندہ آداب بجا لاتا ہے!"

ثمرآنہ شرمندہ سی اور جھینپی ہوئی سی نظریں نیچی کیے ہوئے بیٹھی رہی۔

کامرآن بولے:۔

"حضور نے مجھے یاد فرمایا تھا، میں حاضر ہو گیا ہوں، میرے لائق کوئی خدمت؟"

ثمرآنہ کا عجیب حال تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب دے۔ وہ شرم اور شرمندگی سے پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔

کامران نے پھر کہا:۔

"بھئی یہ عتاب کیسا؟ تم نے خود ہی تو مجھے آوازیں دے کر بلایا ہے اور اب مجھ سے بات بھی نہیں کر رہیں!"

یہ کہتے ہوئے وہ برابر والے پتھر پر بیٹھ گئے اور بولے:۔

"ہاں بھئی۔ اب بتاؤ، تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ کیا اوپر نہیں چڑھا جا رہا؟ یا اوپر جانے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا؟"

پھر ذرا رُک کر معنی خیز انداز میں بولے:۔

"بغیر سہارے کے اتنا لمبا سفر طے کرنا آسان نہیں ہے۔"

ثمرآنہ کی نظریں بدستور نیچے تھیں اور وہ ایک تنکے سے پتھر پر لکیریں بنائے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت بے حد نروس تھی۔ اس میں بات کرنے کی بالکل ہمّت نہیں تھی۔

کامرآن نے پھر کہا:۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو جو میری بات کا جواب بھی نہیں دے رہیں۔ یہ قدرت نے ہمیں کتنا حسین موقع دیا ہے ایک دوسرے سے ملنے کا، اور اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھانا ناشکری ہے۔"

ان کے اس جملے سے ثمرآنہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کو روکنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن کامران نے دیکھ لیا تھا۔

کامرآن مسکراتے ہوئے شرارت سے بولے:۔

"تم نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم مجھ سے باتیں کرو گی، تم مجھ سے مدد مانگو گی اور میں تمہیں اپنا سہارا پیش کر دوں گا۔ اور ہم لوگ باتیں کرتے ہوئے ایک دُوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے اوپر چڑھتے چلے جائیں گے۔ پھر اپنی منزل پالیں گے ..... اپنی معراج پالیں گے!"

ثمرآنہ کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ شرم کے تاثرات بھی آ گئے تھے، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کامرآن نے کہا:۔

"ثمرانہ! اس وقت تمہاری یہ خاموشی بہت ناگوار گزر رہی ہے، دیکھو تو یہ ہر طرف چھایا ہوا سبزہ، اس میں جا بجا کھلے ہوئے رنگ برنگے پھول، یہ اونچی نیچی پہاڑیاں، بادلوں کی آنکھ مچولی، یہ سرگوشیاں کرتی ہوئی ہلکی ہلکی ہوائیں..... کس قدر رومانٹک ماحول ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ..... آج ہماری باتیں سننے والا کوئی نہیں ہے.... آج ہم ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں بخوشی سن سکتے ہیں، کچھ تم کہو، کچھ میں کہوں۔ کچھ میں تمہاری یاد میں بیقرار لمحوں کو تمہارے سامنے پیش کروں، کچھ تم اپنے دل کی دھڑکنوں کے فسانے سناؤ..... کچھ ہم اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلے کریں..... تمہاری یہ خاموشی میرے لئے سوہانِ روح ہو جاتی ہے...... ثمو رانی!"

کامرآن بہت جذباتی ہوئے جا رہے تھے۔

"جب تم مجھ سے بات نہیں کرتی ہو تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے، مجھے دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے مجھ سے میری کوئی عزیز شئے چھینی جا رہی ہے۔ مجھے ہر چیز میں بے کیفی نظر آتی ہے، تمہاری طرف سے طرح طرح کی غلط فہمیاں دل میں جنم لینے لگتی ہیں..... خدارا بات تو کرو...... ورنہ میں ہمیشہ کی طرح یہی سمجھنے لگوں گا کہ تمہارا جو رویّہ یہاں آتے وقت گاڑی میں تھا وہ سب دھوکہ تھا..... فریب تھا.... تم مجھے اور میری بہنوں کو دھوکہ دیتی رہیں..... تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بے حد جذباتی ہو گئے اور ان کی آواز رُندھ گئی۔ ثمرآنہ نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں اور ایک اُچٹتی ہوئی نظر کامرآن پر ڈالتے ہوئے گھبرائے ہوئے

لہجے میں بولی :-

" ہائے اللہ، ایسا نہ کہیے۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

اور اسی لمحے ان دونوں کی نظروں کا پیارا سا تصادم ہو گیا۔

کامرآن کچھ مطمئن ہوتے ہوئے بولے :-

" پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کہوں۔ تمہارے رویئے سے کیا سمجھوں۔ تمہاری اس وقت کی اس خاموشی سے کیا مطلب نکالوں!"

ثمر آنہ اب اپنے شرم اور گھبراہٹ کے جذبات پر کسی حد تک قابو پا چکی تھی۔ پھر وہ نظریں نیچے کئے ہوئے آہستہ سے بولی :-

" غلط فہمیوں کو دل میں جگہ نہ دیجئے۔ بعض دفعہ ایسے حادثات بھی ہو جاتے ہیں۔ جس وقت انسان میں بولنے کی اور اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی!"

کامرآن مسکراتے ہوئے بولے :-

" اب تو جذبات کا اظہار کرنے کی قوت آگئی ہے نا!"

ثمر آنہ نے مسکرا کر گردن نیچے جھکالی۔

کامرآن پھر بولے :-

" اس وقت ایسی کونسی بات ہو گئی تھی جو تمہاری بات کرنے کی قوت سلب ہو گئی تھی۔ میں نے تو ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور اس وقت یہ ڈر بھی نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی دیکھ رہا ہوگا۔ ایسے موقع زندگی میں بار بار نہیں آتے۔"

ثمر آنہ گردن نیچے کئے ہوئے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی :-

" میں نے اپنے حساب سے تو چھوٹے راستے کا انتخاب کیا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ اس راستے سے میں سب سے پہلے پہنچ جاؤں گی!"

کامرآن مسکرا کر بولے :-

"اور ہوا اس کے برعکس۔ اب آپ سب سے آخر میں پہنچیں گی!"

ثمرآنہ بولی :۔

"اب تو یہی نظر آرہا ہے۔ میں بہت تھک گئی تھی۔ پھر یہاں تو اتنی اونچی اونچی چٹانیں آگئیں کہ مجھے اپنا چڑھنا ہی ممکن نہیں نظر آرہا تھا۔ میں تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ پہلے میں نے سوچا کہ واپس چلی جاؤں اور سیدھے راستے سے اوپر جاؤں۔ کبھی خیال آیا کہ امی کے پاس واپس چلی جاؤں۔ اوپر جانے کا ارادہ ہی ترک کر دوں۔ لیکن تھک اتنی گئی تھی، کہ کسی بات کی ہمت ہی نہیں رہی۔ اور پھر مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ میں یہاں اکیلی رہ گئی تھی سب لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے دور سے آسمانی کپڑوں کی جھلک دیکھی۔ میں سمجھی نیلما ہے......."

پھر اس نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا۔

کامران شرارت سے بولے :۔

"بہانہ کیوں بناتی ہو۔ صاف کہو کہ مجھے بلانا چاہتی تھیں۔"

ثمرآنہ لجاجت سے بولی :۔

"ہائے اللہ، نہیں۔ میں نے تو نیلما کو آواز دی تھی!"

کامران بولے :۔

"کیا یہ زیادہ اچھا نہیں ہوا کہ اس وقت نیلما کے بجائے میں تھا۔"

ثمرآنہ نظریں نیچے کئے ہوئے مسکراتی رہی۔

کامران اب مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولے :۔

"ثمرآنہ! ہم دونوں کو جس بندھن میں باندھا جانے والا ہے۔ کیا تم اس سے خوش ہو؟ یہ سب تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا ہے؟"

ثمرآنہ کا یہ سنتے ہی چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں

سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔

کامرآن اس کی اِس ادا کا لطف لیتے رہے اور وہ مسکراتے ہوئے اسے مسلسل دیکھ رہے تھے۔

پھر ثمرآنہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی :۔

" اب میں اوپر جاتی ہوں۔ تھکن اتر گئی ہے۔ سب لوگ پہنچ گئے ہوں گے۔ اور ہم لوگ اب تک نہیں پہنچے۔ سب کیا سوچیں گے۔"

کامرآن بولے :۔

" بھئی ثمرآنہ ! یہ باتیں چھوڑو۔ لوگ اوپر پہنچ گئے ہوں گے تو پہنچنے دو۔ قدرت کے اس انعام سے مُنہ نہ موڑو۔ میں پھر کہتا ہوں۔ یہ موقعے بار بار نہیں آتے ہیں۔ یہ موقع کھو دینے کے بعد شائد تم بھی پچھتاؤ۔"

پھر کامرآن نے گنگنانا شروع کر دیا :۔

" کچھ اپنی کہئے ، کچھ میری سُنئے "

ثمرآنہ بدستور کھڑی رہی اور بولی :۔

" نہیں، میں اب یہاں نہیں ٹھہروں گی۔ میں تو اب جاؤں گی۔"

کامرآن جذباتی انداز سے بولے :۔

" راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ بغیر کسی سہارے کے یہ طویل سفر مکمل نہیں ہُوا کرتے"

ثمرآنہ ان کی باتوں کی گہرائی کو خوب سمجھ رہی تھی۔ لیکن انجان بنی رہی، پھر بولی :۔

" بہت دیر ہو گئی ہے، مجھے جانے دیجئے !"

کامرآن اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بہت جذباتی انداز میں بولے :۔

" یوں اس طرح نہ جاؤ ! ـــــــ ابھی تو کچھ کہا نہیں، ابھی تو کچھ سُنا نہیں"

پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے اس کی طرف بڑھے اور بہت خوشامد سے بولے :۔

"ثمرانہ! کیا تم میری التجا پر کچھ دیر اور نہیں ٹھہر سکتیں ؟"

ثمرانہ کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ کامران اس طرح اس کی طرف ہاتھ ہی بڑھا دیں گے اس نے گھبرا کر جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لئے اور پھر سے پتھر پر بیٹھ گئی، اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی :۔

"لیجئے میں بیٹھ گئی !"

کامران مسکراتے ہوئے اس کے برابر والے پتھر پر بیٹھنے لگے۔

ثمرانہ کھسک کر ایک طرف کو ہونے لگی اور گھبرا کر بولی :۔

"اس پتھر پر نہ بیٹھئے ....."

ایک ذرا دُور والے پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی :۔

"..... اُس پر بیٹھ جائیے !"

کامران مسکراتے ہوئے دوسرے پتھر پر بیٹھ گئے، اور بولے :۔

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے ..... میں تم کو ناراض نہیں کرنا چاہتا اور نہ تمہارا اعتماد کھونا چاہتا ہوں جو تم مجھ پر کرتی ہو۔ میں تم سے دُور ہی بیٹھا رہوں گا ....."

پھر بہت جذباتی لہجے میں بولے :۔

"تم میرے سامنے بیٹھی ہو، میرے لئے یہی کیا کم ہے۔ لیکن ایک دُوسرے کا ہاتھ تھام لینا تو ہمیشہ ساتھ رہنے کا پیمان ہے ..... مجھ سے کسی گری ہوئی حرکت کی امید نہ رکھنا، تم تو میری زندگی ہو ثمو رانی ......!"

وہ ایک دم خاموش ہو گئے۔ وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے ـــــ ثمرانہ خاموشی سے بیٹھی ہوئی ان کی باتیں سنتی رہی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر کامران بولے :-

" ثمرانہ! میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں۔ بعض دفعہ تمہاری شرم کی وجہ سے مجھے غلط فہمیاں ہوئیں (پھر مسکراتے ہوئے) تمہاری یہ شرم بہت پیاری ہے مگر کبھی کبھی بہت تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے۔ میں تمہاری زبان سے اقرار سننا چاہتا ہوں....."

پھر بہت اُداس لہجے میں بولے :-

"...... اور اگر تمہاری مرضی نہیں ہے تو بھی بتا دُو۔ میں تم پر جبر نہیں کروں گا۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ہر قیمت پر خوش رکھوں گا۔ اگر تمہاری خوشیاں مجھ سے دُور رہنے میں ہیں تو بخدا مجھے یہ بھی منظور ہے۔"

ثمرآنہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان باتوں کا کیا جواب دے، وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ بھلا یہ باتیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ لڑکیوں سے یوں پوچھی جائیں۔ یہ کامرآن کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں جواب دوں تو مشکل ہے نہ دوں تو مشکل۔ کہتے ہیں شرم نہ کرو۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایسی بات کا میں کیسے جواب دے دوں۔ اللہ، میں کس مشکل میں پھنس گئی۔

کامرآن نے ثمرآنہ کو خاموش دیکھا تو پھر بولے :-

" کیا مجھے جواب دینا بھی پسند نہیں کرو گی۔ میرا خیال ہے کہ تم اس وقت شدید کشمکش میں مبتلا ہو۔ ایک طرف میری محبت تمہارے پیر پکڑ رہی ہے اور دُوسری طرف تم انکار کرنا چاہتی ہو!"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :-

" ہائے اللہ! یہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟"

کامرآن سنجیدگی سے بولے :-

" کیسی باتیں کیا۔ میں تو بالکل ٹھیک باتیں کر رہا ہوں۔ میرا اندازہ تو یہی ہے کہ تم

مجھے پسند نہیں کرتیں!"

ثمرآنہ پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی:۔

"یہ آپ سے کس نے کہا؟"

کامرآن بولے:۔

"مجھ سے کون کہے گا یہ باتیں۔ تمہارا رویّہ بتا رہا ہے۔"

ثمرآنہ اُداسی سے بولی:۔

"میرے رویّے میں آپ نے ایسی کون سی بات دیکھی؟"

کامرآن بولے:۔

"صاف تو ظاہر ہے۔ میں تم سے اپنی بات کا صاف جواب سننا چاہتا ہوں۔ میں یہ بالکل نہیں چاہتا کہ گول مول الفاظ میں بات کی جائے۔ اور پھر کسی غلط فہمی کا امکان ہو.... ثمرآنہ! یہ زندگیوں کے سودے یوں نہیں ہُوا کرتے۔ ذرا سی ہاں یا نہ، زندگی کا پانسہ ہی پلٹ دیتی ہے۔ نیلماتم سے ذکر کر چکی ہے۔ اور اس عرصے میں تم نے خوب اچھی طرح سوچ لیا ہوگا۔ اور اب تک کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہو گی۔ یہ دو زندگیوں کا سوال ہے...... اس وقت میں اور تم یہاں پر تنہا ہیں۔ کوئی ہماری گفتگو نہیں سُن رہا ہے۔ اس وقت خدا کے لئے ثمرآنہ شرم نہ کرو اور جواب دے دو!"

ثمرآنہ کا شرم سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپاتے ہوئے بولی:۔

"ہائے اللہ، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں کیسے جواب دوں!"

کامرآن کو اس کے شرمانے کی یہ ادا بہت پیاری لگی۔ اس کے ہر انداز سے اس کی چاہت اور اقرار ظاہر ہو رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اسے تنگ کر کے اپنے سامنے صاف الفاظ میں "ہاں" کروانا چاہتے تھے۔ وہ اس کی جھجک کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

پھر کامران بولے :۔

"تمہارے جواب نہ دینے سے میں سمجھ لوں کہ تمہیں انکار ہے؟ تمہاری خاموشی مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کر رہی ہے۔"

ثمرانہ سر جھکائے ہوئے بہت ہمت کر کے گھبرا کر بولی :۔

"ہائے اللہ، یہ میں نے کب کہا ہے۔ خاموشی انکار کی علامت تو نہیں سمجھی جاتی؟"

کامران مسکرائے اور بولے :۔

"پھر بتاؤ ثمو رانی ــــــ میں کیا سمجھوں؟"

وہ ان کے اس طرح بے باکی سے ثمو رانی کہنے پر ایک مرتبہ پھر شرما گئی ــــ وہ مسکرا کر بولی :۔

"بس جو خاموشی سے مطلب نکلتا ہو وہی سمجھ لیجیے!"

کامران مسکرا کر بولے :۔

"اگر میں تمہاری بات مانوں تو خاموشی سے نیم رضا کا مطلب نکلتا ہے۔"

ثمرانہ سر جھکائے ہوئے بولی :۔

"مگر میں بالکل خاموش تو نہیں ہوں۔ کچھ میں نے اپنی مرضی کا اظہار کر دیا ہے۔ بقیہ مطلب آپ خاموشی سے نکال لیجیے!"

اور یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ کر اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔ وہ اس وقت شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کی کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ آج اس نے کتنی بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا...... وہ سوچ رہی تھی...... کامران بھی کتنے ضدّی ہیں۔ مجھ سے ایسی باتیں کہلوانا چاہتے ہیں۔ ہائے اللہ کیسی بُری بات ہے۔ توبہ توبہ!

اور کامران کی تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت خوشی سے شرمائی

ہوئی ثمرآنہ گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے ان کو بے حد پیاری لگ رہی تھی اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس خوشی میں کیا کریں۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ اس کو بانہوں میں جکڑ لیں....

..... لیکن وہ تو ہاتھ تک چھونے کی روادار نہیں ہے۔ وہ تو بالکل قریب بھی نہیں آنے دیتی۔"

ثمرآنہ اسی طرح گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے بیٹھی رہی ــــ اس خاموشی سے اُکتا کر کامرآن بولے :۔

" بھئی، اس قدر بدذوقی کا ثبوت تو نہ دو۔ اتنا پیارا موسم، اتنی حسین جگہ اور تم ان سب چیزوں سے بے نیاز بیٹھی ہو۔ کچھ تو باتیں کرو۔"

ثمرآنہ بدستور اسی طرح بیٹھی رہی۔

پھر کامران بولے :۔

" سر تو اونچا کرو، میں اتنا بدصورت تو نہیں ہوں کہ تم میری صورت تک دیکھنا گوارا نہیں کر رہیں۔ تم اگر میری صورت نہیں دیکھنا چاہتیں تو نہ دیکھو، مگر مجھے تو اپنی صورت دیکھنے دو۔"

ثمرآنہ نے ذرا سا سر اونچا کیا اور بولی :۔

" اب چلئے اوپر چلیں۔ سب لوگ پہنچ چکے ہوں گے۔ نہ معلوم کون جیتا ہوگا۔ ہم لوگ تو بالکل ہی پیچھے رہ گئے۔"

کامرآن مسکرا کر بولے :۔

" مجھے اس مقابلے میں ہارنے کا بالکل افسوس نہیں ہے۔ خدا کرے روز ایسے مقابلے ہوا کریں اور میں اسی طرح ہارتا رہوں۔ ثمورانی! میری یہ ہار ہی تو میری زندگی کی سب سے بڑی جیت بن گئی ہے۔ نہ آج یہ مقابلہ ہوتا اور نہ آج مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملتی!"

ثمرآنہ کامرآن کی بات اَن سُنی کرتے ہوئے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی :۔

" چلئے، بہت دیر ہو گئی ہے!"

کامران اُٹھتے ہوئے بولے :۔

"تمہیں ہمارے ساتھ بیٹھنا منظور نہیں ہے تو چلتے ہیں، ورنہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں اور تم اسی طرح پتھروں پر بیٹھے رہیں۔ اور زندگی یوں ہی گزر جائے۔"

ثمرانہ جھینپ گئی۔

دونوں نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔

راستہ بہت ناہموار تھا۔ دو چار قدم ہی چل کر اونچے اونچے پتھر سامنے آگئے ثمرانہ کے لئے ان پر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ ان ہی پتھروں کی وجہ سے تو وہ ہمّت ہار گئی تھی اور اسی ہار کے بدلے میں آج اسے اپنے شرم و حجاب کو بالائے طاق رکھنا پڑا تھا۔ اب وہ پتھروں کو دیکھ کر پھر گھبرا گئی اور بولی :۔

"ہائے اللہ، یہ اونچے اونچے پتھر پھر آگئے، میں ان پر کیسے چڑھوں گی!"

کامران اپنا ہاتھ بڑھا کر مسکرا کر بولے :۔

"میرا ہاتھ تھام لو، پھر کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ یہ ناہموار راستے تمہارے لئے کوئی رُکاوٹ نہیں پیدا کر سکیں گے۔"

ثمرانہ نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لئے اور بولی :۔

"نہیں، میں خود چڑھ جاؤں گی!"

کامران کود کر ایک پتھر پر چڑھ گئے اور مسکرا کر بولے :۔

"اگر آپ خود چڑھ سکتی ہیں تو بہت شوق سے چڑھئے۔"

ثمرانہ چڑھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن یہ کام اس کے بس کا تھا ہی نہیں۔

کامران پھر بولے :۔

"بغیر کسی سہارے کے یہ ناہموار راستے طے کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے جب زندگی بھر کے لئے تم نے میرا ہاتھ تھامنے کا ارادہ کیا ہے تو اس وقت ہاتھ پکڑنے سے انکار کیوں

کر رہی ہو ؟"

ثمرانہ بڑی کش مکش میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ وہ کسی بھی طرح کامران کا ہاتھ نہیں پکڑنا چاہتی تھی۔ لیکن اس وقت بغیر ہاتھ پکڑے کام بھی نہیں چل سکتا تھا اتنے اونچے اونچے پتھروں پر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ واپس چلی جائے۔ یہ سوچ کر وہ بولی :۔

"میں آگے نہیں جاتی۔ میں واپس امی کے پاس چلی جاتی ہوں۔"

کامران بولے :۔

"اپنی ذرا سی ضد کے پیچھے دن بھر کی تفریح کیوں خراب کرتی ہو۔ وہاں سب لوگ پہنچ چکے ہوں گے اور ہمارے منتظر ہوں گے۔ تمہارا اس وقت واپس جانا غلط ہوگا۔ پھر تمہیں سب لوگ ڈھونڈھنے کے لئے نکل جائیں گے اور میں کچھ بتا نہیں سکوں گا!"

پھر کچھ رُک کر بولے :۔

"اگر تم اجازت دو گی تو میں بتا بھی دوں گا"۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ بس اب ضد چھوڑ دو۔ میرے اوپر بھروسہ کرو۔ میں اتنا بُرا نہیں ہوں، جتنا تم مجھے سمجھ کر ڈر رہی ہو۔۔۔۔۔۔ آؤ میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر آجاؤ!"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور ثمرانہ نے جھجکتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کامران مسکرانے لگے۔ اور وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی ہوئی چڑھنے لگی۔

جب وہ پتھر پر چڑھ چکی تو اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

کامران بولے :۔

"بھئی اتنی خود غرض نہ بنو۔ اپنا مطلب نکل گیا تو تم نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا لیا!"

ثمرانہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ نظریں جھکائے ہوئے چلتی رہی۔ جب کوئی اونچی جگہ آجاتی تو کامران اپنا ہاتھ بڑھا دیتے اور وہ شرماتے جھجکتے ہوئے ان کا ہاتھ

تھام لیتی۔ اور چڑھنے کے بعد پھر چھوڑ دیتی۔

کامرآن کہنے لگے :۔

"ثمرآنہ! آج جی چاہ رہا ہے کہ یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو۔ ہم دونوں اسی طرح چلتے رہیں"

ثمرآنہ خاموش رہی۔

کامرآن پھر بولے :۔

"آج میں اس قدر خوش ہوں ثمو رانی، کہ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔ آج میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ آج کا دن میری زندگی کا یادگار دن ہوگا۔ آج تم نے مجھے خوشیوں کے جو خزانے بخشے ہیں اس کا احسان زندگی بھر نہ اتار سکوں گا۔ تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے، ورنہ میں تو بہت ہی مایوس ہو چکا تھا۔ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ خوشیاں اب کبھی میرے در پر نہ آئیں گی اور آج میں کتنا خوش ہوں ——— کس قدر خوش ——— ثمو! کیا تم بھی خوش ہو؟

ثمرآنہ خاموشی سے چلتی رہی۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں تھی کہ اس بات کا کیا جواب دے۔ یہ دن تو اس کی زندگی کا بھی یادگار دن ہوگا۔ آج وہ بھی تو خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی، مگر کامرآن سے وہ کیسے کہہ دے کہ تمہاری خوشیوں میں میں بھی برابر کی شریک ہوں۔

کامرآن پھر بولے :۔

"کیوں ثمرآنہ، کیا تم خوش نہیں ہو؟"

ثمرآنہ نے بہت ہمّت کر کے جواب دیا :۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ خوش ہوں اور میں نہ ہوں۔"

ثمرآنہ کے اس جواب سے کامرآن خوشی سے جھوم گئے۔

لالہ زار کی چڑھائی اب ختم ہو رہی تھی۔ وہ لوگ اب اوپر پہنچنے ہی والے تھے۔

ثمرانہ بولی :-

"اب تو ہم لوگ اوپر تک آ گئے ہیں۔ سب ہمارے منتظر ہوں گے۔ میں آپ کے ساتھ تو اس طرح سب کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ آپ اب دُوسرے راستے پر چلے جائیے، اور ذرا چکّر کاٹ کر میرے پہنچنے کے کچھ دیر بعد اوپر پہنچیے گا۔ مقابلے میں تو ہار ہی چکے ہیں۔"

کامران بولے :-

"واہ، ساتھ جانے میں کیا ہے۔ جب زندگی بھر ساتھ رہنا ہے تو اِس وقت ساتھ کیوں نہ ہوں۔"

ثمرانہ ہنستے ہوئے بولی :-

"ہائے اللہ، نہیں۔ پلیز! آپ کسی اور راستے سے چلے جائیے۔ وہاں ابّوجان، اور خالوجان وغیرہ سب ہوں گے۔ سب لوگ کیا سوچیں گے!"

کامران بولے :-

"ان کے سوچنے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ایک چھ فٹ کا آدمی کہاں رہ گیا۔ مقابلہ جیتنے کے بجائے اب تک نہیں پہنچ سکا...... خیر تم کہتی ہو تو میں دُوسرے راستے سے پہنچ جاؤں گا۔ اور کچھ بہانہ بھی بنا دوں گا۔ بھلا میں اپنی ثمورانی کو ناخوش کیسے کر سکتا ہوں۔ دل تو نہیں چاہتا ہے۔ لیکن تمہارا کہنا نہیں ٹال سکتا۔"

یہ کہہ کر کامراؔن دُوسرے راستے کی طرف مُڑ گئے۔ اور ثمراؔنہ آہستہ آہستہ چڑھنے لگی۔ وہاں سب لوگ ان دونوں کے منتظر تھے۔ خرّمؔ سب سے پہلے پہنچے تھے۔ اس لئے انعام کے حقدار وہ ہوئے۔ لیکن نیلماؔ بھی بہت محنت سے ان کے فوراً ہی بعد پہنچ گئی تھی اس لئے ایک اسپیشل پرائز اس کو دینا بھی قرار پایا۔

نعمانؔ احمد بولے :-

"بھئی یہ کامراؔن اور ثمراؔنہ کہاں رہ گئے۔ اب تک نہیں پہنچے۔ کامراؔن کو تو سب سے

پہلے پہنچنا چاہیے تھا۔ ہاں ثمرآنہ کا پیچھے رہ جانا کوئی تعجب نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ لوگ راستہ بھول گئے ہوں۔"

خرّم بولے :۔

"کامران بھائی سے تو یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ راستہ بھول جائیں گے۔ لیکن ثمرآنہ کی طرف سے فکر ہے۔ وہ کہیں راستہ نہ بھول گئی ہو، وہ کس طرف سے چڑھ رہی تھی۔ کسی نے دیکھا ہے ؟"

نیلما مسکرا کر بولی :۔

"بھئی اس میں اِس قدر فکر کی کیا بات ہے۔ وہ کوئی بچہ تو ہے نہیں، جو راستہ بھول جائے گی ......"

یہ کہہ کر سب لڑکیاں آپس میں کھُسر پھُسر کر کے ہنسنے لگیں۔

تبسّم بولیں :۔

"بھئی تم لوگ ہنس رہی ہو، مجھے بھی فکر ہو رہی ہے کہ یہ دونوں کہاں ہیں !"

نیلما چہک کر بولی :۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اِس قدر فکر کی کیا بات ہے۔ دونوں غائب ہیں، یہ تو خوشی کی بات ہے، کہیں بیٹھے راز و نیاز میں مصروف ہوں گے۔"

تبسّم سنجیدگی سے بولیں :۔

"ہر وقت مذاق نہیں اچھا لگتا۔ وہ دونوں تو ایک دُوسرے کی بالکل مخالف سمت میں چڑھ رہے تھے۔"

نیلما ہنس کر بولی :۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے، مخالف سمت میں چڑھتے چڑھتے موافق سمت میں بھی تو ہو سکتے ہیں !"

تبسم بولیں :۔ "تم کو تو ہر وقت ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں!"

نیلما بولی :۔

"باجی، میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ دونوں ساتھ ہی ہوں گے۔ کیوں سحر تمہارا کیا خیال ہے؟"

سحر مسکرا کر بولی :۔

"بھئی، میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن دونوں کو ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ ورنہ اب تک غائب ہونے کا کیا مطلب ہے۔"

یہاں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ثمرآنہ سامنے سے آتی ہوئی نظر آئی ـــ وہ جھکی جھکی نظریں، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی وہاں تک پہنچ گئی۔ وہ اس قدر جھینپ رہی تھی کہ اس کی نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ دل میں چور جو تھا، ورنہ دیر میں پہنچنا تو کوئی ایسی بات نہیں تھی۔

ثمرآنہ کے پہنچتے ہی سب نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"کہاں رہ گئی تھیں؟ کامران کہاں ہیں؟"

ثمرآنہ نے نیچے سر جھکائے ہوئے جواب دیا :۔

"میں نے جس طرف سے چڑھنا شروع کیا تھا، وہاں کا راستہ ناہموار تھا۔ چڑھنا مشکل ہو گیا بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچی ہوں"

نیلما بولی :۔

"اور ہمارے بھائی جان کہاں ہیں"

اس نے بدستور سر جھکائے ہوئے آہستہ سے جواب دیا :۔

"مجھے کیا معلوم!"

نیلما مسکرا کر بولی :۔

"اچھا تو یعنی آپ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ہمارے بھائی جان کہاں ہیں!"

ثمرانہ گھبرا گئی۔ وہ سمجھی کہ شاید ان میں سے کسی نے ہم دونوں کو ساتھ دیکھ لیا ہے۔
اس نے گھبرا کر نیلما کی طرف دیکھا اور بولی :-

"مجھے کچھ نہیں معلوم ......"

پھر لڑکیاں اس کو گھیرے میں لے کر ایک طرف چلی گئیں۔ کہنے لگیں :-

"چلو ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھیں گے"۔

ثمرانہ بولی :-

"مجھ سے کیا پوچھو گی۔ میں کچھ نہیں جانتی"

وہ لوگ ایک طرف کو گھاس پر بیٹھ گئیں۔

نیلما بولی :-

"ہاں تو ثمرانہ ! اب بتاؤ کہ ہمارے بھائی جان کو کہاں چھوڑ آئیں ؟"

ثمرانہ تبسم سے مخاطب ہو کر بولی :-

"دیکھیے تو تبسم باجی نیلما کو ...... !"

تبسم کے بولنے سے پہلے ہی نیلما بولی :-

"ہاں باجی، مجھے دیکھیے، میں کتنی خوبصورت ہوں !"

اس پر سب ہنسنے لگیں۔

تبسم بولیں :- "بھئی نیلما، ثمرانہ کو تنگ نہ کرو۔ بیچاری تھکی ہوئی ہے، اور پھر تم پریشان کر رہی ہو۔"

نیلما بولی :-

"کیوں کیا ہم نہیں تھکے ہیں۔ سب برابر ہی چڑھے ہیں اور میں نے تو انعام بھی جیتا ہے !"

ثمرانہ کے اوپر پہنچتے ہی جو پے در پے حملے ہوئے وہ ان سے اس قدر گھبرا گئی تھی کہ اس کو یہ پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا کہ انعام کس کو ملا ہے۔ نیلما کے کہنے سے اس کو خیال

آیا تو وہ بولی :۔

"اچھا نیلما۔ انعام کس کو ملا ہے۔"

نیلما بولی :۔ "ہم کیوں بتائیں۔"

ثمرآنہ سحر سے مخاطب ہوئی :۔

"کیوں سحر، نیلما کو انعام ملا ہے، کیا چیز ہے؟"

سحر بولی :۔

"ابھی انعام تو کسی کو نہیں ملا۔ صرف اعلان ہوا ہے۔ خرّم بھائی سب سے پہلے پہنچے تھے۔ ایک انعام ان کو ملا ہے۔ لیکن نیلما نے بھی بہت ہمّت کی اور ان کے ذرا ہی بعد پہنچی ہیں۔ اِس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ ایک انعام ان کو بھی ملے گا۔"

ثمرآنہ کو اس وقت اپنے پیچھے رہ جانے کا افسوس ہوا۔

کامران اب تک نہیں پہنچے تھے، اب نیلما وغیرہ کی رائے کچھ کچھ بدلتی جا رہی تھی۔ پہلے جو ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ دونوں ساتھ تھے کامران کے نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ لوگ اب سوچ رہی تھیں کہ وہ کسی اور طرف نکل گئے۔ لیکن ثمرآنہ کا بار بار شرمانا جھینپنا اور کھسیانہ پن اِس بات کی دلیل معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کامران کے ساتھ ہی تھی۔

بزرگ حضرات ایک طرف بنچوں پر بیٹھے ہوئے محوِ گفتگو تھے۔

کچھ دیر بعد ان لوگوں نے دیکھا کہ پچھلی طرف سے کامران بہت آہستہ آہستہ آرہے ہیں جب وہ احاطے میں آگئے تو ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ لنگڑا رہے تھے۔ ایک جوتا ہاتھ میں تھا اور پیر پر رومال بندھا ہوا تھا۔

سب لڑکیاں دوڑ کر ان کے پاس گئیں ــــــ سب ہی پریشان ہو گئی تھیں۔

تبسّم بولی :۔

"ہائے اللہ، بھائی جان یہ کیا ہوا آپ کے پیر میں!"

یہ کہہ کر وہ ان کا پیر دیکھنے کے لئے آگے بڑھی۔

کامران وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور تکلیف سے کراہتے ہوئے بولے:۔

"ارے میرے قریب نہ آنا۔ پیر میں بہت سخت تکلیف ہے ..... ارے کیا بتاؤں ..... اُف ...... بہت درد ہے۔"

نیلما گھبرا کر بولی:۔

"ہائے اللہ، پیر میں ہُوا کیا ہے!"

کامران درد سے کراہتے ہوئے بولے:۔

"ایک اونچے سے پتھر پر چڑھنے کی کوشش میں بار بار جُوتے کی وجہ سے پھسل جاتا تھا۔ میں پھر جُوتا اتار کر اس پتھر پر چڑھنے لگا..... اُف..... چڑھ تو گیا۔ مگر اوپر کوئی چیز میرے پیر میں بُری طرح چبھ گئی۔ نہ معلوم کیا تھا۔"

تبسم بولیں:۔

"کوئی کانٹا ہوگا۔"

کامران درد کی شدّت سے بے چین ہوتے ہوئے بولے:۔

"ہاں شاید کانٹا تھا۔ بڑے ہی زہریلے قسم کا...... اُف بڑی تکلیف ہے۔"

تبسم پھر آگے بڑھی اور بولی:۔

"دکھایئے تو۔ کیا خون بھی نکلا تھا!"

کامران بولے:۔

"ہاں بھئی۔ خون بھی نکلا تھا۔ ارے بہت تکلیف ہے، چھونا نہیں!"

ثمرانہ وہاں اکیلی بیٹھی رہ گئی تھی۔ وہ بھی کامران کی تکلیف سے پریشان تو تھی لیکن اُٹھ کر نہیں جا سکتی تھی۔ تھوڑی بہت بات تو اس کے کان میں پڑ چکی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ میں نے تو ان کو صاف راستے پر چھوڑا تھا۔ ہم لوگ تو تھوڑی ہی دُور رہ گئے تھے

جب وہ الگ ہوئے تھے۔ وہاں تو کوئی بھی اونچا پتھر نہیں تھا۔ نہ معلوم کیا چیز چبھ گئی۔ بزرگ حضرات بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ کامران کسی کو چھونے نہیں دیتے تھے اور درد کی شدت سے مسلسل کراہ رہے تھے۔

نوید احمد بولے :۔

" بھئی انہیں کسی طرح پکڑ کر بنچ پر تو بٹھاؤ پھر کوئی ترکیب کرتے ہیں۔"

ایک طرف سے خرم نے اور دوسری طرف سے تبسم نے پکڑ کر ان کو بمشکل بنچ پر بٹھایا۔

نعمان احمد بولے :۔

" اب کیا کیا جائے۔ یہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان کے پیر میں لگائی جائے۔"

نوید احمد بولے :۔

" ہم لوگوں کو تو اب نیچے جانا ہی ہے۔ ہم نیچے چلتے ہیں۔ یہ سب لوگ یہیں ٹھہریں، پھر نیچے سے ہم لوگ کسی نوکر کے ہاتھ فرسٹ ایڈ باکس بھیجے دیتے ہیں۔"

خرم بولے :۔

" اس وقت نوکر کون خالی ہوگا جو لے کر آئے۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، اور جلدی سے لے کر آتا ہوں۔"

پھر لڑکیوں سے بولے :۔

" بھئی ان کا خیال رکھنا۔ میں ابھی جلدی سے دوائیں لے کر آتا ہوں۔"

نوید احمد، نعمان احمد، سلیم صاحب اور خرم چاروں نیچے جانے کے لئے روانہ ہوگئے۔

لڑکیاں سوچ رہی تھیں کہ آج تو ہم لوگوں کا ارادہ تھا کہ دوپہر تک یہاں خوب اودھم مچائیں گے، مگر کامران کی تکلیف سے اب پریشانی ہوگئی۔ وہ سب چپ چپ بیٹھی تھیں۔

ثمرآنہ بدستور ایک طرف کو اکیلی بیٹھی تھی۔

نیلما پھر بولی:۔

"بھائی جان دکھائیے تو کانٹا کہاں چبھا ہے۔ میں آہستہ سے دیکھ لوں گی!"

کامران خلاف اُمید مسکرا کر بولے:۔

"کیا کرو گی دیکھ کر......!"

ان کے مسکرانے پر سب کو تعجب ہوا ـــــــ نیلما بولی:۔

"واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ لائیے دکھائیے۔"

کامران مسکراتے ہوئے بولے:۔

"اچھا ٹھہرو، میں خود ہی دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے بہت اطمینان سے پیر پر سے رومال کھولا اور پیر نیلما کے آگے کر دیا۔

سب لڑکیاں دیکھنے کے لئے آگے کو جھکیں ـــــــ تبسم بولیں:۔

"کہاں ہے کانٹا۔ مجھے تو کوئی نشان نہیں نظر آرہا!"

کامران مسکرا کر بولے:۔

"ارے تمہیں اتنا بڑا کانٹا نہیں نظر آرہا؟"

سب اور جھک گئیں۔

"کہاں؟ مجھے تو کچھ بھی نہیں نظر آرہا۔"

کامران مسکراتے ہوئے کچھ دُور بیٹھی ہوئی ثمرآنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے:۔

"ارے کانٹا تو وہ ہے۔ تمہیں اتنا بڑا کانٹا نہیں نظر آیا۔ وہی کانٹا تو میرے پیروں سے اُلجھ گیا تھا۔"

ثمرآنہ نے گھبرا کر کامران کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

نیلما معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی اور ٹھٹھہ لگا کر بولی :-

"دیکھا باجی! میں نہ کہتی تھی۔ میرا ہی کہنا صحیح ہُوا نا!"

تبسّم بولیں :-

"ارے یہ تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہے ہیں۔ بھلا ثمرانہ کا کیا قصور؟ یہ خود ہی کہیں گھومنے نکل گئے ہوں گے۔ ثمرانہ کو بلاوجہ بیچ میں گھسیٹ رہے ہیں۔"

کامران بولے :-

"بھئی، اگر میں جھوٹ بولوں تو چور کی سزا وہ میری۔ میں تو اچھا خاصا اپنے راستے پر چلا جا رہا تھا کہ (ثمرانہ کی طرف اشارہ کرکے) انہوں نے مجھے آوازیں دینی شروع کر دیں پہلے تو میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر یہ نظر آئیں۔ یہ ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے بلا رہی تھیں۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ میں کتنا نیک سیدھا سادا شریف اور فرمانبردار ہوں۔ میں نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی، اور اپنا راستہ کھوٹا کرکے ان کے پاس پہنچا تو یہ بولیں کہ آؤ باتیں کریں۔ میں بے چارا بھولا بھالا اِن سے باتیں کرنے بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ہی کہا کہ بھئی چلو، بہت باتیں کر چکیں تو یہ بولیں کہ اب مجھے اس پتھر پر چڑھا دو۔ میں نے انہیں پتھر پر چڑھا دیا۔ پھر یہ بولیں کہ اب میرے ساتھ ساتھ چلو۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پھر جب یہ اوپر پہنچ گئیں تو مجھ سے بولیں کہ میرا راستہ چھوڑ دو۔ تم دُوسرے راستے سے جاؤ۔ میں ناچار دُوسرے راستے پر روانہ ہو گیا۔ پھر تم تو جانتی ہی ہو کہ دوسرا راستہ اختیار کرنے کے لئے مجھے کتنا چلنا پڑا ہو گا۔ تھک گیا تھا۔ اس لئے پیر میں رومال باندھ کر لنگڑا کر چلنے لگا۔"

ثمرانہ بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس کو کامران پر بہت غصّہ آ رہا تھا۔ اسے بالکل امید نہیں تھی کہ کامران اس طرح سب کے سامنے بھانڈا پھوڑ دیں گے۔ اور یہ سب لوگ تو میرا جینا دوبھر کر دیں گی۔

سب لڑکیاں کامران کی باتوں سے بہت محظوظ ہو رہی تھیں اور نیلما کی تو پوری بتیسی باہر

تھی ـــــ نیلما آنکھیں مٹکا کر بولی :۔

"باجی! اب بولیئے۔ آپ بڑی ثمرانہ کی طرف داری کر رہی تھیں۔ دیکھا آپ نے، کہ یہ بی ثمرانہ ہیں کن گنوں کی اور اب کیسی بھیگی بلی بنی بیٹھی ہیں۔"

تبسم بولیں :۔

"تم بھی بھائی جان کی باتوں میں آگئیں، تمہارا خیال ہے کہ یہ سب باتیں صحیح کہہ رہے ہیں!"

کامران جلدی سے بولے :۔

"تو تم لوگ یہ سب باتیں غلط سمجھ رہی ہو۔ اگر یقین نہ ہو تو ثمرانہ سے پوچھ لو کہ انہوں نے مجھے آواز دے کر نہیں بلایا تھا!"

ساری لڑکیاں ثمرانہ کے گرد جمع ہو گئیں

نیلما چہک کر بولی :۔

"اچھا ـــــ تو یہ بات ہے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ سیدھی طرح صاف صاف بتا دو اس کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر ہم نے تو اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ان کے گُن ایسے ہیں۔"

سحر بولی :۔

"بس بنو، اب سب تمہاری شرم کا بھرم کھُل گیا۔ اب خاموش رہنے سے کام نہیں چلے گا۔"

کرن نے لقمہ دیا :۔

"ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس معصوم صُورت کے پیچھے کیا کیا ہے۔"

ثمرانہ کا تو عجیب حال تھا۔ کاٹو تو جسم میں لہو نہیں۔ وہ خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کو کامران پر بہت ہی غصّہ آ رہا تھا ـــــ اور کامران بنچ پر بیٹھے ہوئے مسکرا مسکرا کر لڑکیوں کی باتوں کے مزے لے رہے تھے۔ انہیں ثمرانہ کی گھبراہٹ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ اس کو تنگ کر کے بہت خوش تھے۔

تبسّم بولیں :-

"بھئی بے چاری کو مت پریشان کرو۔ خواہ مخواہ اس کو ستا رہی ہو!"

نیلما بولی :-

"باجی! ہم بلا وجہ نہیں ان کو ستا رہے ہیں۔ آج تو ہم ان سے اس بات کا اقرار کروا کر چھوڑیں گے"۔

تبسّم بولیں :-

"اس بے چاری سے کیا اقرار کراؤ گی۔ تم تو بھائی جان کی باتوں کو سچ ہی سمجھ بیٹھیں!"

نیلما بولی :-

"سچ اور جھوٹ ہی کا تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہی تو ان سے پوچھ رہے ہیں!"

ثمرآنہ تو اب بالکل رونے کے قریب تھی۔

نیلما ثمرآنہ سے مخاطب ہوئی :-

"ہاں تو مہارانی! ٹھیک ٹھیک بتادو کہ کامرآن بھائی کو تم نے نہیں پکارا تھا؟"

ثمرآنہ نے بہت مشکل سے جواب دیا :-

"نہیں" ــــــــــــــــ اور گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔

نیلما پھر بولی :-

"اور یہ بھی بتادو کہ ان سے بات بھی نہیں کی!"

ثمرآنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

تبسّم نے نیلما کو ڈانٹا :-

"یہ کیا بد تمیزی ہے، اس کو رلا دیا!"

پھر ثمرآنہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کو چپ کرانے لگیں۔

کامرآن ثمرآنہ کو تنگ کرنا چاہتے تھے، مگر انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ثمرآنہ اس طرح

رو دے گی۔ اب انہیں اپنی حرکت پر افسوس ہو رہا تھا۔

کامرآن کھڑے ہوتے ہوئے بولے :۔

"چلو بھئی نیچے چلو۔ ورنہ خرّم ابھی فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتے ہوں گے۔ بیچارے کو اتنے اوپر چڑھنا پڑے گا!"

سب لڑکیاں کھڑی ہو گئیں۔ تبسّم نے ثمر آنہ کے آنسو پونچھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگیں۔

ثمر آنہ کے رونے سے فضا خاصی مکدّر ہو گئی تھی۔ سب خاموش خاموش چل رہے تھے۔ اس فضا کو بدلنا بھی کامرآن کا ہی کام تھا۔ وہ بولے :۔

"نیلما! تمہاری ثمر آنہ اتنے کمزور دل کی ہیں۔ یہ ذرا سا مذاق بھی نہیں برداشت کرتیں بھئی میں نے تو ویسے ہی کہا تھا۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ انہوں نے نہیں بلایا تھا میں مانے لیتا ہوں کہ میں نے ہی اِن کو بلایا تھا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ کیوں نیلما! اب تو تمہاری سہیلی خوش ہیں یا نہیں۔۔۔۔؟"

ثمر آنہ خاموشی سے چلتی رہی ـــــ تبسّم بولیں :۔

"بھائی جان! آپ بہت خراب ہیں۔ آپ نے بیچاری ثمر آنہ کو بہت تنگ کیا ہے۔"

کامرآن بولے :۔

"یہ اتنی جلدی روتی کیوں ہیں؟"

تبسّم بولیں :۔

"واہ! روئے بھی نا۔ آپ نے باتیں ہی ایسی کی تھیں۔ اس بے چاری پر اُلٹے سیدھے الزام لگائے تھے۔"

کامرآن بولے :۔

"الزام تو نہیں لگایا تھا۔ مگر اب اِن کی مرضی یہی ہے تو سارے الزام میں اپنے سر لیے

لیتا ہوں کہ میں نے ہی ان کو بلایا، میں نے ہی ان سے باتیں کیں، میں نے ہی ان سے کہا کہ مجھے اوپر چڑھا دو۔"

کامران کی اِس بات پر سب ہنس پڑے۔ ثمرانہ کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

دُور سے خرّم آتے ہوئے نظر آئے ــــ سب اُن کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس دیکھ کر ہنسنے لگے ــــ خرّم قریب آ کر بولے :۔

" ارے کامران بھائی۔ آپ تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں جلدی جلدی دوائیں لے کر آیا۔"

کامران بولے :۔

"کیا تمہارا خیال تھا کہ میں ساری عمر لنگڑا ہی رہوں گا!"

خرّم نے جواب دیا :۔

" خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ میں تو اِس لئے کہہ رہا ہوں کہ اُس وقت تو آپ سے درد کی وجہ سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا اور اب تو ماشاء اللہ ٹھیک معلوم ہو رہے ہیں!"

تبسّم بولیں :۔

"ارے چوٹ لگی ہی کب تھی۔ یہ تو ایسے ہی بہانہ کر کے اپنی قیمت بڑھا رہے تھے، سب دھوکے میں آ کر ان کے آگے پیچھے پھرنے لگے اور کسی نے یہ پوچھا ہی نہیں کہ حضرت وہ کہاں گئے تھے۔"

خرّم بولے :۔

"واہ کامران بھائی! آپ نے بھی خوب مذاق کیا۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا!"

لڑکیاں پھر کھسر پھسر میں مصروف ہو گئیں۔ کوئی کہتی تھی کہ کامران کا کہنا ٹھیک ہے۔ کوئی کہتی تھی کہ ثمرانہ بالکل بے قصور ہے۔ کامران صرف اس کو تنگ کرنے کو کہہ رہے ہیں" ــــ مگر اس کا جھجکنا، شرمانا، جھینپنا، ان کو شک میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان

لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ یہ راز کسی نہ کسی طرح ضرور معلوم کریں گے۔ الگ الگ ثمرآنہ اور کامرآن سے پوچھا جائے گا۔

ان ہی باتوں میں راستہ گزر گیا۔ اور یہ لوگ واپس اپنے ہوٹل پہنچ گئے!

نتھیا گلی میں سب کا وقت بہت اچھا گزر رہا تھا۔ دن بھر سب لوگ سیر سپاٹے کرتے رات کو بزرگ ایک کمرے میں بیٹھتے اور لڑکیاں ایک جگہ جمع ہوتیں۔ اکثر لڑکے بھی آ کر ان کے ہنسی مذاق میں شریک ہو جاتے۔ چھیڑ چھاڑ ہوتی، ہنسی مذاق ہوتے اور اسی کے درمیان منگنی کے کپڑوں کی سلائی بھی ہوتی۔ روز رات کو اگلے دن کے لئے پروگرام بنائے جاتے۔ دن بھر کبھی گھوڑوں کی سواری کی جاتی کبھی میلوں پیدل چلا جاتا۔ کبھی کسی جگہ پکنک منائی جاتی۔ دن بہت اچھے، مگر تیزی کے ساتھ گزر رہے تھے۔ سحر اور کرن کی وجہ سے تفریحوں میں اور بھی جان پڑ گئی تھی۔ سحر کی ثمرآنہ سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اور نیلما ہر وقت ساتھ ہی ساتھ رہتیں۔ کرن اور تبسّم کا ساتھ اچھا تھا۔ خرّم اور کامران اپنی تفریحوں میں مگن رہتے، لڑکیوں کو تنگ کرنے کے لئے ضرور ان کے ساتھ آ جاتے تھے۔ اکثر اس لپیٹ میں ثمرآنہ بھی آ جاتی۔ تفریحوں کے درمیان کبھی کبھار کامران کو تنہائی میں ثمرآنہ سے ایک آدھ بات کرنے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔

لڑکیاں اُس دن کامران اور ثمرآنہ کے دیر میں پہنچنے والی بات کی تہہ تک پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے الگ الگ ثمرآنہ اور کامران سے پوچھا۔ ثمرآنہ نے تو کبھی جواب نہیں دیا مگر کامران نے ان کو صحیح بات بتا دی تھی۔ وہ ثمرآنہ کو زیادہ تنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

لیکن لڑکیاں کہاں بخشنے والی تھیں۔ انہوں نے بے چاری ثمر آنہ کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ہر وقت اس کو چھیڑا جاتا اور کامران کے ساتھ آنے کا طعنہ دیا جاتا۔

حسبِ معمول رات کو لڑکیاں سب ایک کمرے میں جمع تھیں۔ ثمر آنہ کے دوپٹے پر گوٹہ ٹانکا جا رہا تھا۔ خرم اور کامران بھی وہیں موجود تھے۔

نیلما بولی:۔

"بھائی جان! آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے؟"

کامران بولے ـــــ "کون سا وعدہ ـــــ؟"

نیلما نے کہا:۔

"ارے اتنی جلدی بھول گئے۔ آپ نے پنڈی میں جو پکچر دکھانے کا کیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ واپس آکر دکھاؤں گا۔"

کامران بولے:۔

"ہاں بھئی، مجھے یاد ہے۔ اور میں ضرور یہاں سے جا کر تم لوگوں کو پکچر دکھاؤں گا۔"

سحر اور کرن بولیں:۔

"کیوں نیلما، یہ کیسا وعدہ تھا!"

نیلما بولی:۔

"ہم نے ایک خوشخبری بھائی جان کو سنائی تھی اور ان سے وعدہ لے لیا تھا کہ پکچر دکھانی پڑے گی۔ بھائی جان نے اس خوشخبری کی صداقت پر اعتبار نہیں کیا۔ اور کہنے لگے۔ جب تک اس بات کی میں خود تصدیق نہیں کر لوں گا۔ اس خبر پر یقین نہیں کروں گا۔ اور وہ خبر تو سو فیصدی ٹھیک تھی۔ اور اب تو بھائی جان نے بھی اس کی تصدیق کر لی ہے۔ اب ہماری پکچر پکی ہو گئی۔"

سحر بولی:۔

"بھئی ہمیں بھی تو بتاؤ، وہ کون سی خوشخبری تھی۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نعمان احمد نے خرم کو کسی کام کے لئے آواز دے کر بلایا
خرم چلے گئے۔

کرن نے کہا :۔ ـــــــ "ہاں بھئی نیلما، بتاؤ !"

نیلما کامران سے بولی :۔

"کیوں بھائی جان بتادوں ؟"

کامران ثمرانہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولے ـــــــ "بتادو !"

ثمرانہ ان سب باتوں سے بے تعلق بیٹھی ہوئی تھی وہ مطمئن تھی کہ اس بات میں
اس کا کوئی پیچ نہیں ہے۔

پھر نیلما ثمرانہ سے بولی :۔

"کیوں ثمرانہ، میں وہ خوشخبری بتادوں ۔ اگر تم اجازت دوگی تو بتاؤں گی، ورنہ نہیں !"

ثمرانہ اطمینان سے بولی :۔

"مجھے کیا معلوم کونسی خوشخبری ہے، بتادو !"

نیلما خوش ہو کر بولی :۔

"بس، بس، اب ثمرانہ کی اجازت مل گئی ہے۔ اب میں سب کو بتائے دیتی ہوں۔"

ثمرانہ گھبرا کر بولی :۔

"بھئی کون سی بات ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم !"

نیلما بہت اطمینان سے بولی :۔

"اطمینان رکھو۔ میں ابھی بتائے دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ سحر اور کرن سے مخاطب ہوئی :۔

"بھئی بات دراصل یہ تھی کہ بھیا منگنی کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے ..."

منگنی کا لفظ سنتے ہی ثمرانہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ اور اس وقت وہ سب

کے بیچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس لئے کچھ بول بھی نہیں سکی۔

نیلما پھر بولی :۔

" ہمارے بھیا کو اس سے انکار اس لئے تھا کہ ان کے خیال میں ثمرآنہ اس منگنی سے خوش نہیں ہیں، اور وہ بغیر ثمرآنہ کی مرضی معلوم کئے اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب اُس دن میں نے ثمرآنہ سے بات کی۔ اس کے تو دل میں لڈّو پھوٹ رہے تھے، جلدی سے چیخ کر بولی۔" اے واہ، میری مرضی کیوں نہ ہوتی۔ میرا بس چلے تو میں تو منگنی کے ساتھ ساتھ شادی بھی کروالوں!"

نیلما کی بات ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ثمرآنہ نے ایک گھونسہ نیلما کی پیٹھ پر مار کر کہا :۔

" یہ کیا اُلٹی سیدھی باتیں بک رہی ہو۔ مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔"

نیلما ثمرآنہ کی بات کو نظرانداز کرتی ہوئی بولی :۔

" ارے تم لوگ اس کی باتوں پر نہ جاؤ۔ یہ تو یونہی کہے گی ہی۔ تم میری بات سُنو۔"

سب ہنس کر بولیں :۔

" ہاں تو جلدی سناؤ!"

نیلما بولی :۔

" میں نے ثمرآنہ کی مرضی جا کر بھائی جان کو بتادی اور پکچر کی بات پکّی کرلی۔ مگر بھائی جان بولے کہ جب تک میں خود ثمرآنہ سے نہیں پوچھوں گا مجھ کو یقین نہیں آئے گا......"

ثمرآنہ غصّے میں اُٹھ کر جانے لگی اور نیلما سے بولی :۔

" میں تم سے نہیں بولتی"

نیلما نے جلدی سے اُٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور بولی :۔

" اس طرح بھاگنے سے کام نہیں چلے گا۔ بات میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ اور پوری بات تم کو بھی سُننی پڑے گی۔ ورنہ پکچر نہیں دیکھنے دوں گی!"

نیلما ثمرآنہ کا ہاتھ پکڑے رہی اور ثمرآنہ کو مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ لیکن وہ غصّے میں

بھری ہوئی منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

کامرآن کسی بات میں حصّہ نہیں لے رہے تھے۔ اور وہ مسکرا مسکرا کر نیلما کی شرارت اور ثمرآنہ کے غصّے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

نیلمآ پھر بولی:۔

"ہاں تو لوگو! ثمرآنہ میرے سامنے تو اقرار کر ہی چکی تھیں اور پھر اُس دن یہ بھائی جان سے بھی بذاتِ خود اقرار کر چکی ہیں۔ جس کے ثبوت کے طور پر لالہ زار و الا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ اب ہمارے بھائی جان کو ان کی محبت اور مرضی کا پکّا یقین ہو گیا ہے، اور اس خوشی میں اب پنڈی جا کر ایک عدد پکچر دیکھی جائے گی۔"

ثمرآنہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کرنؔ اور سحر سے بولی:۔

"تم لوگ اس کی باتوں پر یقین مت کرنا۔ ساری باتیں بالکل غلط ہیں۔"

نیلمآ چہک کر بولی:۔

"کیوں مجھے جھوٹا بنا رہی ہو۔ ساری باتیں غلط کیسے ہیں۔ ایک ایک بات صحیح ہے اچھا بتاؤ کیا تم اِس منگنی سے خوش نہیں ہو۔ یا تمہاری مرضی نہیں ہے؟"

ثمرآنہ خاموش بیٹھی رہی۔

نیلمآ پھر بولی:۔

"کیوں بی بنّو۔ اب کیا ہوا۔ اب کیوں خاموش ہو جواب دو نا؟"

پھر وہ تبسّم۔ سحر اور کرنؔ سے بولی:۔

"دیکھا تم لوگوں نے۔ اب خاموش بیٹھی ہیں۔ جیسے کچھ جانتی ہی نہیں ہیں۔ اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو پھر بولتی کیوں نہیں۔"......

......"ہاں تو ثمرانہ بی بی۔ بتا دو کہ تمہاری مرضی نہیں ہے...."

ثمرآنہ بدستور خاموش بیٹھی رہی۔

نیلما کھڑے ہوتے ہوئے بولی :۔

"بھئی ثمرآنہ کی بالکل مرضی نہیں ہے۔ اس لئے میں ابھی جا کر امّی کو منع کئے دیتی ہوں کہ منگنی ونگنی نہیں ہو گی۔"

ثمرآنہ جلدی سے گھبرا کر بولی :۔

"ہائے اللہ، میں نے کب کہا ہے!"

سب نے زور سے قہقہہ لگایا۔

نیلما بولی :۔

"دیکھا۔ اب سب کے سامنے میں نے اِن سے اقرار کروا لیا نا! مجھے ہی جھوٹا بنائے جا رہی تھیں۔ پہلے میرے سامنے اقرار کیا، پھر بھائی جان کے سامنے۔ اور اب تم سب کے سامنے۔ اب اگر اس نے زیادہ گڑبڑ کی تو میں امّی اور ابّو کے سامنے بھی اس سے کہلوا دوں گی!"

ثمرآنہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی :۔

"تم تو میری بات ہی پکڑ لیتی ہو۔" اور یہ کہہ کر دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر رونے لگی۔

سحر، کرن اور تبسّم، ثمرآنہ کو چپ کرانے لگیں۔ اور تبسّم برابر نیلما کو ڈانٹ رہی تھیں کہ تم اس کو بہت تنگ کرتی ہو!

ننھیا گی سے جانے کو کسی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اب بزرگوں کا اصرار تھا کہ واپس چلنا چاہیے۔ چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں۔ پنڈی جا کر منگنی کرنی تھی۔ اور اس کے انتظامات کے لئے بھی کچھ وقت درکار تھا۔ مجبوراً سب کو واپس آنے کے لئے راضی ہونا پڑا۔

سب رنجیدہ تھے۔ یہ تفریحیں سب کے دلوں پر ایسی نقش ہو گئی تھیں جو شاید زندگی بھر نہ فراموش کی جا سکیں۔ سب مجبوراً جا رہے تھے۔ ایک مدّت بعد سب اکٹھے ہوئے تھے۔ اب سب کے بچھڑنے کا وقت آ رہا تھا۔ اور نہ معلوم کب تک کے لئے بچھڑیں۔ ایسی صحبتیں پھر کہاں ملیں گی۔ عمرانہ بیگم کا منگنی کے فوراً بعد ہی کراچی جانے کا خیال تھا۔

سب اُداس اُداس سے واپس آ گئے۔ لیکن پنڈی پہنچ کر پھر رونقیں سمٹ آئیں جو اُداسی آتے وقت سب پر مسلّط ہو چکی تھی وہ ختم ہو گئی۔ گھر میں خوب ہنگامے اور گہما گہمی تھی۔ منگنی کی تیاریاں خُوب زور شور سے ہو رہی تھیں۔ ہر شخص اپنی جگہ مصروف اور خوش نظر آ رہا تھا۔ اِس منگنی سے سب ہی خوش تھے۔ ایسے خوشی کے مواقع شاذونادر ہی آتے ہیں۔ ثمرانہ اِن مصروفیتوں میں حصّہ نہیں لیتی تھی لیکن دل ہی دل میں خوش تھی۔

وہ آجکل اپنے کمرے سے نہیں نکلتی تھی۔ باپ، بھائی، خالو کے سامنے آتے ہوئے اسے شرم آتی تھی۔ اور پھر باہر نکلنے میں اس کو یہ خدشہ رہتا تھا کہ کہیں کامران سے سامنا نہ ہو جائے۔

وہ تو اس سے مکمل طور پر پردہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن حمیدہ بیگم اور نوید احمد ان فرسودہ رسموں کے بالکل قائل نہیں تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ثمرانہ پابند ہو کر رہ جائے۔

سب لڑکیاں کسی وقت بھی ثمرآنہ کو تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ ہر وقت اس کے کمرے میں جمگھٹا رہتا تھا۔ وہیں ٹکائی سلائی ہوتی۔ آپس میں چھیڑ چھاڑ ہنسی مذاق ہوتا رہتا۔ اور ثمرآنہ بے چاری کی تو بہت ہی مشکل تھی۔ اس کو ہر وقت تختۂ مشق بنایا جاتا۔ طرح طرح سے چھیڑا جاتا، اور وہ بیچاری چپ چاپ بیٹھی سب کی باتیں سنا کرتی۔ اُدھر کامرآن اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح ثمرآنہ سے دو چار باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔ اکثر وہ اس کے کمرے کا چکّر لگاتے، وہاں لڑکیوں کو دیکھ کر کھسیانے ہو کر واپس آجاتے۔ اور لڑکیاں ساری کی ساری ثمرآنہ کے پیچھے پڑ جاتیں۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح کامرآن کو منع کردے کہ وہ یہاں نہ آیا کریں۔ مگر یہ بات قطعی ناممکن تھی نیلما سے بے تکلفی تو تھی مگر اس سے بات کرنے کا مطلب تو یہ ہوا جیسے اخبار میں چھپوا دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح کامرآن کو منع کرے۔ لڑکیوں نے اس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔

وہ شرم کی وجہ سے کھانا بھی سب کے ساتھ نہیں کھاتی تھی۔ حالانکہ سب ہی بلاتے تھے کھانے پر کامرآن بھی ہوتے تھے۔ ایک دفعہ سب کے بے حد اصرار پر وہ کھانا کھانے گئی بھی تھی بالکل سامنے ہی کامران بیٹھے تھے۔ اس سے کچھ بھی نہیں کھایا گیا۔ نظریں جھکائے بیٹھی رہی اور بمشکل دو چار نوالے حلق سے اُتارے۔ کامران اس کو برابر کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔ حمیدہ بیگم نے جب دیکھا کہ اس نے بالکل نہیں کھایا تو وہ خود اب ثمرآنہ کا کھانا اس کے کمرے میں بھیج دیتی تھیں۔ اور ساری لڑکیاں بھی پھر ثمرآنہ کے ساتھ ہی کھاتی تھیں۔

اُس دن رات کو کھانے پر ثمرآنہ کو بھوک نہیں تھی۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ لڑکیاں پھر سب کھانے کے کمرے میں ہی چلی گئیں۔ کامرآن کو بھنک مل گئی تھی کہ ثمرآنہ آج کھانا نہیں کھائیگی ان کو ثمرآنہ سے ملنے کا سنہری موقع ہاتھ آیا۔ کامرآن اپنے کمرے کی پچھلی طرف سے کود کر ثمرآنہ کے کمرے کی کھڑکی میں آگئے۔ اس وقت ثمرآنہ نماز پڑھنے جا رہی تھی۔

کامراں کھڑکی میں آکر بولے :۔

" مُلّانی جی ، سلام علیکم !"

ثمرآنہ ایک دم سے چونک گئی۔ مڑ کر دیکھا تو کامران تھے۔ اب تو اس کا اور بھی بُرا حال ہو گیا۔ اگر کسی نے یہاں کامران کو دیکھ لیا تو یہ لڑکیاں تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی —— وہ پریشان ہو گئی۔

کامراں اس کو خاموش دیکھ کر پھر بولے :۔

" سلام کا جواب تو دے دو ، کیا میرا آنا ناگوار ہوا ہے ؟"

وہ پھر خاموش کھڑی رہی —— کامراں پھر بولے :۔

" یہ تم نے چپ شاہ کا روزہ پھر رکھ لیا۔ اچھی خاصی ہو گئی تھیں۔ خوب گھُل مل کر مجھ سے باتیں بھی کر لی تھیں۔ اب یہ کیا ہو گیا۔"

کامراں کی اس بات پر ثمرآنہ کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ لیکن اس کے اوپر تو گھبراہٹ اس قدر طاری تھی۔ اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔

پھر وہ ہمّت کر کے بولی :۔

" آپ یہاں کیوں آ گئے ؟"

" میرا آنا بہت ناگوار ہوا ہے۔ چلا جاؤں ؟" —— کامراں بولے۔

ثمرآنہ نے کہا :۔

" یہاں اگر کسی نے آپ کو دیکھ لیا تو میری تو شامت ہی آ جائے گی۔ یہ لڑکیاں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ خدا کے واسطے آپ نہ آیا کیجئے۔ جب آپ آتے ہیں تو یہ لڑکیاں کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

کامراں مسکراتے ہوئے بولے :۔

" یہ تو خوشی کی بات ہے کہ وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتیں !"

ثمرآنہ گھبراتے ہوئے بولی :۔

" اللہ، یہاں سے چلے جائیے۔ کوئی آجائے گا!"

کامران نے کہا :۔

" سب کھانے میں مصروف ہیں۔ جلدی کوئی نہیں آئے گا۔ میں تو تمہاری صُورت دیکھنے کو بھی ترس گیا ہوں۔ تم نے تو ایسا کونہ پکڑا ہے، کسی وقت بھی باہر نہیں نکلتیں۔ ذرا میرا بھی تو کچھ خیال کیا کرو!"

ثمرآنہ شرم سے پانی پانی ہوئی جارہی تھی۔ وہ بہت مشکل سے ہمّت کر کے بولی :۔

" اللہ یہاں سے چلے جائیے!"

" ایک شرط پر جاؤں گا"۔۔۔۔ کامرآن بولے ۔۔۔۔ "اور وہ شرط یہ ہے کہ کبھی کبھار تم مجھے ملنے کا موقع ضرور دیا کرو گی اور موقع ملنے پر بات ضرور کرو گی۔ جب بھی دو چار منٹ کا وقت ملتا ہے تو تم مُنہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہو۔ یہ نہ کیا کرو!"

ثمرآنہ نے جلدی سے کہا :۔

"اچھا۔ اب آپ جائیے!"

کامرآن نے کہا :۔

" پہلے وعدہ کرو"

اِتنے میں نیلما کی آواز آئی جو کامرآن کو پکارتی ہوئی ادھر آرہی تھی ۔۔۔ ثمرآنہ گھبرا کر بولی :۔

"جلدی جائیے، نیلما آرہی ہے!"

کامرآن ڈھیٹ بن کر بولے :۔

"جب تک تم وعدہ نہیں کرو گی، میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ نیلما کو آنے دو!"

ثمرآنہ نے جلدی سے کہا :۔

"اچھا وعدہ۔ مگر اب جائیے۔"

"یہ کیا جائیے جائیے کی گردان لگا رکھی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے ——— اور اسی وقت نیلما کمرے میں داخل ہوئی اور مسکرا کر بولی:۔

"یہ کس سے باتیں کی جا رہی تھیں۔"

ثمرانہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

نیلما شرارت سے آنکھیں مٹکا کر بولی:۔

"تمہارے چہرے کی رنگت کیوں اڑ گئی، کیا کوئی چور اچکا آ گیا تھا۔"

ثمرانہ نیچے نظریں کر کے کھسیانی سی ہو کر بولی:۔

"نہیں تو ———"

نیلما نے کہا:۔

"کوئی تو تھا۔ یہ تمہاری اڑی اڑی رنگت، یہ چہرے پر ہوائیاں، یہ گھبراہٹ، یہ نیچی نظریں تمہاری چغلی کر رہی ہیں۔"

ثمرانہ کی بری حالت ہو رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نیلما پھر بولی:۔

"ہم بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ ہمیں ناسمجھ نہ سمجھو۔ تم دونوں کی چالوں سے خوب واقف ہیں۔ دونوں کی ملی بھگت تھی۔ ادھر تم نے کھانے سے انکار کیا۔ ادھر بھائی جان اپنے کمرے سے غائب۔ میں تو فوراً ہی معاملے کی نزاکت کو سمجھ گئی تھی۔ سب بھائی جان کو کھانے کے لئے بلا رہے تھے۔ میں اسی لئے ان کو دیکھنے یہاں آئی کہ وہ یہاں کے علاوہ کہیں نہیں جا سکتے تھے۔"

پھر ذرا رازداری سے بولی:۔

"کیا راز و نیاز ہو رہے تھے......؟"

ثمرانہ کے بدن میں کاٹو تو لہو نہیں۔ اب نیلما کو جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آئی کہ اس وقت نیلما کو بہلا پھسلا لیا جائے تاکہ وہ کسی اور کو یہ بات نہ بتائے۔

ثمرانہ نے جلدی سے نیلما کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بولی :-

"اچھی نیلما! اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ تم یہ بات کسی کو نہ بتانا۔"

نیلما آنکھیں مٹکا کر اور ہاتھ نچا کر بولی :-

"قصور تمہارا تو نہیں ہمارا ہو گا۔ ہم نے ہی کھانے سے انکار کیا ہو گا اور پھر ہم نے ہی بھائی جان کو کھڑکی کی طرف سے بلا لیا ہو گا۔ ہماری ہی ملی بھگت ہو گی!"

ثمرانہ نے خوشامد سے کہا :-

"اچھی بہن۔ کسی کو نہ بتانا۔ سچ کہہ رہی ہوں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میری کوئی ملی بھگت نہیں تھی۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا۔"

نیلما مصنوعی تعجب سے بولی :-

"اچھا۔ تمہیں کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم کسی سے راز و نیاز کر رہی ہو۔"

ثمرانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بولی :-

"تم کو میری بات کا یقین نہیں آتا۔ میں نے کسی سے راز و نیاز نہیں کئے۔ میں تو بس یہی کہتی رہی کہ یہاں نہ آیا کیجئے۔ یہاں سے چلے جائیے۔ میں ایسی تو نہیں ہوں کہ راز و نیاز کروں!"

نیلما بولی :-

"اچھا بابا اچھا۔ مان لیا کہ تم سچی ہو۔ بس، تم تو رو کر ڈرانا خوب جانتی ہو!"

ثمرانہ خوش ہو کر بولی :-

"کسی سے کہو گی تو نہیں؟"

نیلما بولی :- "اچھا بھئی اچھا۔ نہیں کہوں گی کسی سے بس! اب تو خوش ہو!"

پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

کامران یہاں سے جا کر کھانے میں شریک ہو گئے تھے اور کسی کو خیال بھی نہیں ہوا کہ یہ کہاں تھے!

آج شام کو ثمر آنہ اور کامران کی منگنی تھی۔ صبح سے گھر میں شور و غل برپا تھا۔ سب انتظام میں مصروف تھے۔ شامیانے لگ رہے تھے۔ دعوت نامے سب کو پہلے ہی جا چکے تھے۔ ثمر آنہ کے لئے جوڑا اور زیور تیار ہو چکا تھا۔ عمر آنہ بیگم نے کامران کے لئے سُوٹ سلوا لیا تھا۔ گھڑی اور انگوٹھی بھی آ گئی تھی۔ عورت مرد سب ہی مصروف تھے۔ لڑکیاں سب ثمر آنہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔

حمیدہ بیگم کی خواہش تھی کہ ثمر آنہ کے مہندی بھی لگائی جائے۔ سفید ہاتھ اچھے نہیں لگتے، لیکن عمر آنہ بیگم کا خیال تھا کہ مہندی لگانے سے وہ اور بھی جھینپے گی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی کو زیادہ پریشان کیا جائے۔ وہ اس کی شرمیلی طبیعت سے خُوب واقف تھیں۔ لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ ہم تو مہندی لگا کر چھوڑیں گے!

سب لڑکیاں مہندی لے کر ثمر آنہ کے کمرے میں وارد ہو گئیں۔ ثمر آنہ اس نئی مصیبت کے لئے بالکل تیار نہیں تھی۔

سب اس کے پیچھے پڑ گئیں۔

"لاؤ ہاتھ اور جلدی سے مہندی لگواؤ!"

ثمر آنہ کچھ نہیں بولی۔ اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھپا لیئے ــــ نیلما بولی:۔

"بی بنو! ایسے کام نہیں چلے گا۔ سیدھی طرح ہاتھ نکالو!"

ثمرآنہ بہت آہستہ سے نیلما کے کان میں بولی :۔

"میں مہندی نہیں لگواؤں گی!"

"لو، اِن کی سُنو! بی دُلہن کو بھی زکام ہُوا۔ یہ مہندی نہیں لگوائیں گی۔ بھلا دُلہنیں بھی بولا کرتی ہیں، اور وہ بھی اپنے نندوں سے! مہندی تو تمہیں لگوانی پڑے گی!"

ثمرآنہ کا دل بھر آیا، اور وہ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر رونے لگی۔

حمیدہ بیگم کمرے میں آئیں، کہنے لگیں :۔

"لڑکیوں! کیا ہو رہا ہے۔ بہت اچھی سی مہندی لگانا میری بیٹی کے!"

انہوں نے جو ثمرآنہ کو روتے ہوئے دیکھا تو آ کر اس کو گلے لگا کر بولیں :۔

"بیٹی! رویا نہیں کرتے۔ تمہیں کسی غیر کے گھر تو جانا نہیں ہے جو اس خیال سے ڈر رہی ہو یہ وقت تو سب ہی پر آتا ہے۔ اور ابھی تو شادی دُور ہے۔ تم اپنی جان کیوں ہلکان کرتی ہو!"

ثمرآنہ ان کے گلے لگ کر اور بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

حمیدہ بیگم نے پانی منگوا کر اس کو پلایا اور بہت مشکل سے سمجھا بجھا کر اس کو چپ کرایا۔ عمرآنہ بیگم دُوسری طرف کاموں میں مصروف تھیں۔ ان کو ثمرآنہ کے رُونے کی اطلاع ملی تھی، لیکن وہ دانستہ اس کے پاس نہیں گئیں۔ ان کو ضبط کرنا مشکل ہو جاتا۔ انہوں نے بمشکل اپنے جذبات پر قابُو پایا۔ اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

حمیدہ بیگم نے سمجھا بُجھا کر اس کو مہندی لگوانے پر راضی کر لیا تھا۔ بیچاری چپکی ہو کر بیٹھ گئی۔ سب نے مل کر اس کے مہندی لگائی۔ ماحول بڑا سوگوار ہو گیا تھا۔ سب ہی لڑکیوں کے دل پر اثر تھا۔ سب ہی چُپ چُپ تھیں۔ وہ ہنسی مذاق اور قہقہوں کی فضا جو کچھ دیر پہلے تھی وہ اب اُداسی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر اس کا اثر ہر ایک پر ضرور ہوتا ہے۔

مہندی لگا کر انہوں نے ثمرآنہ کو لٹا دیا، تاکہ وہ کچھ دیر آرام کرے اور یہ لوگ مختلف کاموں میں مصروف ہو گئیں!

مہمان سب آچکے تھے۔ ہر طرف قہقہے بکھر رہے تھے۔ کہیں رنگ برنگے آنچل تھے کہیں خوش باش نوجوانوں کے قہقہے تھے، کہیں بچوں کا شور و غل تھا۔

اسٹیج رنگ برنگے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ بیچ میں سُرخ مخلیں صوفہ بچھا ہوا تھا چاروں طرف صوفوں کی بے شمار قطاریں تھیں، جن پر بیٹھے ہوئے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کہیں مرد سیاست پر گفتگو کر رہے تھے۔ کہیں عورتیں حُسنِ انتظام کی تعریف کر رہی تھیں۔ لڑکیاں ایک دُوسرے کے لباس کو سراہ رہی تھیں۔

حمیدہ بیگم اور ثمرانہ بیگم مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف تھیں۔ انہیں مہمانوں کی بہت فکر تھی۔ کسی کی خاطر تواضع میں ذرا سی بھی کمی نہ رہ جائے۔ نویداحمد حمیدہ بیگم کے پاس آئے۔ کہنے لگے :۔

"اب منگنی کی رسم ادا ہو جانی چاہئیے۔ ورنہ پھر کھانے کو دیر ہو جائے گی!"

ثمرانہ بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔ نویداحمد بولے :۔

"کامران کہاں ہیں۔ اُنہیں بھی بُلا لو۔ اور لڑکیوں سے کہو کہ ثمرانہ کو باہر لے آئیں۔ تاکہ انگوٹھی پہنا دی جائے۔"

ثمرانہ بیگم مسکرا کر بولیں :۔ "کامران کا یہاں کیا کام؟"

نوید احمد بولے :۔

"واہ منگنی اس کی اور تم کہہ رہی ہو اس کا کیا کام! ارے بھئی وہی تو انگوٹھی پہنائیگا!"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"ہائیں! کیا کامران انگوٹھی پہنائیں گے؟"

نوید احمد مسکرا کر بولے :۔

"تو کیا تم پہناؤ گی؟ کیا تم سے منگنی ہو رہی ہے؟"

حمیدہ بیگم بولیں :۔

"اے واہ! یہ آپ کہاں سے انگریزوں کا دستور لے آئے۔ ہمارے زمانے میں تو یہی ہوتا تھا کہ ساس منگنی کی انگوٹھی پہناتی تھیں۔ مجھے بھی میری ساس نے ہی پہنائی تھی۔ ایک تو یہی کیا کم ہے کہ وہ مردوں کے بیچ میں آئے گی"۔

نوید احمد بولے :۔

"بھئی بیگم! مجھے تمہاری یہ دقیانوسی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔ وہ ہمارے تمہارے زمانے گئے جب ساسیں انگوٹھی پہنایا کرتی تھیں۔ اب زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے"۔

پھر مسکرا کر ذرا آہستہ سے بولے :۔

"سچ پوچھو تو اُس وقت میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں انگوٹھی پہناؤں!"

حمیدہ بیگم کھسیانی ہو کر بولیں :۔

"توبہ۔ شرم نہیں آتی بڑھاپے میں یہ باتیں کرتے ہوئے۔ سارے لوگ کھڑے ہیں دیکھ کر کیا کہیں گے!"

نوید احمد بولے :۔

"لوگ کچھ نہیں کہیں گے"۔

"بھئی کامران کہاں ہیں، انہیں بلاؤ...... جاؤ لڑکیوں! ثمرانہ کو باہر لیکر آؤ!"

کامران اسٹیج پر بیچ کے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے برابر میں جگہ خالی تھی اور اُن کے ایک طرف حمیدہ بیگم اور نوید احمد تھے۔ دوسری طرف عمرانہ بیگم اور نعمان احمد تھے۔

کامران اُس وقت سفید پاجامے اور کالی شیروانی میں بہت جچ رہے تھے۔ سب ہی اُن کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لڑکیاں ثمرانہ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں کہ اس کو اتنا خوبصورت اور ہر طرح سے اچھا زندگی کا ساتھی مل رہا ہے۔

لڑکیاں ثمرانہ کو گھیرے میں لئے ہوئے آتی نظر آئیں۔ ثمرانہ شوخ تربوزی رنگ کے غرارے کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ جس پر گوٹے سے جال بنا ہوا تھا۔ زرتار آنچل کا چھوٹا سا گھونگھٹ نکلا ہوا تھا۔ لڑکیوں کے جھرمٹ میں سر جھکائے ہوئے نپے تُلے قدم اُٹھاتی آہستہ آہستہ آرہی تھی۔

اس کو کامران کے برابر میں لاکر بٹھایا گیا۔ وہ گھبراہٹ اور شرم سے پسینے پسینے ہوئی جا رہی تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اور اس پر کچھ کچھ لرزہ طاری ہو رہا تھا۔ حمیدہ بیگم اس کی گھبراہٹ کو دیکھ کر اس کے پاس آئیں اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں :-

"بیٹی! اِس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو!"

اس کے تو ہاتھ پیر ہی جواب دیئے جا رہے تھے۔ اس نے نڈھال ہو کر اپنا سر حمیدہ بیگم سے ٹکا دیا۔ انہوں نے پانی منگا کر اس کو پلایا۔ اس سے کچھ اس کا دل ٹھہرا۔

پھر انگوٹھی کی ڈبیہ کھول کر کامران کے آگے کر کے بولیں :-

"لو بیٹا۔ بسم اللہ کر کے یہ انگوٹھی پہنا دو۔"

کامران نے دھڑکتے دل سے وہ ہیرے کی خوبصورت سی انگوٹھی اٹھائی۔ اور ثمرانہ کا ٹھنڈا بے جان سا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھوں میں لے کر انگوٹھی پہنا دی۔

ہر طرف سے تالیوں کا شور بلند ہوا۔

عمرانہ بیگم کامران کی انگوٹھی کا ڈبہ لئے کھڑی تھیں۔

نوید احمد بولے :-

" بیگم! اب ثمرآنہ سے کہو کہ وہ بھی انگوٹھی پہنا دیں۔"

حمیدہ بیگم بولیں :-

" بس اب بچی کو زیادہ پریشان نہ کیجئے۔ اس کی پہلے ہی بُری حالت ہے۔ کامرآن کو انگوٹھی عمرآنہ پہنا دیں گی۔".....

"..... آؤ عمرآنہ، آگے آجاؤ!"

عمرانہ بیگم نے مونوگرام کی بڑی سی خوبصورت انگوٹھی کامرآن کی انگلی میں پہنا دی۔ ایک مرتبہ پھر تالیوں کا شور بلند ہُوا۔ سب نے ان چاروں کو مبارکباد دی۔

حمیدہ بیگم نے لڑکیوں سے کہا :-

" اب تم لوگ ثمرآنہ کو اندر لے جا کر لٹا دو۔ بے چاری بہت گھبرا رہی ہے۔"

کھانا لگ چکا تھا۔ سب لوگ کھانے کے لئے اُٹھ گئے۔

ثمرآنہ نے باہر سے کمرے تک کا راستہ کس طرح طے کیا اسے کچھ نہیں معلوم۔ دُوسروں پر اپنا وزن ڈال کر بمشکل اندر تک آئی۔ اندر آتے ہی مسہری پر آنکھیں بند کر کے گر پڑی ــــــ لڑکیوں نے جلدی جلدی اس کا بھاری دوپٹہ الگ کیا۔ اس کو سہارے سے بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلایا۔ پھر ذرا اس کی طبیعت سنبھلی۔ اس کی تو عجیب ہی حالت ہوئی جا رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔

لڑکیاں سب باتیں کر رہی تھیں۔ ایک بولی :-

" اس کی منگنی میں یہ حالت ہے تو شادی میں کیا کرے گی!"

دُوسری نے کہا :-

" من میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔ دکھاوے کے لئے یہ ایکٹنگ کر رہی ہے۔"

کسی نے کہا ــــــ " اتنا خوبصورت دُولہا مل رہا ہے۔ من میں لڈو بھی نہ پھوٹیں۔"

ایک بولی ——— "بھئی یہ ایکٹنگ نہیں کر رہی ہے۔ اس کی طبیعت واقعی بگڑ رہی تھی۔ بڑی نروس ہو رہی تھی۔ دیکھا نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کتنے ٹھنڈے تھے۔ اور کانپ رہے تھے۔"

دوسری بولی:۔

"ارے بھئی طبیعت تو یوں بگڑ رہی ہوگی کہ یہ بے چاری سوچ رہی ہوگی کہ ہائے شادی ابھی کیوں نہیں ہو رہی، صرف منگنی سے دل کیوں بہلایا جا رہا ہے۔"

ثمرآنہ خاموش لیٹی ہوئی ان سب کی باتیں سنتی رہی۔

پھر کھانا لگنے کی اطلاع ملی تو لڑکیاں کہنے لگیں کہ ہم یہاں ثمرآنہ کے ساتھ کھائیں گے۔"

ثمرآنہ نے آنکھیں کھولیں اور بولی:۔

"تم لوگ جاؤ، میری وجہ سے اپنا کھانا خراب نہ کرو۔ سب کے ساتھ کھالو۔ میرا تو کھانا کھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

نیلما بولی:۔

"ہاں، خوشی کے موقع پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کھانا بالکل نہیں کھایا جاتا۔"

ثمرآنہ شرمندہ ہو کر بولی:۔

"میں تھوڑی دیر بعد کھالوں گی۔ جاؤ تم لوگ کھالو۔"

تبسّم بولیں:۔

"میں ثمرآنہ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ تم لوگ جاؤ کھالو۔ میں یہاں بیٹھی ہوں!"

ثمرآنہ نے کہا:۔

"نہیں تبسّم باجی! آپ جائیے، میں تو ٹھیک ہوں۔ اکیلے لیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے"

ثمرآنہ کے کہنے سے تبسّم اور لڑکیاں سب کھانا کھانے چلی گئیں۔ تبسّم نے بھاری

دوپٹہ اتار کر سرہانے رکھ لیا۔ اور وہ ذرا ہلکی ہو کر اطمینان سے لیٹ گئی۔

اچانک کھڑکی پر ہلکا سا کھٹکا ہُوا۔ ثمرآنہ چونک کر اُٹھ بیٹھی تو دیکھا کھڑکی میں کامرآن کھڑے مسکرا رہے ہیں۔

اس نے جلدی سے گھسیٹ کر دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا۔

کامران مسکراتے ہوئے بولے:۔

"دُلہن بننے کا اس قدر شوق ہے کہ ابھی سے یہ چمکیلا دوپٹہ خود ہی اوڑھے لے رہی ہو!"

جب ثمرآنہ کو خیال آیا کہ اس نے جلدی میں پھر جال کا دوپٹہ اوڑھ لیا تھا، اور کوئی دوپٹہ اس وقت وہاں تھا بھی نہیں۔ وہ کھسیانی سی ہو گئی۔ اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔

کامرآن بولے:۔

"بھئی، ابھی سے دُلہن کیوں بنی جا رہی ہو۔ ابھی تو دُلہن بننے میں کافی دن ہیں!"

ثمرآنہ اسی طرح مُنہ چھپائے ہوئے بیٹھی رہی ——— کامران بولے:۔

"دیکھو وعدہ خلافی ہو رہی ہے۔ ابھی اُس دن تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھ سے بات کیا کرو گی۔ اب بات کرنا تو درکنار تم تو مُنہ بھی چھپا کر بیٹھ گئیں۔ ذرا ہمیں بھی تو دیدار کرنے دو، باہر اتنے لوگوں میں تو مجبوراً نیچی نظر کر کے بیٹھنا پڑا۔ ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ جب سب نے خود ہی تمہیں میرے سامنے لا کر بٹھایا ہے تو کیوں نہ دیکھوں۔ چلو جلدی سے ہاتھ ہٹاؤ!"

ثمرآنہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

کامرآن نے کہا:۔

"دیکھو، اگر تم نے مُنہ پر سے ہاتھ نہ ہٹائے تو میں کود کر اندر آ جاتا ہوں۔ پھر میں یہ پرواہ نہیں کروں گا کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا نہیں!"

ثمرآنہ نے جلدی سے ہاتھ ہٹائے اور نظریں جھکائے ہوئے بیٹھی رہی۔

کامران پھر بولے :۔

"اب تم میری اس بات کا جواب دو کہ تم نے مجھے انگوٹھی کیوں نہیں پہنائی؟"

اس بات کا جواب بیچاری ثمرآنہ کے پاس تھا ہی کیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

کامران پھر سنجیدگی سے بولے :۔

"دیکھو، تم نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی موقع ملے گا بات ضرور کیا کرو گی۔ اور تم پھر ہمیشہ کی طرح خاموش بیٹھی ہو۔ اب تمہارے جانے میں کم دن رہ گئے ہیں، اس طرح تو نہ ترساؤ۔ پھر تو کہاں تم کہاں میں، ہمارے ایک ہونے سے پہلے ہمارے درمیان جدائیوں کی دیوار حائل ہے...... اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا کر تم بڑی غلطی کر رہی ہو...... اس وقت کو یوں نہ ضائع ہونے دو..... کچھ تو بولو......."

"اچھا یہ بتاؤ، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہوں!" ثمرآنہ آہستہ سے بولی۔

کامران نے کہا :۔

"یہ تمہیں ہو کیا گیا تھا۔ تمہارا ہاتھ اس قدر ٹھنڈا برف سا ہو رہا تھا۔ ہاتھ میں کپکپی بھی تھی۔"

ثمرآنہ بولی :۔

"مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہو گیا تھا!"

پھر کامران مسکرا کر بولے :۔

"اکثر خوشی کے موقعوں پر ایسا بھی ہو جاتا ہے۔"

ثمرآنہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر بولی :۔

"آپ یہاں سے جائیے، کوئی دیکھ لے گا!"

کامران کہنے لگے :۔

"بھئی، تم نے پھر "یہ جائیے" کی گردان شروع کر دی۔ جب اتنے لوگوں کے بیچ میں میں نے

تمہارا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اس وقت تم نے کیوں نہیں کہا جائیے!"

ثمرآنہ خوشامد سے بولی:۔

"دیکھئے تو آپ کافی دیر ہو گئی ہے۔ کوئی آنہ جائے!"

کامرآن بولے:۔

"اطمینان رکھو ابھی کوئی نہیں آئے گا۔ سب کھانے میں مصروف ہیں۔۔۔۔۔

"میں کہہ رہا تھا ثمورانی! اب تو تم جانے والی ہو۔ مجھے وہاں جا کر بھول تو نہ جاؤ گی!"

ثمرآنہ ایک مرتبہ پھر کامرآن کے ثمورانی کہنے پر شرما گئی اور نظریں نیچے کئے ہوئے بولی:۔

"کیا آپ ایسا ہی سمجھتے ہیں!"

کامرآن بولے:۔

"بھئی عورتوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے تم سے پوچھ رہا ہوں!"

ثمرآنہ بولی:۔

"عورتوں کو سمجھنا اور ان کو مٹھی میں لینا بہت آسان ہے۔ جو خدشہ آپ کو میری طرف سے ہے، وہ بالکل غلط ہے۔۔۔۔۔" پھر مسکرا کر بولی۔۔۔۔ "ہاں، مردوں سے اس قسم کی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں!"

کامرآن مسکرا کر بولے:۔

"اچھا — اب مجھ پر بھی طنز کئے جا رہے ہیں۔ مگر تم خود ہی سوچو، کیا میں اپنی ثمورانی کو بھول سکتا ہوں۔ جس کو میں اپنے دل و جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔"

ثمرآنہ نے شرما کر گردن نیچے جھکا لی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر کامرآن بولے:۔

"جی نہیں چاہتا کہ تم جاؤ۔ تم سے الگ رہنا اب بڑا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ اب تک تو تمہارے خیالات نہیں معلوم تھے۔ اب بے چینی کچھ زیادہ ہی بڑھ جائے گی۔ پھر منگنی کا بندھن بھی ہو گیا ہے۔"

ثمرآنہ اور بھی شرما گئی اور بات ٹالتے ہوئے بولی :۔

" آپ جلدی سے یہاں سے جائیے۔ اب کوئی نہ کوئی آتا ہی ہوگا "۔

کامران بولے :۔

" بھئی تمہاری " جائیے جائیے " نے بڑا عاجز کر رکھا ہے۔ ایک شرط پر جاؤں گا "۔

ثمرآنہ بات کاٹ کر بولی :۔

" آپ ہر مرتبہ ہی کوئی نہ کوئی شرط منوا لیتے ہیں "۔

کامران بولے :۔

" اگر شرط نہیں مانو گی تو میں بھی یہیں بیٹھا جاتا ہوں "

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :۔

" ہائے اللہ، یہاں نہ بیٹھئے گا۔ اچھا جلدی بتائیے، کیا شرط ہے! "

کامران نے کہا :۔

" کل پکچر کا پروگرام ہے، جانے سے انکار نہ کرنا "

ثمرآنہ شرما کر بولی :۔

" ہائے، یہ تو بہت مشکل شرط ہے۔ میں آپ کے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں، مجھے تو شرم آئے گی۔ "

کامران بولے :۔

" تمہاری یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ سب لوگ ساتھ ہوں گے۔ پھر اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ میں تم کو بھگا کر تو نہیں لے جا رہا ہوں "۔

ثمرآنہ بولی :۔

" بھئی دیکھئے نا ..... اب آپ کے ساتھ میرا جانا بہت مشکل ہے۔ "

کامران بولے " مشکل ہے تو نہیں، تم نے بنا دیا ہے۔ "

شام کو پکچر کا پروگرام تھا۔ ثمرآنہ بہت پریشان تھی۔ اس کی کسی طرح ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کامرآن کے ساتھ کہیں جائے۔ نیلما صبح سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

"بتاؤ ثمرآنہ تم بھی چلو گی نا!"

ثمرآنہ خاموش ہو جاتی تھی۔

وہ پھر کہتی:۔

"یہ سمجھ لینا۔ اگر آج نہ گئیں تو ساری زندگی نہیں بولوں گی!"

ثمرآنہ نے اُکتا کر کہا:۔

"اچھا بھئی اچھا۔ چلوں گی!"

نیلما آنکھیں مٹکا کر بولی:۔

"جانا تو تمہیں تھا ہی۔ تم تو ہم سے خوشامد کروانا چاہتی تھیں۔ بھائی جان جائیں اور تم نہ جاؤ، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

ثمرآنہ کچھ ناراض ہو کر بولی:۔

"تم تو نہ اُلٹی لیتی ہو نہ سیدھی۔"

نیلما اس کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی:۔

"ناراض ہوگئیں۔ اچھا، اب نہیں ستاؤں گی۔ بس ہنس دو!"

ثمرآنہ مسکرانے لگی۔

اور نیلما وہاں سے اُٹھ کر کامرآن کے کمرے میں گئی۔ وہ کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔

نیلما نے کہا:۔

"بھائی جان! شام کا پروگرام پکّا ہے نا!"

کامرآن مسکرا کر بولے:۔

"ہاں بھئی پکّا ہے!"

پھر نیلما اُنہیں چھیڑتے ہوئے بولی:۔

"ثمرآنہ تو جائیں گی نہیں!"

کامرآن مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

نیلما کا خیال تھا کہ وہ یہ سُن کر چونک جائیں گے۔ پھر میری خوشامد کریں گے کہ ثمرآنہ کو راضی کرو۔ پھر مجھے ایک اور رشوت لینے کا موقع ملے گا۔ مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا۔

نیلما پھر بولی:۔

"اگر ثمرآنہ نہ گئی تو پکچر دیکھنے میں مزہ نہیں آئے گا۔"

کامرآن مسکرا کر بولے:۔

"یہ تو تم جانو، تمہاری سہیلی ہیں...... ویسے وہ جائے گی ضرور!"

نیلما تعجّب سے بولی ــــ "آپ کو کیسے معلوم؟"

کامرآن مسکرا کر بولے:۔

"بھئی وہ پکچر دیکھنے کی بہت شوقین ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آج کی پکچر چھوڑ دے۔"

نیلمآ نے کہا:۔

"واہ بھائی جان! آپ بھی خوب بات کرتے ہیں۔ ثمرآنہ تو پکچر دیکھنے کی شوقین نہیں ہیں!"

"مگر دیکھ لینا وہ آج جائے گی ضرور" ـــــ کامرآن نے کہا۔

نیلمآ کے منصوبے تو خاک میں مل گئے وہ بولی:۔

"اچھا، دیکھیں گے!"

پھر کامرآن نے کہا:۔

"نیلما میرا ایک کام کرو گی؟"

"وہ کیا؟" ـــــ نیلمآ نے کہا۔

"شام کو بہت سے لوگ جائیں گے، تم کسی طرح ثمرآنہ کو میرے برابر میں بٹھا دینا!"

کامرآن بولے۔

نیلمآ نے کہا:۔

"بھائی جان، یہ کام ہے تو بہت مشکل۔ لیکن پوری کوشش کروں گی۔ یہ ثمرانہ کی بچی بہت چالاک ہو گئی ہے۔ اب باتوں میں نہیں آتی۔"

کامرآن نے کہا:۔

"تم اُس سے کہہ دینا کہ میں نے کہا تھا!"

نیلمآ بولی:۔

"اس سے یہ کہہ کر کیا میں مار کھاؤں۔ سچ کہتی ہوں بھائی جان، اُس دن اُس نے میری پیٹھ پر ایسی زور کا گھونسہ مارا تھا کہ میں تڑپ کر رہ گئی تھی۔"

کامرآن ہنسنے لگے۔

پھر نیلمآ بولی:۔

"یہ بتائیے کہ رشوت کیا ملے گی؟"

کامرآن ٹھنڈی سانس لے کر بولے :۔

"اب تو وہ چلی ہی جائے گی جو چاہے رشوت مانگ لو' یہ اب آخری ہی موقع ہے پھر تو نہ میں تم سے کسی بات کو کہوں گا اور نہ تمہیں رشوت کا موقع ملے گا۔"

نیلما بولی :۔

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔خدا نہ کرے جو یہ آخری موقع ہو۔اب چلی جائیں گی تو کیا ہوا پھر تو انشاء اللہ ہمیشہ کے لئے آ ہی جائیں گی!"

کامرآن سنجیدگی سے بولے :۔

"ابھی تو ایک طویل مدّت باقی ہے۔کچھ دنوں بعد میں دو سال کے لئے لندن چلا جاؤں گا۔وہاں تو خطوں کا بھی سہارا نہیں ہوگا۔ثمرآنہ سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ خط لکھے گی"

نیلما کامرآن کی باتوں سے افسردہ ہو گئی تھی۔وہ بولی :۔

"بھائی جان! آپ دل تھوڑا نہ کیجیے۔میں آپ کی سب مشکلیں آسان کرادوں گی۔آج کی بات تو پکّی رہی۔آپ اطمینان رکھئے میں اس سے خط لکھوانے کا وعدہ بھی کروالوں گی آپ کو لندن میں اس کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہو گی!"

نیلما وہاں سے بوجھل دل لئے ہوئے آ گئی۔

ثمرآنہ کے جانے کے دن قریب آرہے تھے۔اس کا اسے بھی بہت رنج تھا۔اور اس وقت کامرآن کے لندن جانے کے ذکر نے اس کو اور بھی رنجیدہ کر دیا۔

آج پکچر کا پروگرام تھا۔ فلم "An affair to remember" دیکھنی تھی۔ جس کا سب کو بہت عرصہ سے انتظار تھا۔

ثمرانہ کا پورا دن اسی سوچ میں گذرا کہ شام کو وہ کس طرح جائے گی۔ ہائے کامرآن کے سامنے اس کو کس قدر شرم آئے گی۔ کبھی سوچتی کہ جانے سے انکار کر دے۔ پھر خیال آتا کہ کامرآن سے وعدہ کر چکی ہوں۔ وہ ناراض ہو جائیں گے۔ یہ کامرآن نے مجھے کس مشکل میں پھنسا دیا۔

ثمرآنہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی کہ نیلما آئی اور کہنے لگی:۔

"یہ کس کے فراق میں بیٹھی ہو۔ چلو اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ جس کے فراق میں بیٹھی ہو وہ تو ساتھ ہی جا رہا ہے۔"

ثمرآنہ بولی:۔

"نیلما! میں سوچتی ہوں کہ نہ جاؤں۔"

نیلما غصّے سے بولی:۔

"بس، پھر وہی بکواس شروع کر دی۔ نہ جانے کی کیا وجہ ہے؟"

ثمرانہ بولی:۔ "مجھے شرم آتی ہے۔"

نیلما چڑ کر بولی :-

"آپ کی شرم کی بھی خوب رہی۔ آج پکچر دیکھنے میں شرم آ رہی ہے۔ کل کو در و دیوار سے بھی شرم کرنے لگنا۔ تمہاری شرم نے بہت پریشان کیا ہے۔ چلو اٹھو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

اور اس نے ثمرانہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا ـــــ مجبوراً اس کو اٹھنا پڑا۔

اُس نے اپنے پسندیدہ سفید کپڑے پہننے کے لئے نکالنے ہی تھے کہ نیلما نے کپڑے اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیئے اور بولے :-

"اس سے اچھا موقعہ سفید کپڑے پہننے کا تمہیں اور کوئی نہیں ملے گا۔ ثمرانہ! یاد رکھنا آئندہ میں تمہیں سفید کپڑے پہنے ہوئے نہ دیکھوں!"

ثمرانہ بولی :-

"اللہ، پھر کونسے کپڑے پہنوں؟"

نیلما مصنوعی افسوس ظاہر کرتے ہوئے بولی :-

"بے چاری کے پاس کپڑے ہی نہیں ہیں پہننے کو!"

پھر اس نے گلابی رنگ کے ذرا شوخ سے کپڑے نکال کر دیئے اور کہا :-

"لو یہ پہنو!"

ثمرانہ بولی :-

"ہائے، یہ اتنے شوخ کپڑے میں تو نہیں پہنوں گی۔ مجھے شرم آئے گی!"

نیلما الجھ کر بولی :-

"ثمرانہ، میں تمہاری اس شرم سے بہت تنگ آ چکی ہوں۔ اب مجھ سے نہ اُلجھنا جلدی سے یہ کپڑے پہنو اور تیار ہو جاؤ!"

مجبوراً ثمرانہ وہ کپڑے اٹھا کر تیار ہونے چلی گئی۔

ثمرآنہ نے وہ کپڑے پہن تو لیئے لیکن اس کو بہت شرم آرہی تھی۔ اس قسم کے شوخ کپڑے وہ بہت کم پہنتی تھی۔ اور آج تو پہلے ہی اس پر بے حد گھبراہٹ طاری تھی۔ وہ صبح سے ہی اس خیال سے پریشان تھی کہ کامران کے ساتھ کیسے جائے گی۔

وہ تیار ہو کر کمرے میں ہی کھڑی رہی اس کی باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ سب لوگ تیار ہو چکے تھے۔

نیلما بولی :-

"یہ ثمرآنہ بہت سُست ہے۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔"

نیلما کمرے میں آتے ہی بولی :-

"ابھی تک آپ کے سولہ سنگھار مکمل نہیں ہوئے!"

ثمرآنہ بولی :-

"میں تو تیار کھڑی ہوں!"

"پھر کیا ڈولی کا انتظار کر رہی ہو، جب ڈولی آئے گی تو باہر نکلو گی!"

نیلما نے کہا ——— ثمرآنہ کھسیانی سی ہو گئی۔

نیلما اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئی۔ اور وہ شرماتی ہوئی اس کے ساتھ کھنچی چلی آئی۔

سب لوگ اس کے منتظر ہی کھڑے تھے۔ کامران نے جو ثمرآنہ کو دیکھا، تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ گلابی کپڑوں میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ حالانکہ ثمرآنہ بہت ہی زیادہ حسین و جمیل نہیں تھی۔ لیکن اس میں جاذبیت اور کشش اس غضب کی تھی کہ جو دیکھتا تھا وہ دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ پھر عام طور پر وہ بہت ہی سادہ رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھار جب بھی شوخ کپڑے پہنتی تھی تو وہ غضب کی اچھی لگتی تھی اور کامران کے لیئے تو وہ غیر معمولی حسین تھی۔ ان کو تو اس سے زیادہ حسین دُنیا میں اور کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔

ثمرانہ شرمائی ہوئی نظریں جھکائے ہوئے کھڑی تھی۔ نیلما نے جو کامران کو ثمرانہ کی طرف اِس قدر غور سے دیکھتے ہوئے دیکھا تو شرارت سے بولی:۔

"آج بھائی جان پکچر دیکھنے نہیں جائیں گے۔ اُن کے لئے تو پکچر یہیں ہو رہی ہے!"

کامران گھبرا کر بولے:۔

"ارے بھئی تم لوگ چلو نا، کھڑے کیوں ہو!"

یہ مختصر سا قافلہ پکچر کے لئے روانہ ہو گیا۔

رش کافی تھا، ہال میں کافی افراتفری تھی۔ نیلما نے ثمرانہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا کہ "تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ میں بھی تمہارے پاس ہی بیٹھ جاتی ہوں!"

ثمرانہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے دُوسری طرف کنارے والی کرسی خالی تھی۔ ثمرانہ بولی:۔

"میں اس کنارے والی کرسی پر بیٹھی جاتی ہوں تاکہ اس طرف سیٹیں پوری ہو جائیں۔"

نیلما نے کہا:۔

"تم اطمینان رکھو، اُدھر کی سب سیٹیں پوری ہو جائیں گی۔ تم یہاں بیٹھی رہو۔ وہ خالی سیٹ تو میں نے تبسّم باجی کے لئے چھوڑی ہے۔"

ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ سب اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ کامران اندھیرا ہونے کے انتظار میں تھے۔ اندھیرا ہوتے ہی ثمرانہ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

ثمرانہ نے جو کامران کو اپنے برابر بیٹھتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئی۔ اور نیلما کی طرف کو کھسک کر سمٹ گئی۔

نیلما شرارت سے بولی:۔

"میرے اوپر کیوں چڑھی چلی آ رہی ہو۔ ٹھیک سے بیٹھو نا!"

ثمرانہ نے نیلما سے کہا:۔ "تبسّم باجی کہاں ہیں؟"

نیلمآ نے دُوسری طرف اشارہ کر کے کہا:۔

"وہ بیٹھی ہیں!"

ثمرآنہ بولی:۔

"تم نے تو ان کے لئے سیٹ یہاں رکھی تھی!"

نیلمآ مسکرا کر بولی:۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ انہیں اُس طرف جگہ مل گئی ہے۔ وہ وہاں بیٹھ گئیں۔"

ثمرآنہ پھر بولی:۔

"نیلما، مجھ سے سیٹ بدل لو"

نیلمآ مصنوعی جھنجھلاہٹ سے بولی:۔

"بھئی تم بہت بول رہی ہو۔ خاموشی سے بیٹھ کر پکچر دیکھو۔ سیٹ بدلوں گی تو لوگ کیا کہیں گے۔"

ثمرآنہ بے چاری کھسیانی سی ہو گئی اور مجبوراً اس کو اسی سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ کامرآن ثمرآنہ کے کان میں بولے:۔

"کیا تم مجھ سے خوفزدہ ہو؟"

ثمرآنہ خاموش رہی اور بدستور نیلمآ کی طرف سمٹی رہی۔

کامرآن نے پھر آہستہ سے کہا:۔

"کیا میرے پاس بیٹھنا اور بات کرنا پسند نہیں کرتیں؟"

ثمرآنہ جانتی تھی کہ کامرآن ذرا سی بات میں تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ مجبوراً بولی:۔

"جی نہیں تو......"

نیلمآ سمجھ رہی تھی کہ کامرآن بات کر رہے ہیں اور ثمرآنہ نے ان کو ہی جواب دیا ہے لیکن وہ شرارت میں جان بوجھ کر انجان بن کر بولی:۔

"کیا کہا ثمرآنہ؟ کیا مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں؟"

ثمرآنہ گھبرا کر بولی:۔ "نہیں تو ـــــ!"

نیلما نے کہا:۔

"مجھے تو ایسا ہی لگا تھا کہ تم کچھ کہہ رہی ہو۔"

ثمرآنہ مصلحتاً خاموش ہو گئی۔

کامرآن پھر آہستہ سے اس کے کان میں بولے:۔

"آج کا سیٹوں کا یہ انتظام میں نے ہی نیلما سے کہہ کر کروایا تھا۔"

یہ سُن کر ثمرآنہ کو بہت غصّہ آیا۔ پھر وہ بولی:۔

"اب میں بتاؤں گی نیلما کو!"

نیلما بولی:۔ "کیا بات ہے میرا نام تم نے کیوں لیا!"

ثمرآنہ غصّے سے بولی:۔

"گھر جا کر بتاؤں گی کہ کیا بات ہے!"

نیلما خاموش ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اب خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ثمرآنہ کا موڈ خراب ہو گیا ہے اور اس سے بھائی جان بور ہوں گے!"

سب فلم دیکھنے میں محو رہے۔ کامرآن ثمرآنہ کے کان میں مستقل کچھ نہ کچھ کہے جا رہے تھے۔ ثمرآنہ کبھی تو شرما کر خاموش ہو جاتی کبھی آہستہ سے جواب دے دیتی۔

فلم بہت اچھی تھی۔ ثمرآنہ کے دل پر اس کی ایک بات نقش ہوتی جا رہی تھی فلم کے آخیر حصّے میں پہنچ کر ثمرآنہ بہت سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئی تو کامرآن نے کہا:۔

"کیا بات ہے ثمو رانی، فلم کی ٹریجڈی سے بہت غمگین ہو گئی ہو!"

اور پھر کامرآن نے اس کو یقین دلایا تھا کہ وہ فلم کی کہانی کی طرح کبھی اپنے دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی نہ آنے دے گا۔

اور اس بات سے ثمرآنہ بہت مطمئن ہو گئی تھی ـــــ اس نے سوچا تھا:۔

"میں بھی کتنی خوش قسمت ہوں۔ کامران اور دوسرے مردوں سے مختلف ہیں۔ مجھے ان کی محبت پر فخر کرنا چاہیے۔"

گھر آکر ثمرآنہ اور نیلما ساتھ ساتھ کمرے میں آئیں۔ ثمرآنہ بالکل خاموش تھی نیلما نے بات کرنے کی بھی کوشش کی، مگر اُس نے جواب نہیں دیا۔ مگر کمرے میں آتے ہی اُس نے نیلما پر گھونسوں کی بارش کر دی۔

نیلما ہنستے ہوئے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے بولی:۔

"خدا خیر کرے، یہ آج تمہیں کیا ہو رہا ہے۔" ثمرآنہ بولی:۔

"میں تمہاری شرارتوں کا مزہ چکھا رہی ہوں، مجھ سے تو کہہ دیا کہ برابر والی سیٹ پر تبسّم باجی بیٹھیں گی اور پھر......"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

نیلما شرارت سے بولی:۔

"پھر کیا ہوا، سیٹ پر کون بیٹھ گیا"

ثمرآنہ گھونسہ دکھاتے ہوئے بولی:۔

"سچ نیلما۔ میں بہت ماروں گی تمہیں۔ آج مجھے تمہارے اوپر بہت غصّہ آرہا ہے!"

نیلما مٹک کر بولی:۔

"بھائی جان سے باتیں تو خوب کرلیں۔ اور خواہ مخواہ کا غصّہ مجھے دکھا رہی ہو" یہ کہو کہ غصّہ اس بات پر آرہا ہے کہ فلم کیوں ختم ہو گئی، کچھ دیر اور باتیں کرلیتیں!"

ثمرآنہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ تبسّم کمرے میں آکر بولیں:۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

ثمرآنہ جلدی سے بولی:۔

" دیکھئے تبسّم باجی، یہ نیلمؔا مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

نیلمؔا فوراً بولی :-

" نہیں باجی۔ میں کچھ نہیں کر رہی ہوں۔ آپ اس کی باتوں پر یقین مت کیجئے گا۔"

تبسّم مسکرانے لگیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ ثمرآنہ کیوں ناراض ہے۔

پھر نیلمؔا سے یہ کہتی ہوئی چلی گئیں :-

" تم بے چاری ثمرآنہ کو مت پریشان کرو! "

آج عمرانہ بیگم واپس جا رہی تھیں۔ ان کے جانے سے سب بہت رنجیدہ تھے۔ عمرانہ بیگم خود بھی کافی رنجیدہ تھیں۔ بہن کے پاس اتنے دن رہنے کے بعد جاتے ہوئے ان کو بھی افسوس ہو رہا تھا۔ ثمرانہ بھی چپ چپ تھی۔ اس کو بھی یہاں سے جانے کا اور سب سے زیادہ کامران سے دُور جانے کا بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ، وہ چھپ کر ملنا، وہ ان کا کمرے میں آنے کے بہانے ڈھونڈنا۔ یہ سب باتیں تو اب خواب و خیال ہو جائیں گی۔ تبسّم اور نیلما تو مسلسل روئے جا رہی تھیں اور ان سب سے زیادہ کامران رنجیدہ تھے۔ وہ گم سُم اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ صبح سے کمرے میں سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ حالانکہ تبسّم اور نیلما نے بہت کوشش کی، مگر وہ یہ کہہ کر ٹال گئے کہ :۔ "میں آرام کر رہا ہوں۔"

گھر میں بڑی اُداسی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر شخص رنجیدہ تھا۔ اِس مرتبہ چھٹیاں اتنی اچھی گزری تھیں۔ ایسی ایک مدّت سے نہیں گزری تھیں۔ پھر ثمرانہ اور کامران بھی منگنی کے پیارے سے بندھن میں بندھ گئے تھے۔ اور وہ ان دنوں ایک دُوسرے کے بہت قریب بھی آ گئے تھے۔

کامران سوچ رہے تھے :۔

ثمرانہ یہاں سے جا رہی ہے۔ اب کچھ ہی دنوں کے بعد میں لندن چلا جاؤں گا۔ یہ دن

جو گزر گئے۔ اب کبھی لوٹ کر نہیں آسکتے۔ اب کئی سالوں تک اس طرح ثمر آنہ کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ سب باتیں تو اب خواب و خیال ہو جائیں گی۔ میرے اور ثمر آنہ کے درمیان اب کم از کم تین سال کی مدّت حائل ہے۔ لندن جانے سے پہلے صرف چند دِن کراچی میں ٹھہروں گا۔ اس میں ثمر آنہ سے ملنے کا بہت ہی کم موقع مل سکے گا۔ اس سے دُور رہنے کا تصوّر بہت بھیانک ہے۔ میں کس طرح تین سال گزاروں گا۔ مجھے تو اپنے دل اور دماغ پر قابو پانا مشکل ہوا جا رہا ہے۔ یہ اتنی پیاری لڑکی مجھ سے دُور جا رہی ہے۔ جی چاہ رہا ہے۔ اس کو روک لوں۔ اس کو کبھی نہ جانے دوں...... میں تو اس کی محبّت میں بالکل اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا ہوں...... یہ مجھ سے دُور ہو کر بدل تو نہیں جائیگی۔

کامرآن ان ہی سوچوں میں تھے کہ نیلما نے آکر کہا۔

"بھائی جان، چلیئے کھانا کھا لیجیئے۔ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں"......

...... جلدی چلیئے۔ ٹرین کا وقت ہوا جا رہا ہے"

کامرآن بولے ہ۔

"مجھے بھُوک نہیں ہے"

نیلما بہت دُکھ اور بڑے فلسفیانہ انداز سے بولی :۔

"بھائی جان! اس طرح بھُوکے رہ کر اور تنہا لیٹ کر حقیقت سے مُنہ نہیں موڑا جا سکتا۔"

پھر بہت محبّت سے بولی :۔

"اُٹھیئے تھوڑا سا تو کھا لیجیئے!"

نیلما کے اصرار پر کامرآن کو مجبوراً اُٹھنا پڑا۔

کھانے کے کمرے میں سب ان کے منتظر تھے۔ آج کھانے کی میز پر نہ وہ ہنگامے تھے نہ وہ قہقہے تھے جو ہمیشہ ہُوا کرتے تھے۔ آج سب بہت خاموشی سے بیٹھے تھے۔ کامرآن بھی

خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئے اور کھانے کا نام کرنے لگے۔

آج کافی دنوں کے بعد ثمرآنہ بھی سب کے ساتھ کھانے میں شریک تھی۔ وہ بہت اُداس معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ہر بات سے بے نیاز سر جھکائے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔ نوالے اس کے حلق میں پھنس رہے تھے۔ لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بمشکل اس نے چند نوالے زہر مار کئے اور سب سے پہلے اُٹھ کر آ گئی۔ غسل خانے میں جا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ دوسروں کے سامنے بہت مشکل سے ضبط کئے بیٹھی رہی۔ اب برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ تنہائی میں اس کے آنسوؤں کو آزادی مل گئی اور وہ روانی سے بہنے لگے۔

کچھ دیر رونے کے بعد ذرا دل کی بھڑاس نکل گئی۔ وہ منہ دھو کر باہر آ گئی۔ نیلما وہیں تھی۔ اس نے ثمرآنہ کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور جان بوجھ کر انجان بن گئی۔ آج اس کو کوئی مذاق نہیں یاد آ رہا تھا۔ اور کوئی موقع ہوتا تو وہ ثمرآنہ کو خوب تنگ کرتی لیکن آج تو اس کا خود ہی دل بھرا چلا آ رہا تھا۔ ثمرآنہ کی جدائی اس کے لئے بھی بہت تکلیف دہ تھی۔ پھر اسے کامران کا بھی بے حد خیال تھا۔ وہ بھائی کو اُداس نہیں دیکھ سکتی تھی۔

نیلما نے ثمرآنہ سے کہا:۔

"ثمرآنہ! تمہارا سامان سب ٹھیک ہو چکا؟"

"ہاں!" ——— ثمرآنہ نے مختصر جواب دیا۔

نیلما بولی:۔

"ثمرآنہ، تم بے حد یاد آؤ گی۔ خط تو لکھو گی نا؟ وہاں کی دلچسپیوں میں مجھ کو بھول تو نہ جاؤ گی؟"

ثمرآنہ رونا ضبط کرتے ہوئے بولی:۔

"کیا تم مجھ سے ایسی ہی اُمید رکھتی ہو؟"

نیلما جانتی تھی کہ ثمرآنہ دل کی بہت کمزور ہے۔ اب اگر اس نے کچھ اور کہا

تو ثمرانہ پھر رو دے گی۔

وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی :۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ جانے کا وقت قریب آرہا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

ثمرانہ غمگین چہرہ لئے تنہا بیٹھی تھی۔

"ثمورانی.....!"

کامران کی آواز آئی۔

ثمرانہ چونک گئی۔

آج ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ آج دونوں غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔

کامران پھر مخاطب ہوئے :۔

"ثمرانہ! تم جارہی ہو۔ مجھے بھول تو نہ جاؤ گی؟"

ثمرانہ نے جواب دیا :۔

"کیا آپ میری زبان سے یہ کہلوانا چاہتے ہیں کہ آپ ایسی چیز نہیں ہیں جس کو بھولا جائے......"

کامران کے جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ واقعی وہ اس کے منہ سے یہی سُننا چاہتے تھے۔

کامران نے کہا :۔

"جو میں سُننا چاہتا تھا۔ وہ میں نے سُن لیا۔"

پھر کچھ رُک کر بولے :۔

"کیا میں اُمید کر سکتا ہوں کہ تم کبھی کبھار مجھے خط سے یاد کر لیا کرو گی۔"

ثمرانہ بولی:۔

"ایسی بات کے لئے مجھ سے نہ کہئے جو میرے لئے دُشوار ہو۔ اور جس سے میرے ماں باپ کا اعتماد مجروح ہو، آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے!"

کامران نے اُداسی سے کہا:۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کرتا!"

نیلما کی آواز آئی جو ثمرانہ کو پکارتی ہوئی آ رہی تھی۔ نیلما کو معلوم تھا کہ اِس وقت کامران کمرے میں ہیں۔

کامران خدا حافظ کہہ کر باہر چلے گئے!

ثمرآنہ کے جانے کے بعد سے گھر میں اس قدر سنّاٹا ہوگیا تھا۔ سب الگ الگ اپنے کمروں میں چپ چپ رہتے تھے۔

حمیدہ بیگم بھی اپنی بہن کے جانے سے بہت ملول تھیں۔ دو مہینے اتنے ہنگامے رہے۔ اب یہ اُداسی سب کے لئے جان لیوا ہو گئی تھی۔

رزلٹ آچکا تھا۔ سب پاس ہو چکے تھے۔ نیلما اور تبسّم کالج جانے لگیں تھیں۔ کامران بھی اپنی پڑھائی میں مصروف تھے۔ ان کا فائنل ایر تھا۔

ثمرآنہ کراچی پہنچ کر وہاں کی مصروفیتوں میں گُم ہو گئی تھی۔ لیکن جب بھی اسے ذرا فرصت ملتی، وہ ماضی کی خوبصورت وادیوں میں کھو جاتی۔ کبھی کامران کا مسکراتا ہوُا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آجاتا۔ کبھی نیلما کی شرارتوں کو یاد کر کے مسکرانے لگتی۔ اس مرتبہ اس کا دل ایک نئی لذّت سے آشنا ہوُا تھا۔ وہ کامران کی محبت کو تو ایک عرصہ سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھی۔ لیکن کبھی بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور نہ وہ کامران کے خیالات سے ہی واقف تھی۔ اب کامران کی محبّت کو پا کر وہ رنگ برنگے خوابوں میں کھوئی رہتی۔

کسی نہ کسی طرح یہ سال گزر ہی گیا۔ رفتہ رفتہ یادوں کے زخم بھی کم ہو گئے، امتحان قریب آئے۔ سب دن اور رات موٹی موٹی کتابوں میں کھوئے رہنے لگے۔

امتحان ختم ہوئے، رزلٹ کا شدت سے انتظار کیا جانے لگا۔ کامران کا ایم ایس سی کا رزلٹ نکل آیا تھا۔ وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے تھے۔ وہ، بہنیں اور ماں باپ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ مٹھائیاں بانٹی جا رہی تھیں۔ لوگ مبارکباد دینے آ رہے تھے حمیدہ بیگم کا ایک ہی تو بیٹا تھا۔ اس کی کامیابی پر جتنی بھی خوشی منائی جاتی کم تھا۔ دعوتیں ہو رہی تھیں۔ گھر میں ہر وقت ایک ہنگامہ رہتا تھا۔

اتنی خوشیوں میں بھی اکثر حمیدہ بیگم کے چہرے پر غم کی ایک لکیر آجاتی تھی۔ کیونکہ اب کامران کو دو سال کے لئے لندن جانا تھا۔ یہ دو سال کا عرصہ حمیدہ بیگم کو ان خوشیوں میں بھی ڈرا رہا تھا۔

جب دعوتیں وغیرہ ختم ہوئیں تو کامران نے حمیدہ بیگم کو اپنے جانے کی خبر سنائی۔ وہ تو پہلے ہی سے اس خبر کو سننے کے لئے اپنے آپ کو کافی تیار کر چکی تھیں۔ ان کی ممتا اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ کامران کو اپنے سے دور کریں۔ لیکن بیٹے کی ترقی کا دارومدار اسی پر تھا اور اسی لئے مجبوراً انہیں اپنے سینے پر پتھر کی سل رکھ لینی پڑی۔

کامران کے جانے کے سارے انتظامات اور تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ تبسّم اور نیلما ان کو چھوڑنے کراچی تک جا رہی تھیں۔ حمیدہ بیگم کا غم دیکھا نہیں جاتا تھا۔ ان کو ہر وقت اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپ میں کامران کی جدائی برداشت کرنے کی قوت نہیں پا رہی تھیں۔ ان کا دل بھر اچلا تھا۔ دن میں دو چار مرتبہ رو کر دل کی بھڑاس نکال لیتی تھیں۔

کامران کے جانے میں ایک دن رہ گیا تھا۔ حمیدہ بیگم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی آنسو بہا رہی تھیں کہ کامران آ گئے۔

اُنہوں نے کامران کو دیکھتے ہی آنسو پونچھ لیے اور بولیں :۔

"آؤ بیٹا!"

کامران ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ جیسے ہی ان کی نظر ماں کے چہرے پر پڑی تو بولے :۔

"آپ رو رہی ہیں؟ امّی جان، خدا کے واسطے آپ نہ روئیے۔ اگر آپ اسی طرح روتی رہیں تو میں اپنا جانا ملتوی کر دوں گا۔ امّی! میں آپ کے آنسو نہیں دیکھ سکتا!"

حمیدہ بیگم کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں :۔

"بیٹا! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ میرا بیٹا بڑا آدمی بنے گا۔ اس سے زیادہ میرے لیے خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے!"

کامران بولے :۔

"نہیں امّی! آپ بہت رنجیدہ رہتی ہیں۔ میں لندن نہیں جاؤں گا۔"

حمیدہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر بولیں :۔

"بیٹے، مجھے طرح طرح کے وہم ستاتے ہیں۔"

کامران چونک کر بولے :۔

"وہم؟ کیسے وہم؟"

حمیدہ بیگم نے کہا :-

"میں نے اتنے ارمانوں سے تمہاری منگنی کی ہے۔ کہیں تم وہاں کسی تیتری کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ پھر میں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی!"

کامرآن ان کی گود میں سے اُٹھ کر گلے میں باہیں ڈال کر بولے :-

"امّی! آپ بھی کتنی سیدھی ہیں۔ وہ زمانے گئے جب لوگ گوری چمڑی پر لٹّو ہُوا کرتے تھے۔ اور امّی! کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟"

حمیدہ بیگم نے کہا :-

"بیٹے! مجھے تم پر بھروسہ تو ہے لیکن وہاں کی باتیں جو سُن رکھی ہیں اُن سے ڈر لگتا ہے"

کامرآن نے کہا :-

"ارے امّی! آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ سُنی سُنائی باتوں کا کبھی یقین نہیں کرنا چاہیے"

حمیدہ بیگم بولیں :-

"یہ باتیں سُنی سُنائی نہیں، بلکہ دیکھی بھی ہیں۔ ہمارے جاننے والوں میں سے کئی لوگوں نے وہاں جا کر شادی کر لی"

کامرآن نے کہا :-

"امّی! ان لوگوں کی بات چھوڑیئے۔ آپ کا بیٹا ایسا نہیں ہے"

حمیدہ بیگم خوش ہو کر بولیں :-

"بیٹے! مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ اچھا وعدہ کرو کہ تم وہاں شادی تو نہیں کرو گے۔"

کامرآن ان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولے :-

"لیجیے۔ وعدہ کیا۔ بھلا میں اپنی امّی کی مرضی کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں"

حمیدہ بیگم خوش ہو گئیں۔

تبسّم اور نیلما آ گئیں۔ کمرے کا ماحول بہت سوگوار ہو رہا تھا۔ انہوں نے آ کر کامران سے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ دل تو ان کے بھی رو رہے تھے۔ لیکن وہ ماں اور بھائی کے خیال سے مجبوراً ہنس رہی تھیں۔ بھائی کی جُدائی انہیں بھی بہت شاق گزر رہی تھی۔ انہیں اپنے بھائی پر بہت بھروسہ اور ناز تھا۔ لیکن وہ دونوں بھی اس خیال سے ڈر رہی تھیں جس خیال سے حمیدہ بیگم پریشان تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنے بھیّا کے لئے دُعائیں مانگتی تھیں۔

کامران کی روانگی کا منظر بہت ہی دلخراش تھا۔ حمیدہ بیگم کا بُرا حال تھا۔ وہ پھر بھی کامران کے خیال سے اپنے آپ کو بہت سنبھال رہی تھیں۔ دونوں لڑکیوں کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ نوید احمد بالکل خاموش تھے۔ نیلما اور تبسّم کامران کے ساتھ کراچی تک جا رہی تھیں۔ دوستوں اور رشتے داروں کا ایک ہجوم ان کو الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر آیا ہُوا تھا۔ سب نے آنسوؤں اور بہترین دُعاؤں کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔

کراچی پہنچ کر کامران اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چند کام رہ گئے تھے۔ جو کراچی پہنچ کر ہی کرانے تھے۔ عمرانہ بیگم کو کامران کے جانے کا بہت افسوس تھا۔ ثمرانہ بھی ان دنوں بالکل خاموش رہا کرتی تھی۔ نیلما اور تبسم کے قہقہے نہ معلوم کہاں کھو گئے تھے۔ وہ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق کچھ بھی نہ تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ رنجیدہ تھے۔ کامران زیادہ تر باہر رہا کرتے تھے۔ شام کو جب وہ آتے تھے تو ثمرانہ دانستہ اپنے کمرے سے نہیں نکلتی تھی۔ ان دنوں کامران کو اپنی الجھنوں میں ثمرانہ سے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس فکر میں تھے کہ جانے سے پہلے ایک مرتبہ ثمرانہ سے مل لیں۔

شام کا وقت تھا۔ نیلما، تبسم، ثمرانہ، خرم، عمرانہ بیگم اور نعمان احمد، سب چائے پی رہے تھے۔

کامران بہت تھکے تھکے قدم اُٹھاتے ہوئے آئے اور اپنے آپ کو کرسی پر گراتے ہوئے بولے :۔

"خالہ جان! سارے کام مکمل ہو گئے۔ کل صبح کے جہاز میں سیٹ ملی ہے۔"

عمرانہ بیگم چونک کر بولیں :۔

"کل صبح کے جہاز میں؟ میں تو سمجھی تھی کہ ابھی دو چار روز تم اور ٹھہرو گے۔!"

کامرآن افسردگی سے بولے:۔

"بس خالہ جان۔ اب تو جانا ہی ہے۔"

عمرآنہ بیگم رونے لگیں......تبسّم اور نیلما بھی رو رہی تھیں۔ ثمرآنہ اپنی چائے کی پیالی یوں ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نعمان احمد نے افسردگی سے کہا:۔

"بھئی، تم لوگ یہ رونا دھونا چھوڑو۔ بُرا شگون ہے۔ ہنسی خوشی اس کو رخصت کرو۔"

سب بدستور روتی رہیں۔

کامران کے جانے کا نعمان احمد پر بھی بہت اثر تھا۔ کامرآن خود بھی بہت رنجیدہ تھے۔ نعمان احمد بولے:۔

"ارے یہ ثمرآنہ کہاں گئی، چائے بھی نہیں پی!"

عمرآنہ بیگم آنسو پونچھتے ہوئے بولیں:۔

"جاؤ نیلما بیٹی، ثمرآنہ کو ایک پیالی چائے بنا کر دے آؤ، یہ تو ٹھنڈی ہو گئی۔"

نیلما آنسو پونچھتی ہوئی اُٹھ کر چائے بنانے لگی۔

ثمرآنہ اپنے کمرے میں پہنچ کر پھوٹ پڑی۔ وہ سب کے سامنے اپنا رونا ضبط کر رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی نیلما کو آتے ہوئے دیکھا، جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔ اس کا خیال تھا کہ نیلما اس کو روتا ہوا دیکھ کر چھیڑے گی۔

نیلما نے بہت ہی سنجیدگی سے اس کی طرف چائے بڑھا کر کہا:۔

"لو ثمرآنہ، چائے پی لو!"

ثمرآنہ نے پیالی پکڑ لی اور چائے پینے لگی۔ دونوں بالکل خاموش بیٹھی رہیں۔

تبسّم نیلما کو پکارتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں:۔

"چلو نیلما بھائی جان کے کپڑے رکھ دیں!"—— پھر بولیں—— "تم چلو، کپڑے

سوٹ کیس میں رکھو۔ میں رومالوں اور ٹائیوں پر استری کر کے ابھی لاتی ہوں۔"

نیلما خاموشی سے چلی گئی۔

کامران اپنی تیاری میں مصروف تھے۔ نیلما بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگی۔

کامران بولے:۔

"نیلما! ثمرآنہ کہاں ہے۔ اِن دنوں نظر نہیں آئی۔"

نیلما نے کہا:۔

"ابھی تو وہیں تھی۔ جب آپ آگئے تو اُٹھ کر چلی گئی۔"

پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی:۔

"وہ بے چاری تو آجکل بالکل خاموش اپنے کمرے میں رہتی ہے۔ نہ ہنستی بولتی ہے، نہ ہی کھانا ڈھنگ سے کھاتی ہے۔"

کامران سنجیدگی سے بولے:۔

"نیلما! میرا ایک کام کرو گی؟"

نیلما نے کہا:۔

"بتائیے بھائی جان، میں نے کبھی آپ کے کام کو انکار کیا ہے؟"

کامران نے کہا:۔

"میں صبح چلا جاؤں گا، دو سال کی طویل مدت کے لئے۔ میں ثمرآنہ سے ملنا چاہتا ہوں کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کرے گی؟"

نیلما بولی:۔ "پسند کیسے نہیں کرے گی۔ اُس کو آپ سے ملنا پڑے گا۔"

کامران نے کہا:۔

"اس سے کہنا، رات کو کھانے کے بعد باغ کے پچھلے حصّے میں آجائے۔ میں انتظار کروں گا۔"

نیلما نے کہا ،۔ "بہت اچھا!"

رات تک سب لوگ تیاری میں مصروف رہے۔ آنے والوں کا بھی تانتا بندھا رہا۔ سب کامران سے ملنے آ رہے تھے۔

آج کھانا بھی ذرا دیر سے ہی کھایا گیا۔ نیلما نے ثمرانہ کو کامران سے ملنے کے لئے راضی کر لیا تھا۔

کامران پتھر کی بنچ پر بیٹھے ہوئے ثمرانہ کا انتظار کر رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ثمرانہ جھجکتی ہوئی، نظریں جھکائے، رُکے رُکے قدم اُٹھاتی ہوئی آ گئی ـــــــ کامران نے آگے بڑھ کر کہا ،۔

"میں تمہارا منتظر تھا۔"

ثمرانہ نظریں جھکائے ہوئے خاموش کھڑی رہی۔

پھر کامران نے کہا ،۔

"آؤ، یہاں بیٹھ جائیں۔"

پھر وہ دونوں پتھر کی بنچ پر بیٹھ گئے ـــــ کامران نے بات شروع کی ،۔

"ثمرانہ، کل میں جا رہا ہوں۔ یہ دو سال کا عرصہ مجھے دو صدی کے برابر معلوم ہو رہا ہے دو سال میں دُنیا بدل جایا کرتی ہے۔ تم تو نہیں بدل جاؤ گی؟"

ثمرانہ آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے بولی ،۔

"آپ مجھ سے بدلنے کی اُمید کیوں رکھتے ہیں۔ اگر یہی سوال میں آپ سے پوچھوں تو!"

کامران نے کہا ،۔

"کیا تمہیں میری محبّت پر بھروسہ نہیں ہے؟"

ثمرانہ نظریں جھکائے ہوئے بولی ،۔

"مجھے آپ کی محبّت پر پورا بھروسہ ہے۔ اور میں اس پر فخر کرتی ہوں۔ لیکن جہاں آپ

جا رہے ہیں، وہ دُنیا بہت رنگین ہے۔ میں ڈرتی ہوں، کہیں آپ وہاں کی رنگینیوں میں کھو کر مجھ کو نہ بھُول جائیں۔"

کامراؔن نے کہا :۔

" ثمورانی! وسوسوں کو دل میں نہ آنے دو۔ کامراؔن تمہارا ہے اور ہمیشہ تمہارا رہے گا!"

ثمرآنہ نے شرما کر گردن جھکا لی ——— کامراؔن نے پھر کہا :۔

" ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم قبول کرو گی؟"

" کہیئے" ——— ثمرآنہ بولی۔

" کیا تم میرے خطوں کا جواب دے دیا کرو گی؟" کامراؔن نے کہا۔

ثمرآنہ گھبرا کر بولی :۔

" جی؟ آپ کے خطوں کا جواب؟"

کامراؔن نے کہا :۔

" اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

ثمرآنہ نے کہا :۔

" ہائے اللہ، آپ مجھے خط نہ لکھئے گا، اور میں بھی جواب نہ دے سکوں گی۔ اگر امّی کو، یا کسی کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا!"

کامراؔن ذرا شوخی سے بولے :۔

" ہو گا کیا؟ وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا!"

ثمرآنہ نے کہا :۔

" نہیں نہیں، میں خط نہیں لکھوں گی۔ اور آپ بھی نہ لکھئے گا۔ یہاں آپ کا خط اگر کسی کے ہاتھ پڑ گیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی!"

کامران نے کہا :-

" میں ایسی حماقت نہیں کروں گا کہ وہ خط کسی کے ہاتھ پڑ جائے ـــــ اور۔ تم مجھے اتنا گرا ہوا نہ سمجھو۔ میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں لکھوں گا۔ خط کسی کے ہاتھ پڑ بھی جائے گا۔ جب بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔ میں تمہارے نام کا خط نیلما کو بھیج دیا کروں گا ـــــ اور نیلما تم کو بھیج دیا کرے گی ! "

ثمرانہ خاموش بیٹھی رہی۔

کامران افسردگی سے بولے :-

" کیوں ثمرانہ ! کیا میری درخواست قبول نہیں ہوئی ؟ "

ثمرانہ نے بہت آہستگی سے کہا :-

" کوشش کروں گی "

کامران بولے :-

" یہ کوئی اتنا دشوار کام تو نہیں ہے۔ جو تم صرف کوشش کرو گی۔ تم چاہو تو نیلما کی معرفت مجھے خط بھیج سکتی ہو۔ اور اپنے آپ بھی بھیج سکتی ہو۔ یہ کوئی جرم تو نہیں ہے "

ثمرانہ نے کہا :-

" جرم تو ہے۔ امی اور ابو کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا جرم ہی ہے۔ "

کامران نے کہا :-

" اب تو ہم دونوں انشاءاللہ ایک ہی بندھن میں بندھ جائیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ خالہ جان اور خالو جان کو ہماری خط و کتابت پر بالکل اعتراض نہ ہوگا۔ اگر تم کہو تو میں خالہ جان سے اجازت لے لوں۔ "

ثمرانہ گھبرا کر بولی :-

" نہیں نہیں، ایسا نہ کیجئے گا۔ امی سے کچھ نہ کہئے گا۔ اچھا میں جواب دے دیا کروں گی۔ "

کامران مسکرا کر بولے :۔

"پکّا وعدہ ہے نا۔ اپنے وعدے سے پھر تو نہ جاؤ گی؟"

ثمرانہ شرماتے ہوئے آہستہ سے بولی :۔

"جی نہیں!"

پھر وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی :۔

"بہت دیر ہو گئی ہے، اب میں جاتی ہوں!"

کامران نے کہا :۔

"ایک بات اور سُنتی جاؤ!"

ثمرانہ بولی :۔

"جی ـــــ ؟"

کامران نے کہا :۔

"صبح ایرپورٹ تو چلو گی نا؟"

ثمرانہ نے کہا :ـــــ "میرا تو ارادہ نہیں ہے!"

کامران نے افسردگی سے کہا :۔

"تو کیا مجھے چھوڑنے نہیں جاؤ گی؟"

ثمرانہ بولی :۔

"سب لوگ جائیں گے، میں کیسے جا سکتی ہوں۔"

کامران نے کہا ـــــ "کیوں، کیا کوئی تمہیں روکے گا؟"

ثمرانہ بولی :۔ "مجھے شرم آتی ہے!"

کامران جذباتی لہجے میں بولے :۔

"کیا تم ذرا سی شرم کے بدلے میں مجھے دو سال تک تڑپاؤ گی۔ مجھے دو سال تک یہ خیال

چین نہیں لینے دے گا کہ چلتے وقت میں تمہارے دیدار سے محروم رہا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ جب تک میں جہاز میں سے دیکھ سکوں تم مجھے نظر آتی رہو۔"

ثمرانہ آہستہ سے کچھ رُکتے ہوئے بولی :۔

" اچھا۔ ایرپورٹ جاؤں گی !"

کامران نے کہا ـــــــ " بس ایک بات اور ـــــ !"

ثمرانہ مسکرا کر بولی :۔

" جی "

کامران نے کہا :۔ " کل تم سُرخ دوپٹہ اوڑھ کر ایرپورٹ جانا !"

ثمرانہ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر بولی :۔

" ہائے اللہ، میں تو شرم سے مرجاؤں گی۔ یہ سُرخ دوپٹہ اوڑھنے کا کونسا موقعہ ہے !"

کامران نے کہا :۔

" اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ تمہارے لال دوپٹے کی وجہ سے میں تم کو دُور سے بھی پہچان سکوں گا !"

ثمرانہ نے کہا :۔ " یہ تو بہت مشکل ہے !"

کامران نے کہا :۔

" دُنیا کی کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔ کوشش کرنا !"

اور ثمرانہ خدا حافظ کہہ کر واپس آگئی۔

سب نے بہت ہی بوجھل دل سے صبح کا استقبال کیا۔ یہ صبح سب کے لئے آنسوؤں کا سیلاب لائی تھی۔ بہنیں رو رو کر بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔ عمرانہ بیگم بھی رو رہی تھیں۔ نعمان احمد آبدیدہ تھے۔ ثمرانہ اپنے کمرے میں آنسو بہا رہی تھی اور کامران کا حال بھی ان سب سے مختلف نہیں تھا۔ ان کا بھی دل بھر بھر کے آ رہا تھا !

نیلما کو معلوم تھا کہ کامرآن ثمرآنہ سے مل چکے ہیں۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ انھوں نے اس سے ایرپورٹ جانے کی خواہش ظاہر کی ہے، لیکن وہ خود چاہتی تھی کہ ثمرآنہ ایرپورٹ ضرور جائے۔ جب اس نے ثمرآنہ سے کہا تو وہ راضی ہوگئی اور اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

"میں لال دوپٹہ اوڑھ کر ہرگز نہ جاؤں گی۔"

یہ انوکھی منطق نیلما کی سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن وہ بغیر سمجھے ہوئے بھی یہ چاہتی تھی کہ ثمرآنہ کامرآن کی خواہش کا احترام کرے اور یہ سمجھنا اس کے لئے دُشوار نہ تھا کہ لال دوپٹے کی خواہش کامرآن نے ہی ظاہر کی ہے۔

اُس نے اصرار کر کے گہرا تربوزی دوپٹہ اس کو اُڑھا دیا۔

ایرپورٹ پہنچ کر بھی سب کا بُرا حال تھا۔ سب بُری طرح رو رہے تھے۔

جہاز میں جاتے وقت کامرآن بار بار مُڑ مُڑ کر دیکھ رہے تھے اور رومال آنکھوں تک لے جاتے تھے۔ جب تک جہاز کا دروازہ بند نہیں ہوا وہ وہیں کھڑے ہوئے ہاتھ ہلاتے رہے۔

ثمرآنہ کو اپنے آنسوؤں پر قابو پانا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

وہ سب کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

وہ نیلما کو لے کر ذرا الگ کو کھڑی ہوگئی۔

کامرآن کو دو لڑکیاں الگ کھڑی ہوئی دُور تک نظر آتی رہیں، اور ثمرآنہ تربوزی دوپٹے کی وجہ سے دور تک پہچانی جاتی رہی۔

اور اس طرح ثمرآنہ نے اس وقت سے کامرآن کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا احترام کرنا شروع کیا۔ جب کہ وہ ایک بندھن میں بندھے بھی نہیں تھے۔ کامرآن کو اپنی بات منوانے کا خوب ڈھنگ آتا تھا۔ اور ثمرآنہ ان کی ہر بات منوانے میں خوشی محسوس کرتی تھی۔

کامرآن کے جانے کے بعد نیلما اور تبسم بھی پنڈی چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد اپنی اپنی جگہ سب کی ہی زندگیوں میں خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔ ثمر آنہ بہت خاموش رہنے لگی تھی۔ نیلما اور تبسم بھائی کی جدائی بہت محسوس کر رہی تھیں۔ حمیدہ بیگم کی تو بُری حالت تھی۔ وہ دن رات کامرآن کی سلامتی کے لئے دُعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ نوید احمد بھی کامرآن کے جانے کے بعد کافی خاموش رہنے لگے تھے۔

رفتہ رفتہ سب اس خاموشی اور اُداسی کے عادی ہو گئے تھے۔ زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔

جب کامرآن کا خط آجاتا تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ حمیدہ بیگم مسکرا مسکرا کر کامرآن کے خط کا مضمون اپنی ہر ملنے والی کو سُناتیں۔ بہنیں بھی خوشی سے پھُولی نہ سماتیں۔

ایک دن کامرآن کا لفافہ نیلما کے نام آیا۔ اس میں ایک اور چھوٹا سا لفافہ تھا جس پر ثمر آنہ کا نام لکھا ہُوا تھا۔ کامرآن نے نیلما کو لکھا تھا کہ وہ ثمر آنہ کا خط بحفاظت اُس تک پہنچا دے۔ اور اس کو جواب دینے کی تاکید کر دے۔

نیلما نے فوراً ہی ایک خط ثمر آنہ کو لکھا۔ مذاق میں دو چار فقرے بھی چست کئے اور کامرآن کے خط کا جواب دینے کی تاکید کر دی تھی۔

ثمرآنہ نے خوشی خوشی نیلما کا خط کھولا۔ اس میں ایک چھوٹا لفافہ دیکھ کر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ شرم سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ وہ پہچان گئی تھی کہ یہ خط کامرآن کا ہے۔

اس نے خوشی اور دھڑکتے دل سے لفافہ کھولا۔ خط کا مضمون بہت پاکیزہ اور خلوص میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے خط کو بار بار پڑھا۔ کامرآن نے خط کا جواب دینے کی بہت تاکید کی تھی۔ اور نیلما نے بھی بہت دھمکیاں دے کر لکھا تھا کہ اگر تم نے بھائی جان کے خط کا جواب نہ دیا تو میں یہ کروں گی، وہ کروں گی، وغیرہ وغیرہ۔

دو تین روز تک وہ بہت پریشان رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے جواب دے، کیا لکھے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا۔ خط لکھنے کے ارادے سے کئی مرتبہ قلم اور پیڈ لے کر بیٹھی لیکن شرم کی وجہ سے نہ لکھ سکی۔ کبھی سوچتی کہ جواب نہ دوں۔ اور کبھی سوچتی کہ جواب نہ دیا تو کامرآن ناراض ہو جائیں گے۔ کئی دن کی سوچ بچار کے بعد وہ چند لائنوں کا خط لکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ خط پوسٹ کروانے کے کئی گھنٹے بعد تک اس کا دل دھڑکتا رہا۔ کبھی وہ آپ ہی آپ مسکرانے لگتی اور کبھی خود ہی خوفزدہ ہو جاتی۔

خط و کتابت کا یہ سلسلہ چل نکلا تھا۔ وہ جان بوجھ کر دیر میں جواب دیتی تھی۔ اور کامرآن کا خط پہلے نیلما کے پاس آتا پھر ثمرآنہ کے پاس، اس طرح اس میں بھی کافی وقت لگ جاتا تھا۔ ثمرآنہ چاہتی تھی کہ یہ سلسلہ قائم نہ رہے، یا کم از کم اس کی رفتار ہی کم رہے۔ اس نے کامرآن کو لکھا بھی تھا کہ اتنی جلدی خط نہ بھیجا کریں، اور کامرآن نے اس کے کہنے پر عمل بھی کیا۔

کامرآن نے اس کو اپنے ہر خط میں یہ یقین دلایا کہ وہ اب تک اس کا وفادار ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ اب ثمرآنہ بہت مطمئن رہنے لگی تھی۔ اور یہ جُدائی کی گھڑیاں نسبتاً آسان ہو گئی تھیں اور دبے پاؤں بیتتی جا رہی تھیں۔

ثمرآنہ اپنے مستقبل کے حسین خوابوں میں کھوئی رہتی۔ کامرآن کا خط پا کر وہ کئی

کئی دنوں تک کسی اور ہی دُنیا میں پہنچی رہتی۔ کامراؔن کے خط کے ساتھ ہی نیلماؔ کے بھی پیاری پیاری چھیڑ چھاڑ سے پُر خط آتے.......

کامراؔن کے آنے کی وہ گھڑیاں ہی گنتی رہتی تھی۔

امتحان قریب آتے تو وہ کامراؔن کو لکھ دیتی تھی کہ کچھ دنوں تک خط نہ لکھیں اور پھر وہ دل وجان سے اپنی پڑھائی میں مصروف ہو جاتی!

اچھا اور بُرا دونوں ہی وقت گزر جاتے ہیں۔ یہ دو سال بھی کسی نہ کسی طرح گزر ہی گئے۔

آج کامران کے آنے کی گہما گہمی ہے۔ حمیدہ بیگم، نوید احمد، نیلما اور تبسم سب کراچی آئے ہوئے ہیں۔ ایئر پورٹ جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ گھر کا ہر فرد بے حد خوش ہے، ثمرآنہ ان سب ہنگاموں سے الگ تھلگ اپنے کمرے میں چھپی بیٹھی ہے۔ اب اس کو خالہ امّی کے سامنے بھی آتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حمیدہ بیگم اب شادی کی تاریخ طے کر کے ہی یہاں سے جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ثمرآنہ ان کے اس ارادے سے واقف تھی۔ اس لئے وہ پورا دن اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ تبسم اور نیلما بھی وہیں رہتی تھیں اور اکثر و بیشتر ان کی دو چار سہیلیاں آجاتی تھیں۔ اور خوب ادھم مچتا تھا۔

تبسم اور نیلما نے ثمرآنہ کی بہت خوشامد کی کہ وہ بھی ایئر پورٹ چلے۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی۔ نیلما نے کہا کہ:۔

"اگر تم ایئر پورٹ نہ گئیں تو بھائی جان تم سے ناراض ہو جائیں گے!"

ثمرآنہ نے نیلما کی بہت خوشامد کی:۔

"اچھی نیلما۔ مجھے نہ لے جاؤ۔ اور مجھ سے کسی کو ناراض بھی نہ ہونے دینا۔ تم سمجھا دینا"

نیلما چہک کر بولی:۔

"واہ۔ یہ اچھی رہی۔ آپ جائیں گی بھی نہیں اور میں کسی کو ناراض بھی نہ ہونے دوں۔"

ثمرآنہ نے بہت خوشامد کر کے آخر نیلما کو راضی کر ہی لیا کہ وہ کامران کو ثمرآنہ کے نہ آنے کی وجہ سمجھا دے گی۔ اور یہ کہ وہ اُس سے ناراض نہ ہوں۔

جہاز آنے میں ابھی چند منٹ تھے۔ ہر شخص بے چینی سے بار بار اپنی گھڑی کی طرف نظر ڈالتا۔

فضا میں گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں جہاز رن وے پر آتا ہوا نظر آیا۔ سب کو اتنی بے چینی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ جہاز فوراً کھڑا ہو جائے۔ اور کسی طرح اس میں سے جلدی سے کامران نکل آئیں۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ کامران سیاہ سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس لئے، کندھے پر کیمرہ ڈالے مسکراتے ہوئے نمودار ہوئے۔

سب کے چہرے خوشی سے تمتما گئے۔ سب ان کی طرف دیوانہ وار لپکے۔ لیکن ابھی چند صبر آزما گھڑیاں اور باقی تھیں۔ جب تک کسٹم سے فارغ نہ ہوں، وہ ان لوگوں سے نہیں مل سکتے تھے۔

خدا خدا کر کے یہ گھڑیاں بھی ختم ہوئیں۔

کامران سب سے پہلے ماں سے لپٹ گئے۔ پھر نوید احمد نے گلے لگایا۔ پھر وہ باری باری سب سے ملے۔

اُن کی نظریں چاروں طرف کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ نیلما اور تبسم جانتی تھیں کہ

یہ ثمرآنہ کی تلاش میں ہیں۔ تبسم چاہتی تھیں کہ ان کو جلدی سے ثمرآنہ کے نہ آنے کی وجہ بتادیں لیکن وہ سب کے بیچ میں کھڑے ہوئے تھے، اور کچھ کہنا مشکل تھا۔

نیلما نے کسی نہ کسی طرح چپکے سے ان کے کان میں کہہ ہی دیا :۔

" بھائی جان، اب اِدھر اُدھر ثمرآنہ کو تلاش نہ کیجئے۔ وہ اب آپ سے پردہ کریں گی اب آپ کی شادی کی تاریخ مقرر ہونے والی ہے "۔

کامران کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، مگر وہ ثمرآنہ کو دیکھے بغیر بہت بے چین تھے۔ اس وقت انہوں نے خاموش رہنے میں ہی مصلحت سمجھی اور سوچا پردہ وردہ کیسا، گھر جاکر مل لوں گا۔

ایئر پورٹ سے گھر تک کا راستہ خوش گپیوں میں گزر گیا۔ آج سب کے چہرے خوشی سے تمتمارہے تھے۔ ماں باپ اور بہنیں تو کامران کی کامیابی پر جتنا بھی خوش ہوتیں کم تھا۔ لیکن عمرانہ بیگم، نعمان احمد، خرم اور بچیاں بھی کچھ کم خوش نہیں تھیں۔ ان لوگوں نے کامران کو کبھی بھی اپنے سے الگ نہیں سمجھا تھا۔

حمیدہ بیگم کا دو دن کراچی میں ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ وہ ان دو دنوں میں شادی کی تاریخ طے کر کے جانا چاہتی تھیں۔

گھر پہنچتے ہی نیلما دوڑ کر ثمرآنہ کے کمرے میں گئی اور اس سے لپٹ گئی۔

ثمرآنہ کہنے لگی :۔

" ارے خیر تو ہے۔ "

نیلما خوشی سے جھومتی ہوئی بولی :۔

" میرے بھائی جان آگئے اور تم پوچھتی ہو خیر تو ہے۔ "

ثمرآنہ شرم اور خوشی سے گلابی ہوگئی۔

پھر نیلما بہت سنجیدگی سے بولی :۔

"ثمرانہ! تم ایئرپورٹ پر نہیں تھیں تو بھائی جان تم سے ناراض ہو گئے!"

ثمرانہ گھبرا کر بولی :-

"ہائے اللہ، کیا سچ مچ!"

نیلما ہنس کر بولی :-

"سچ یا جھوٹ۔ میں تو تمہارا دل دیکھ رہی تھی کہ کتنا مضبوط ہے۔ ذرا سی بات میں سہم جاتی ہو۔ آج بھائی جان کے آنے کی خوشی میں تمہیں نہیں ستاؤں گی۔ اب میں سچ سچ بتائے دیتی ہوں کہ کیا بات ہوئی تھی۔

پھر اس نے ثمرانہ کو بتایا کہ اس نے کامران کو مطمئن کر دیا ہے، اور وہ بالکل ناراض نہیں ہیں ——— یہ سن کر ثمرانہ کی بھی جان میں جان آئی۔

گھر میں بہت چہل پہل تھی۔ کامران سے ملنے کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اِس قدر ہنگامہ تھا۔ کامران کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ثمرانہ کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھے۔ مگر ثمرانہ تو ایسی چھپی بیٹھی تھی کہ وہ اس کا آنچل تک نہ دیکھ سکے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ثمرانہ جھانک کر ان کو دیکھ چکی تھی۔

نیلما اور تبسم بھائی کی بے چینی کی وجہ سمجھتی تھیں۔ رات کو نیلما جب کامران کے پاس جا کر کھڑی ہوئی تو انھوں نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔ بھئی مجھے آئے ہوئے اتنی دیر ہو چکی ہے لیکن ابھی تک ثمرانہ کی ایک جھلک تک نہ دیکھ سکا۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے یہ پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے۔

نیلما بولی :-

"ارے یہ کیا مشکل ہے۔ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں ابھی تھوڑی ہی دیر میں آکر کہہ دوں گی کہ آپ سے ملنے کوئی صاحب آئے ہیں۔ آپ باہر جا کر پیچھے کی گیلری میں آجائیے گا۔ اور پھر میں ثمرانہ کو بھیج دوں گی۔ مگر بھائی جان! اب میرے اس کام کی

قیمت بڑھ گئی ہے۔ باڑھ رُکائی میں سب وصُول کروں گی۔

کامرآن خوش ہو کر بولے :۔

" بھئی واہ، تم تو بہت ہوشیار ہو گئی ہو۔ اطمینان رکھو۔ تم جو مانگو گی ضرور ملے گا۔"

نیلمآ کی ترکیب بہت کامیاب رہی۔ ادھر کامرآن گیلری میں گئے۔ ادھر نیلمآ نے ثمرآنہ سے کہا۔ ذرا میرے ساتھ پیچھے والی گیلری تک تو چلو، مجھے ڈر لگتا ہے۔ ثمرآنہ نے سوچا۔ اس وقت سب تو دوسری طرف ہیں۔ نیلمآ کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ اچھی طرح سوچ کر اطمینان کر کے نیلمآ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ گیلری میں پہنچ کر ثمرآنہ نے پوچھا :۔

" مگر اس وقت تمہیں یہاں کام کیا تھا؟"

نیلمآ مسکرا کر بولی :۔

" کام ابھی بتائے دیتی ہوں۔"

کامرآن کو دیکھ کر وہ بولی :۔

" لیجئے بھائی جان، یہ ثمرآنہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ بھاگ گئی۔

ثمرآنہ بھی اس کے پیچھے بھاگی۔ لیکن نیلمآ نے دروازہ بند کر لیا۔ اور ثمرآنہ وہیں رہ گئی۔ کامرآن اس کے قریب آ کر بولے :۔

" مجھ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟"

ثمرآنہ نظریں جُھکائے ہوئے خاموش کھڑی رہی۔ اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا ______ کامرآن پھر بولے :۔

" بھئی اتنے دن بعد آیا ہوں، نہ سلام نہ دُعا، نہ خیریت ہی پُوچھی"

ثمرآنہ پھر خاموش رہی۔

کامران بولے :-

"کچھ تو بولو۔ میں دو سال تک جھک مار کر آرہا ہوں۔ یہی پوچھ لو کہ اتنے دن میں میرے اوپر کیا گزری؟"

ثمرانہ بدستور نظریں جھکائے ہوئے خاموش کھڑی رہی۔

کامران بولے :-

"تم نے پھر وہی اپنی عادت اختیار کر لی۔ یہ تمہارا چپ رہنا مجھے بالکل پسند نہیں۔"

ثمرآنہ بہت مشکل سے ہمّت کرکے بولی :-

"آپ یہاں کیوں آگئے۔ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا"

کامرآن بولے :-

"بھئی واہ، اتنی دیر بعد بولیں بھی تو یہ۔ ارے بھئی، کچھ اپنی کہو، کچھ میری سنو!"

ثمرآنہ نے نیچے نظریں کئے ہوئے جواب دیا۔

"اب کچھ دنوں کے لئے یہ کہنا سُننا ملتوی کر دیجئے"

پھر خود ہی اپنی بات پر شرما کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپالیا۔

کامرآن نے کہا :-

"ابھی تک تو زبان پر ہی تالا لگا ہُوا تھا۔ اب مُنہ بھی چھپا لیا۔ بھئی مُنہ پر سے ہاتھ ہٹاؤ ورنہ یہ ہاتھ مجھے ہٹانے پڑیں گے۔ پھر تم کہوگی کہ میں بے شرم ہو گیا ہوں"

ثمرآنہ نے جلدی سے ہاتھ ہٹا لئے :-

کامرآن نے کہا :-

"یہ دو سال بھی گزر ہی گئے ثمورانی! اب تو ہماری دائمی خوشیوں کا دور آرہا ہے ..... کیوں، تم بھی خوش ہو نا؟"

"جی" ـــــ ثمرآنہ نے مختصر جواب دیا۔

کامرآن نے کہا:۔

" صبح سے دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ مگر تم اتنی سنگ دل ہو، پردے میں چھپی رہیں، میری بے چینی کا ذرا خیال نہیں کیا۔ میں تمہارے لئے ایک حقیر سا تحفہ لایا ہوں۔ جو خود تمہیں دینا چاہتا تھا۔"

کامرآن نے جیب میں سے ایک خوبصورت "ڈبہ" نکالا۔ جس میں ایک "اومیگا" گھڑی جگمگا رہی تھی۔

کامران بولے:۔

"میری یہ خواہش ہے کہ یہ گھڑی میں تم کو خود پہناؤں۔ کیا میں یہ جرأت کر سکتا ہوں؟"

ثمرآنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لئے۔

کامرآن اس کی اس معصومیت پر مسکرانے لگے۔

کامران پھر بولے:۔

"تم نے ہاتھ بڑھانے کے بجائے پیچھے کر لئے۔ کیا میرا تحفہ پسند نہیں آیا؟"

ثمرآنہ جھجکتے ہوئے بولی:۔

"جی...... نہیں تو......"

کامرآن نے کہا:۔

" تو پھر بڑھاؤ ہاتھ......"

ثمرآنہ نے ڈبہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا:۔

" میں خود پہن لوں گی۔"

کامرآن شرارت سے مسکرا کر بولے:۔

" اگر میں خود پہننے کی اجازت نہ دوں تو......"

ثمرآنہ خاموش ہو گئی۔

کامرآن پھر بولے :۔

"تم تو ایسے ہاتھ چھپا رہی ہو، جیسے میں ہاتھ پکڑ کر تمہیں کہیں بھگا کر لے جاؤں گا۔"

پھر مسکرا کر بولے :۔

"وہ بھول گئیں، جب تم نے ایک مرتبہ ہاتھ پکڑنے کے لئے خود مجھے آواز دے کر بُلایا تھا۔"

ثمرآنہ شرماتے ہوئے بولی :۔

"ہائے اللہ، آپ کتنے خراب ہیں۔ میں نے تو آپ کو نہیں پکارا تھا۔"

کامران بولے :۔

"پکارا تھا یا نہیں پکارا تھا۔ مگر یہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے تمہارا ہاتھ ضرور پکڑا تھا"

پھر تحکمانہ لہجے میں بولے :۔

"لاؤ جلدی سے ہاتھ بڑھاؤ۔ میں تو خود ہی پہناؤں گا۔"

ثمرآنہ نے جھجکتے ہوئے اپنی کلائی بڑھادی۔ اور کامرآن نے وہ خوبصورت گھڑی اس کی پیاری سی کلائی میں پہنادی۔

کامرآن نے پوچھا :۔

"پسند آئی ؟"

ثمرآنہ نے مختصراً جواب دیا :۔

"جی"

پھر فوراً ہی ثمرآنہ گھڑی اتارنے لگی۔

کامرآن بولے :۔

"تمہارے گھڑی اتارنے سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تمہیں پسند نہیں آئی ؟"

ثمرآنہ نے کہا :۔ "یہ بات نہیں، بلکہ سب دیکھیں گے تو کیا کہیں گے،

میں اتار کر چھپا کر رکھ دوں گی۔"

کامرآن بولے :۔

"بھئی، تم دُوسروں کی بہت پرواہ کرتی ہو۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں نے یہ گھڑی تم کو دی ہے۔ اس میں کوئی بُری بات نہیں ہے!"

ثمرآنہ خاموش ہو گئی۔

پھر بولی :۔

"اب میں جاتی ہوں۔ بہت دیر ہو گئی۔"

کامرآن جذباتی لہجے میں بولے :۔

"دل تو یہ چاہتا ہے کہ ہم دونوں تمام رات یوں ہی کھڑے رہیں۔"

ثمرآنہ مسکرا کر بولی :۔

"اب اتنے زیادہ بے صبر نہ بنیئے۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگی تو کامرآن نے کہا :۔

"دروازہ تو نیلما بند کر گئی ہے۔"

ثمرآنہ نے گھبرا کر کہا :۔

"ہائے اللہ، اب کیا ہو گا؟"

اس نے دروازے کو دھکا دے کر دیکھا تو وہ کھلا ہوا تھا وہ مسکراتے ہوئے کامرآن پر ایک نظر ڈالتی ہوئی چلی گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر دیکھا تو نیلما اس کے بستر پر براجمان تھی ــــ نیلما اس کو دیکھتے ہی بولی :۔

"دروازہ تو کھلا ہوا تھا۔ آپ اب تشریف لا رہی ہیں۔"

ثمرآنہ کھسیانی سی ہو گئی۔ اور وہ دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے اپنی گھڑی

اُتارنے لگی۔

نیلماؔ جلدی سے کُود کر اس کے پاس آکر بولی :۔

" یہ کیا ہو رہا ہے ؟ "

ثمرانہ نے گھڑی چھپانے کی کوشش کی، لیکن نیلماؔ نے جھپٹ کر چھین لی۔ اور بولی :۔

" اچھا، تو یہ تحفہ لے کر آ رہی ہیں، اور ہم سے ہی چھپایا جا رہا ہے !۔ بی ثمرانہ، یہ رازداری برت کر تم بہت نقصان اُٹھاؤ گی ! "

اور بے چاری ثمرانہ جھینپ کر خاموش ہو گئی۔

حمیدہ بیگم شادی کے لئے اگلے ماہ کی ۱۹ر تاریخ طے کر کے جا چکی تھیں۔ دونوں طرف تیاریاں زوروں پر تھیں۔ دونوں گھروں میں خوب چہل پہل تھی۔ جوڑوں کی ٹکائی، سلائی پھیلی ہوئی تھی۔ زیورات بن رہے تھے۔ ثمر آنہ بیگم تو بہت ہی زیادہ مصروف تھیں۔ کہیں برتنوں کی خریداری ہو رہی ہے تو کہیں فرنیچر کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔ ثمر آنہ کی سہیلیاں ہر وقت اس کو گھیرے رہتی تھیں۔ وہ تو اب کمرے سے باہر نکلتی ہی نہیں تھی۔ وہیں لڑکیاں سلائی بھی کرتیں اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق بھی کرتی تھیں۔ مذاق کا نشانہ تو زیادہ ثمر انہ ہی بنی رہتی تھی۔

جہیز سب مکمل ہو چکا تھا۔ ہر چیز میں نفاست اور سلیقہ تھا۔ بارات کے استقبال اور ٹھہرانے کا بہت شاندار طریقے سے بندوبست کیا گیا تھا۔ ہر طرف خوشیوں کی بارش تھی شادی کی ساری رسمیں بہت باقاعدگی سے ادا کی گئیں۔

بی ثمر آنہ اب کامران کی ہو گئیں، ماں، باپ، بہن بھائی، دوست رشتہ داروں نے ہچکیوں اور سسکیوں کو ضبط کرتے ہوئے اپنی بہترین دعاؤں کے ساتھ اس کو رخصت کیا۔ ثمر آنہ کی روتے روتے بُری حالت تھی۔ حمیدہ بیگم نے بہت دلاسے دیئے۔

"تم کسی غیر کے گھر تو نہیں جا رہی ہو۔ وہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے!"

اب ثمرآنہ بہو بن کر "کامران منزل" میں داخل ہوئیں۔ گھر میں بہو کی آمد سے ہر شخص خوش تھا اور حمیدہ بیگم کی خوشی تو ناقابلِ بیان تھی۔ وہ تو بہو پر اس قدر واری قربان ہوئی جارہی تھیں۔ بار بار آکر اس کا مُنہ دیکھتی تھیں اور چُومتی تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ثمرآنہ دلہن بن کر واقعی بے حد حسین لگ رہی تھی۔

کامران میاں نے جب ثمرآنہ کو دُلہن کے رُوپ میں دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے، اس وقت تو وہ ان کے تصوّرات سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ ان کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ آج مدّت کے انتظار کے بعد وہ ثمرآنہ کو پورے طور سے اپنا کہہ سکتے تھے۔

اب کامران اور ثمرآنہ کے دن عید اور راتیں شب برات تھیں۔ شادی کے فوراً بعد ہی وہ دونوں ہنی مون منانے چلے گئے۔ وہ ہر اُس جگہ گئے جہاں اُن کے بچپن اور جوانی کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ لالہ زار گئے۔ اس پتھر پر بہت دیر تک بیٹھے رہے جہاں ان دونوں نے ایک دُوسرے سے اقرارِ محبّت کیا تھا۔ وہ ایک ایک بات کو یاد کرتے تھے اور قہقہے لگاتے تھے۔ ان کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس سے زیادہ خوشی کو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں اپنی خوشیوں کی معراج مل گئی تھی۔

ہنی مون سے واپس آکر بھی وہ اپنی خوشیوں میں گم رہے۔ حمیدہ بیگم تو ثمرآنہ کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ نندیں تھیں کہ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ بھاوج کے پیر دھو دھو کر پئیں۔ کبھی پکنکیں منائی جارہی ہیں، کبھی پکچر کے پروگرام بن رہے ہیں۔ کبھی گھر میں ہی کیرم اور بیڈمنٹن کے میچ کھیلے جارہے ہیں۔ ہر طرف خوشیوں اور شادمانیوں کا دَور دَورہ تھا۔

حمیدہ بیگم اور نوید احمد نے ثمرآنہ کو اپنے ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی، اور ثمرآنہ نے بھی بیٹی بن کر دکھایا۔ ان کی ہر چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھتی۔ نندوں کو اپنے ہاتھ سے سی سی کر پہناتی۔ اس گھر کی خوشیوں پر دُنیا رشک کرتی تھی۔

اسی طرح خوشیوں اور مسرتوں کے کئی سال گزر گئے۔ تبسم اور نیلما کی شادیاں ہو گئیں۔ ثمرآنہ نے ان کو سگی بہنوں کی طرح رخصت کیا۔ سارا انتظام اپنے ہاتھ سے کیا۔ حمیدہ بیگم کو تو اس نے اتنا آرام پہنچایا تھا کہ انہیں خود پانی تک نہیں پینا پڑتا تھا۔ گھر کا سارا انتظام اب ثمرآنہ کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ اور وہ بے حد خوش اسلوبی سے اس کو نبھا رہی تھی۔ ننھے شمریز نے آکر اس کی خوشیوں اور مصروفیتوں میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اتنی مصروفیتوں کے باوجود بھی وہ کامران کے کام میں کوتاہی نہیں ہونے دیتی تھی۔ وہ ان کے لئے طرح طرح کے سوئیٹر بنتی رومال کاڑھتی۔ ان کی پسندیدہ چیزیں پکا پکا کر کھلاتی۔ گھر کی سجاوٹ کی طرف خاص توجہ دیتی نئے نئے طریقوں سے گھر کو سجاتی۔ جو بھی دیکھتا، اس کے حسنِ انتظام اور سلیقے کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔

کامرآن کی پوسٹنگ اب لاہور میں ہو گئی تھی۔ اس کو ساس سسر کو چھوڑنے کا بہت افسوس تھا۔ لیکن مجبوری تھی۔ پھر بھی اکثر وہ پنڈی جاکر رہتی تھی۔ کبھی ساس سسر کو اپنے پاس بلا لیتی تھی۔ بیٹیوں کی شادی کے بعد ثمرآنہ نے دُور رہ کر بھی ان کو بیٹیوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

پھر نہ معلوم کتنا عرصہ گزر گیا۔ اور بڑے سے بڑے انقلاب آ گئے۔ ثمر آنہ کے لئے اب ثمر ریز کے بعد ننھی رمتا کی مصروفیتیں بھی بڑھ گئی تھیں۔ خرم لندن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئے لیکن ان کو پھر لندن میں سروس مل گئی تھی اور وہ دوبارہ چلے گئے تھے۔

نعمان احمد نے وکالت چھوڑنے کے بعد حیدر آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

اور ثمر آنہ کی خوشیوں کو نظر لگ گئی تھی!

اور کامی...... اب اپنی زندگی کا وہ سرا کہاں سے پکڑوں جہاں سے ہم دونوں ایک راستے پر چلتے چلتے ایک دوراہے پر آگئے۔ اور آہستہ آہستہ دو مختلف راستوں پر چلنے لگے...... کبھی کبھی مڑ کر ایک دُوسرے کو دیکھ لیتے اور پھر زندگی کے اس سفر پر تنہا روانہ ہوجاتے۔ میں تنہا تھی...... اور تمہارا ساتھ دینے والے تمہارے بہت سے ہمسفر تھے۔

ہم لوگ ایک دُوسرے کو اُسی وقت تک دیکھ سکتے تھے۔ جب تک دونوں کے درمیان کا فاصلہ کم تھا...... پھر یہ فاصلہ بڑھتے بڑھتے اتنا ہوگیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہوگئے...... اب پلٹ کر دیکھنا بے سود ہے کامی! ہم دونوں ایک دُوسرے سے بہت دُور جا چکے ہیں۔ آنکھوں سے دُور ہو کر دلوں سے بھی دُور ہوگئے ہیں۔ تمہارے لئے خوشیاں اور ہنگامے بہت ہیں اور میں...... میں بالکل تنہا ہوں میری زندگی میں سوائے تاریکی اور سنّاٹے کے کچھ نہیں...... ؎

ہم اہلِ دل کا زمانہ ہی ساتھ دے نہ سکا!
ہمیں بھی دُکھ ہے کہ ہم اِس سفر میں تنہا ہیں

یہ زندگی کا سفر مجھے تنہا ہی طے کرنا ہوگا۔ مُڑ کر دیکھنے سے سوائے نقشِ پا کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اُداسی میری نس نس میں رچی جا رہی ہے...... ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے

..... مہیب سناٹا ہے۔ میں تو تمہارے بغیر ایک قدم بھی چلنے کا تصوّر نہیں کر سکتی تھی کامی! اور تم نے مجھے ان اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا.......

میرے کامی...... یہ تم نے مجھ سے کس بات کا بدلہ لیا ہے۔ میری بے لوث خدمتوں کا؟ یا اس محبت کا جو میں نے تم سے کی ہے....... جس محبّت کے آگے پیچھے میں نے کچھ نہیں دیکھا...... جس محبت پر اندھا یقین کیا....... جس محبت پر میں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا......

لیکن کامی ـــــ غلطی شائد میری ہی تھی۔ میں نے اس محبّت کو اپنی میراث سمجھ لیا۔ میں اس کو جاوداں بنانا چاہتی تھی...... یہ میری بھول تھی..... زندگی کی ہر خوشی جھولی میں آکر نہیں گرا کرتی..... مگر کامی...... میں اپنے خدا سے پوچھتی ہوں کہ مجھ سے کیوں بھول ہوئی۔ میرے کامی! تم نے جو زندگی بھر ساتھ دینے کے وعدے کئے تھے۔ وہ کیا ہوئے.......

میرے کامران، مجھے صبر کیوں نہیں آتا...... مجھے صبر کیوں نہیں آجاتا..... اُف میں پاگل ہو جاؤں گی....... مجھ سے یہ غم برداشت نہیں ہو سکتا۔ یہ تم نے کیا کر دیا ہے کامی!....... مجھے ساحل کا نشان دکھا کر بیچ منجدھار میں کیوں چھوڑ دیا۔ کامی! تم نے میرا پکڑا ہوا ہاتھ بیچ بھنور میں کیوں چھوڑ دیا۔ تم نے میرا ہاتھ مضبوطی سے کیوں نہیں تھاما تھا..... کیا چھوڑنے کے لئے ہی پکڑا تھا۔ کیا اسی لئے تم نے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کے عہد و پیمان کئے تھے۔

میری دوسری بھول یہ تھی کہ میں مرد کی فطرت کو جانتے ہوئے بھی تم کو سب مردوں سے بالکل الگ سمجھتی تھی..... کاش میں بھی تم کو عام مردوں کی طرح سمجھ لیتی۔ تم سے غلط امیدیں وابستہ نہ کر لیتی..... میں بھی تمہیں اور مردوں کی طرح شروع سے ہی بے وفا سمجھ لیتی تو اس وقت یہ بے وفائی کا داغ میری روح کو اس طرح زخمی نہ کر رہا ہوتا..... اے خدا

تُو نے مجھے اس بھُول کے ہو جانے سے پہلے ہی کیوں نہ اُٹھا لیا......
یہ بھُولیں..... جو میری زندگی کا المیہ بن گئی ہیں..... میں تو اپنی محبت میں اندھی ہو گئی تھی....... میں تو صرف یہ جانتی تھی کہ:۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں اور ٹوٹ کر کرتی ہوں۔"

تم میرے ہو چکے ہو...... اور اب دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مجھ سے نہیں چھین سکتی.... .... تم بھی میری طرح مرتے دم تک ساتھ دینے کے وعدے پر قائم رہو گے.... اُف ...... میں نے یہ نہ سوچا کہ تم بھی ایک مرد ہو!

جب کبھی میں نے سوچا کہ مرد بے وفا ہوتا ہے اور تم بھی مرد ہو اور بے وفائی کر سکتے ہو...... اسی لمحے میں نے سوچا کہ اس خیال کو میں نے دل میں کیوں آنے دیا۔ اِس سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی.......

جب میں نے سوچا کہ مرد ہرجائی ہوتا ہے...... تم بھی ہرجائی ہو سکتے ہو.... کامی! تم تصوّر نہیں کر سکو گے کہ اس خیال سے ہی اس وقت میری کیا حالت ہوئی تھی..... میں تمہارے ہرجائی ہونے کا تصوّر بھی نہ کر سکتی تھی...... تم..... تم نے جو مجھ کو اتنی چاہت سے اپنایا تھا..... بھلا تم کس طرح ہرجائی ہو سکتے ہو........

میں نے جب سوچا کہ مرد عورت کی وفا کی قدر نہیں کر سکتا..... کیا تم بھی ایسے ہو جاؤ گے..... کامی! اس وقت میں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا.... یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری وفادار رہوں، اور تم اس کی قدر نہ کرو...... میں جو بچپن سے تمہیں اپنے من مندر میں چھپائے ہوئی تھی...... تمہاری پرستش کرتی تھی.... ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک..... ہاں، اب تک..... کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جو تمہارے خیال سے خالی ہوتا..... تم ہمیشہ کی طرح اب بھی میرے من مندر میں بسے ہوئے ہو..... میں اب بھی تم سے نفرت نہیں کر سکتی..... میں تم سے نفرت کا خیال بھی

ذہن میں نہیں لا سکتی...... میں خود کشی کر لوں گی لیکن تم سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم میری وفا کی قدر نہ کرو!"

جب میں نے سوچا کہ مرد ظالم ہوتا ہے۔ وہ عورت پر ظلم کر کے اس کی بے بسی پر قہقہے لگاتا ہے..... کیا تم بھی ایسے ہو جاؤ گے؟..... اور اس لمحے مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی...... میں تمہارے لئے ایسا کیوں سوچتی ہوں..... تم ظالم کیسے ہو سکتے ہو۔ تم کیسے عورت کی بے بسی پر قہقہے لگا سکتے ہو..... تم..... تم جو میرے لئے کائنات سے زیادہ حسین ہو...... تم جو بے حد لطیف جذبات رکھتے ہو... تم جو اتنے نرم دل ہو...... کہ میری خاموشی تمہیں غمزدہ کر دیتی ہے۔ بھلا تمہارا ظلم سے کیا واسطہ...... نہیں، وہ دوسرے مرد ہوتے ہوں گے۔ میں نے اپنے سر کو جھٹکا۔ تم تو ایسے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ تم تو ظلم کے نام پر خود کانپ جاتے ہو..... تم کیسے کسی پر ظلم کر سکو گے...... اور ظلم بھی کس پر؟..... مجھ پر...... اپنی ثمورانی پر..... جس کو تم نے اپنے دل و جان سے زیادہ چاہا..... جس کی محبّت میں تم اپنی سدھ بدھ بھی کھو چکے ہو..... نہیں نہیں...... یہ سب غلط ہے، دُنیا غلط کہتی ہے۔ مرد کسی پر ظلم نہیں کر سکتا......!

تم جو میرے سوئی چبھ جانے پر اُداس ہو جاتے ہو..... تم تو میری معمولی سی طبیعت خراب ہو جانے پر پوری رات بیٹھ کر گزار دیتے ہو..... تم تو کبھی بھی ایسے نہیں ہو سکتے......

جب میرے ذہن میں خیال آیا کہ" مرد عورت کی محبّت کو کھیل سمجھتا ہے۔ تو اس وقت میں نے سوچا...... تم ہرگز ایسے نہیں ہو سکتے۔ تم میری محبت کے ہر انداز سے واقف ہو..... تم میری چاہت کے ہر پہلو سے آشنا ہو..... تم میری محبت کی خاموش زبان خوب سمجھتے ہو..... نہیں نہیں...... یہ سب غلط ہے۔

..... جھوٹ ہے۔ تم کبھی میری محبت کو کھیل نہیں سمجھ سکتے ....

جب میں نے سوچا کہ مرد عورت کو بہت چاہت سے حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کو پھول کی طرح مسل کر پھینک دیتا ہے..... تو میں نے سنجیدگی سے تمہاری محبت کو پرکھنا چاہا۔ مگر تم تو میرے اوپر اسی قدر وارفتہ تھے، جتنا مجھے حاصل کرنے سے پہلے..... تم میری خوشی میں خوش اور میری خاموشی سے غمزدہ ہو جانے والے...... تم مجھے کس طرح پھول کی طرح مسل کر پھینک سکتے ہو۔ یہ سب باتیں غلط ہیں..... ان میں سے کوئی بات بھی تو سچّی نہیں ہے..... کیا دُنیا کا ہر مرد ایسا ہوتا ہے...... یا تم ہی ان سب سے مختلف ہو ...... مجھے اور کسی کے متعلق کیا معلوم..... میں تو بس تمہیں جانتی ہوں.....تم.... تم جو میرے ہو...... صرف میرے ہو..... تم کبھی ایسے نہیں ہو سکتے.... میں کتنی بُری ہوں ..... میں سزا کی مستحق ہوں جو تمہارے متعلق ایسی باتیں سوچتی ہوں۔ میں ہی غلطی پر ہوں۔ ..... تم تو اتنے پیارے ہو...... اتنے حسین ہو...... میرے خوابوں سے بھی زیادہ حسین......

اُف کامران....... میرے ان حسین خوابوں کی تعبیر کتنی بھیانک نکلی.... میرے تخیّلات کی دُنیا میں یہ کیسا دھماکا ہُوا کہ میری ذات ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی... یہ کیا ہو گیا کامی !...... یہ کیا ہو گیا...... کاش میں نے تمہیں ایک مرد سے زیادہ نہ سمجھا ہوتا.... !

میں نے تمہیں دیوتا مانا اور تمہاری پرستش کی..... میں نے تمہیں فرشتہ سمجھا.... اور عقیدت سے تمہیں تکتی رہی.... میں نے تمہیں اپنی دُنیا، اپنی جنّت سمجھا..... اور اپنا سب کچھ تم پر نچھاور کر دیا۔

اگر میں تمہیں یہ سب کچھ نہ سمجھتی، بلکہ صرف ایک مرد سمجھتی..... تو میں آج یہ دُکھ اپنی جھولی میں نہ سمیٹ رہی ہوتی..... آج میں اس طرح خُون کے آنسو نہ رو رہی ہوتی۔ ..... تو آج میں بھی تمہاری طرح خوش و خرّم ہوتی !

اُف کامران!...... اگر میں نے یہ سب کچھ پہلے سوچ لیا ہوتا تو یہ دھماکا اِس وقت مجھے یوں پاش پاش نہ کر چکا ہوتا..... تم نے وفاؤں کا بھرم نہیں رکھا..... تم نے بہت آسانی اور خوشی سے بے وفائی کا الزام اپنے سر لے لیا..... اور تمہارا یہ الزام لے لینا میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ بن گیا ہے۔

تم نے "ہرجائی" کا لیبل اپنی پیشانی پر چسپاں کر لیا...... تم ہرجائی ہو گئے.... ...اُف..... اس تصوّر سے میرے دل میں اب بھی سوئیاں چبھنے لگتی ہیں...... حالانکہ اب تو میں اتنی کچّی نہیں رہی ہوں..... اب تو میں غم سہنے کی بہت عادی ہو چکی ہوں!

ع "مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں"

لیکن کامی!..... یہ غم جیسا میری روح کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے۔ تم اس کا اندازہ نہ کر سکو گے۔ سوچو تو میں تمہارے نام کے آگے "ہرجائی" کا لفظ کیسے برداشت کر سکتی ہوں... .... مگر میرے کامی!...... تم نے مجھے سب کچھ سکھا دیا...... میں نے یہ دُکھ بھی اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپا لیا.......

تم نے اپنے آپ کو "ظالم" کہلوانے میں کوئی عار نہ سمجھا..... تم نے مجھ پر وہ ظلم کیے جن کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ تم نے ہر ظلم روا رکھا..... اور میں نے تمہارے ہر ظلم کا جواب دیا۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!

تم مردوں کی ڈگر سے ہٹ کر نہیں چلنا چاہتے تھے..... صرف ظالم کہلوانے میں کیوں پیچھے رہ جاتے۔ تم نے مجھے بے بس کر دیا...... مجھے زنجیروں میں جکڑ دیا..... ہاں زنجیروں میں...... اپنی محبّت کی زنجیروں میں..... اور میں جنبش بھی نہ کر سکی۔

تم نے میری وفاؤں پر الزام رکھا...... تم نے میری محبت کو فریب کہا...... تم نے میری محبت کا مذاق اڑایا..... تم نے ہر وہ وعدہ توڑ دیا جو میں نے اور تم نے ساتھ کیا

تھا...... تم نے میری پاک محبّت کی توہین کی...... کامران! تم نے وہ سب کچھ کیا جو ہر مرد کرتا ہے...... جو ہمیشہ سے دُنیا کی تاریخ میں ہوتا چلا آیا ہے...... تم نے اس سے کچھ الگ تو نہیں کیا...... یہ تو میری ہی بھول تھی جو میں تمہیں الگ سمجھتی تھی......!

مگر کامران!...... تم مجھے اب بھی اُتنے ہی عزیز ہو، جتنے اُس وقت تھے، جب میں نے شرماتے، جھجکتے ہوئے، نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری مرضی پر اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیا تھا...... مجھے تم آج بھی اتنے ہی پیارے لگتے ہو، جتنے اُس وقت تھے، ...... جب ہم بچپن کی وادیوں میں پھرا کرتے تھے...... تم مجھے آج بھی اُتنے ہی حسین لگتے ہو جتنے اُس وقت لگے تھے، جب تم سفید کپڑوں میں ملبوس ہمارے ہاں آئے تھے۔ تم مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے...... اور اس وقت میں تمہاری خواہش کا احترام نہیں کر سکی تھی...... کامی! میں نے اُس وقت تم سے بات تو نہیں کی تھی۔ لیکن تمہارے حُسن کو اپنی آنکھوں میں ضرور چھپا لیا تھا۔

کامران! میں نے تمہیں ہوش سنبھالنے سے چاہا ہے اور آج تک میں اسی شدّت سے تم سے محبّت کرتی ہوں...... میرے کامی!...... تم ہمیشہ سے میرے تھے اور اب بھی میرے ہو، اور ہمیشہ رہو گے۔ گو کہ تم نے مجھے راستے کا پتھر سمجھ کر ہٹا دیا ہے اور میں تم سے بہت دُور ہوتی جا رہی ہوں...... لیکن تمہاری یاد کوئی میرے دل سے جُدا نہیں کر سکتا، ...... میری محبّت کی تم نے قدر نہیں کی...... کاش تم میری محبت کی قدر کر لیتے... کاش میری محبت کی شدّت کو سمجھ لیتے...... میرے کامی!...... تم نے مجھے بہت دُکھ دیئے ہیں...... مجھے بتاؤ، تم نے ایسا کیوں کیا...... میرا کیا قصور تھا...... میرے کامی! یہ تم نے کیا کر دیا ہے۔ میری زندگی میں کانٹے کیوں بھر دیئے ہیں...... میرا پھولوں سے بھرا چمن کیوں اُجاڑ دیا ہے...... اُف...... مجھے صبر کیوں نہیں آجاتا...... میں تمہیں بھول کیوں نہیں جاتی...... میں بار بار تم سے یہ سوال کیوں کرتی ہوں...... اور تم... تم تو

مجھے ہی بھول چکے ہو.......میرے سوالوں کا کیا جواب دو گے ؟.....کیا کامی!.....
واقعی تم مجھے بھول گئے ہو.......؟ اپنی اس محبت کو بھول گئے ہو جو سرسبز چٹانوں
اور سبزہ زاروں میں پروان چڑھی ہے.......کیا تم نے ان یادوں کو بالکل ہی دل سے
کھرچ دیا ہے۔ جن کی بنیادوں پر ہماری محبّت کا تاج محل تیار ہوا تھا.....خیر...تم
جہاں رہو، خوش رہو......میری دُعائیں ہر قدم پر تمہارا ساتھ دیں گی!

میری زندگی کے تاریک باب کا آغاز اس وقت سے ہوا ہے جب ایک دن تم آفس سے دیر میں آئے، میں تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے اُداس ہو گئی تھی۔ تم نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا تھا کہ بغیر اطلاع کئے زیادہ دیر باہر ٹھہر جاؤ۔ اگر کبھی آفس میں کام زیادہ ہوتا تو تم مجھے پہلے سے بتا دیتے تھے۔ یا کسی نہ کسی طرح اطلاع ضرور دے دیتے تھے۔ اور اس دن نہ معلوم کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا تھا...... انتظار..... انتظار...... انتظار... اور انتظار کی وہ گھڑیاں ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں..... ہر آہٹ پر چونک پڑتی تھی..... ہر گاڑی کی آواز پر گمان ہوتا تھا کہ تم آ گئے ہو...... اور بغیر کسی گاڑی کے گزرے ہوئے بھی ایسا لگتا تھا جیسے میرے دماغ میں کاریں ہی کاریں چل رہی ہیں..... میں ہر بار کھڑکی میں جاتی۔

.... اور وہاں کوئی نہ ہوتا...... اور میں مایوس واپس آجاتی......

ہاں تو کامران —— یہ پہلا موقع تھا..... پھر بہت انتظار دکھا کر تم آگئے

میں نے تم سے پوچھا:۔

"خیر تو ہے، آج اتنی دیر کیوں ہو گئی؟"

تم نے مختصر اور روکھا سا جواب دیا:۔

"دفتر میں کام زیادہ تھا!"

تمہارے اس جواب نے میرے دماغ پر ہتھوڑے کا سا کام دیا..... لہجہ تو کبھی تمہارا تھا ہی نہیں، تم ہمیشہ بالکل صحیح وقت اپنے آنے کا بتا کر جاتے تھے اور مجھے خود تعجّب ہوتا تھا کہ تم ٹھیک اُس وقت پر بلکہ چند منٹ پہلے ہی آجاتے تھے اور اگر کبھی دو چار منٹ کی دیر بھی ہو جاتی تو تم حد سے زیادہ معذرت کیا کرتے تھے...... حالانکہ چند منٹ کی تاخیر کو تو میں ذرا بھی محسوس نہیں کرتی تھی...... اور تم اس تاخیر کی لمبی چوڑی وجہ تسمیہ بتایا کرتے تھے۔

کامی! میں تو اس کی عادی تھی......

اور تمہارا یہ روکھا پھیکا جواب جب سُنا تو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

پھر میں نے سوچا کہ میں ایسی غلط باتیں کیوں سوچتی ہوں...... تم بہت تھک گئے ہو گے......

پھر ہم دونوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ لیکن تم بہت خاموش تھے اور تمہاری اس خاموشی کو میں نے تھکن پر محمول کیا۔

لیکن کامران یہ میری بھُول تھی...... یہ میری ناسمجھی تھی..... میں تم سے حد سے زیادہ محبت کرتی تھی۔ میں تمہارے اوپر اندھا یقین کرتی تھی۔ میں تمہاری کسی بات کو بھی غلط ماننے کو تیار نہیں تھی۔

اور پھر اگلے دن بھی ایسا ہی ہوُا۔

میرے استفسار پر مجھے وہی رُوکھا پھیکا جواب ملا.....

"کام زیادہ تھا!"

اور کامران...... پھر روز ہی تمہارے پاس کام زیادہ ہونے لگا۔ اور اس کام کی زیادتی کی وجہ میری سمجھ سے باہر تھی۔

تم گھر میں اب کافی کم بات چیت کرتے تھے...... مگر میں جھوٹ نہیں بولونگی ..... کبھی کبھار تم مجھ سے باتیں کر بھی لیتے تھے اور اس وقت تم میں وہ پہلے والے کامران

کی ہلکی سی جھلک آتی تھی......

لیکن کامی......... وہ گفتگو میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی تھی.... کیونکہ وہ تمام گفتگو تمہاری اسٹینو کے گرد گھومتی تھی..... تم ہر وقت اس کا ہی ذکر کرتے تھے...... آج اس کے بال ایسے تھے..... آج کپڑوں کا رنگ ایسا تھا...... آج وہ یہ کہہ رہی تھی، اور آج وہ یہ کہہ رہی تھی..... مگر وہ بڑی بدصورت ہے.... تمو رانی وہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ تو تمہارے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے..... تھوڑی بہت بات اور ہنسی مذاق تو ہمیں مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ آفس کا معاملہ ہے۔

مجھے تمہاری یہ باتیں ناگوار ہوتیں، لیکن میں اس کا اظہار نہ کرتی۔ اور اسی طرح مسکراتے ہوئے تمہاری گفتگو سنتی رہتی۔ جب تم اس کی بُرائی کرتے تو میں بالکل مطمئن ہو جاتی اپنے دل سے ہر خدشہ نکال دیتی۔

کامران...... اب میری زندگی میں بڑا انقلاب آچکا تھا...... میں تمہاری محبت سے محروم ہوتی جا رہی تھی۔ میں تمہارے ساتھ وقت گزارنے کے لئے ترسنے لگی تھی۔ تم صبح کو جا کر رات کو آتے۔ پھر ساتھ بیٹھنے کا یا کہیں آنے جانے کا یا کسی تفریح کا وقت ہی نہ ہوتا۔

کامی!—— ہم لوگوں نے کس قدر تفریحیں ساتھ کی ہیں۔ تم شام کو ٹھیک ساڑھے پانچ بجے آجاتے۔ پھر ہم دونوں کہیں تفریح کو چلے جاتے۔ کسی سے ملنے چلے جاتے یا گھر پر بیٹھ کر ہی کوئی کھیل کھیلتے، ریڈیو سُنتے، اپنی آوازیں ٹیپ کرتے۔ اس وقت زندگی کتنی پیاری تھی۔ کس قدر حسین تھی......

میں ان لمحوں کو ڈھونڈھتی...... لیکن وہ لمحے مجھ سے بہت دُور جا چکے تھے..... .... ہمارے ننھے مُنّے خوبصورت سے شمریز کے دُنیا میں آجانے سے بھی ہماری تفریح میں، یا ہماری محبت میں کمی نہیں ہوئی تھی..... بلکہ شائد محبت میں اور اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ تم

تو اس کی شکل دیکھ دیکھ کر جیتے تھے ....

کامران! یہ کیسی کایا پلٹ ہو گئی تھی۔ تم مجھ سے دُور ہوتے جا رہے تھے.... لیکن میں بے بس تھی۔ میں کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ میں تمہارے کام کی زیادتی کو کمی میں تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔

اب تو کبھی کبھی اتوار کا دن بھی تمہارا میرے بغیر ہی گزرنے لگا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا کامران، جب تم ایک ایک دن انگلیوں پر گن کر اتوار کا انتظار کیا کرتے تھے۔ ہم لوگ پہلے سے اتوار کے پروگرام طے کر لیا کرتے تھے...... ہفتہ اور اتوار ہم لوگ ایسے ساتھ گزارتے تھے، جیسے ہمیں دُنیا جہان کی بادشاہت مل گئی ہو۔ یا ہمیں دُنیا میں ہی جنّت مل گئی ہو..... لیکن کامی!..... اب تم اتوار کو بھی کہہ دیتے کہ" دفتر میں کام بہت ہے"...... میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ یہ اچانک تمہارے دفتر میں اس قدر کام کہاں سے امنڈ آیا!

میں اکثر تنہائی میں آنسو بہایا کرتی....... لیکن تمہارا استقبال ہمیشہ مسکرا کر ہی کیا جو تم کہتے تھے۔ میں آنکھیں بند کر کے اس پر یقین کر لیتی تھی..... تم نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اِس لئے کسی بات پر شک کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اور میں تمہاری اِس عادت پر فخر کرتی تھی۔

رفتہ رفتہ تمہارا ہر اتوار باہر گزرنے لگا..... میں اپنی زندگی کے جمود سے اپنی تنہائی سے بہت اکتاتی جا رہی تھی۔ لیکن میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

ایک اتوار کو تم صبح ہی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے تم سے کہا:۔

"کیا جانا بہت ضروری ہے؟"

"ہاں" ——— تم نے مختصر جواب دیا۔

پھر میں نے کہا:۔ "ایک مدّت ہو گئی ہے اتوار ساتھ گزارے ہوئے۔

تو تم نے بے رُخی سے جواب دیا۔

"کیا کروں مجبوری ہے......"

کامران! یہ کیسی مجبوریاں تھیں، جو میرے اور تمہارے درمیان حائل ہوتی جا رہی تھیں مجھے تم سے دُور کرتی جا رہی تھیں...... کامران میں تو یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی ایسا بھی وقت آئے گا کہ ہم دونوں مجبُوریوں کے ہاتھوں بِک جائیں گے۔ ہم دونوں کی محبت فنا ہو جائے گی۔ ہم دونوں کی محبّت کا کوئی وجود ہی نہیں رہے گا...... ہائے یہ کیسی بے بسی تھی۔ یہ ہمارے گلشن میں کتنی جلدی خزاں آگئی...... لوگ تو پوری زندگی ایک دُوسرے کے سہارے گذار دیتے ہیں...... لیکن کامران! ہم دونوں نے تو چند ہی سال ساتھ گزارے تھے اور ہمارے راستے الگ ہونے لگے...... بتاؤ کامران! یہ کیوں ہوا...... یہ کیوں ہوا...... اس کا ذمہ دار کون ہے؟ میں یا تم......

میں تمہاری محبت میں تڑپتی رہتی اور تم میری محبّت سے بے خبر نمعلوم کن مصروفیتوں میں گم تھے۔ اور تمہاری محبّت پر بھی تو گرد کی دبیز تہہ جم گئی تھی!

پھر ایک دن ایسا ہُوا کہ ہمارے ہاں کچھ مہمان آئے۔ اس وقت اتفاق سے تم بھی گھر پر ہی تھے۔ مختلف قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔

میں چائے کا انتظام کرنے کے لئے اُٹھ کر چلی گئی۔

تم سمجھ رہے تھے کہ میں کہیں دُور کسی کمرے میں ہوں..... اور تم ان لوگوں کو اپنی گزشتہ اتوار کی پکنک کا حال سُنا رہے تھے، جو بہت اچھی گزری تھی۔

میں اتفاق سے برابر کے ہی کمرے میں تھی، اور میں نے تمہاری گفتگو سُن لی تھی۔

کامی!___ وہ پہلا دھکّا تھا جو مجھے تمہاری ذات سے پہنچا!

میں تو تمہاری ہر بات کو سچ سمجھا کرتی تھی۔ آج مجھے معلوم ہُوا کہ تم نے مجھ سے جھُوٹ بولا تھا!

پکنک پر جانا کوئی ایسی بُری بات نہیں تھی۔ اگر تم بجائے دفتر کے کام کے پکنک کا مجھ سے کہہ دیتے تو وہ دھکّا اتنا شدید نہ ہوتا.......

چائے دُوسرے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ سب لوگ چائے پی رہے تھے۔ تم نے ایک دو آوازیں مجھے بھی دیں.......

اور میں..... مجھے نہیں معلوم، مجھے کیا ہوا جا رہا تھا....... میرا سر چکرا رہا تھا..... میرا جسم پسینے سے شرابور تھا...... میں سر پکڑ کر کُرسی پر بیٹھ گئی.. ...... پھر مجھے کچھ آوازیں دُور سے آتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس میں تمہاری آواز بھی شامل تھی :-

"ارے یہ شمّو کو کیا ہو گیا!"

پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا......

میں جب ایک طویل نیند سے جاگی تو بہت سے لوگ میرے اوپر جھکے ہوئے تھے، اور ڈاکٹر مجھے انجکشن دے رہا تھا...... کچھ لوگ رو رہے تھے..... تم شاید کچھ پریشان تھے ..... مجھے زیادہ یاد نہیں..... مگر ہاں، یہ یاد ہے کہ جب میں نے آنکھ کھولی تو سب نے خدا کا شکر ادا کیا..... اور اس پر میں حیران ہوئی کہ میرے جاگنے پر سب لوگ خدا کا شکر کیوں ادا کر رہے ہیں..... یہ میرے اوپر جھکے ہوئے کیوں ہیں۔ مگر جب میں نے بولنا چاہا تو زبان نے میرا ساتھ نہیں دیا۔

مجھے صحت یاب ہونے میں کافی دن لگ گئے۔ پوری طرح ٹھیک ہو جانے پر مجھے معلوم ہوا کہ میں کئی گھنٹے بے ہوش رہی تھی۔ اور ہر ایک مجھ سے پوچھتا تھا کہ یہ اچانک تمہیں کیا ہوا تھا۔ میں کسی کو کیا جواب دیتی۔ میرے پاس جواب ہی کیا تھا..... میں اور تمہارے خلاف زبان کھولوں..... یہ کیسے ممکن ہے.......

تم تو میری کائنات ہو...... میری زندگی ہو...... میں دوسروں کو کیسے بتا دوں کہ

اعتماد ٹوٹنے سے کس قدر زور کا دھماکا ہوتا ہے۔ اور اس دھماکے کی آواز میری برداشت سے باہر تھی...... میں بے ہوش ہو گئی...... اور اس اعتماد کی کرچیاں بکھر گئیں.... میں دوبارہ ہوش میں آ گئی..... لیکن کامی! وہ اعتماد دوبارہ واپس نہ آسکا!

چیزیں ٹوٹ ہی جایا کرتی ہیں، اس کی کرچیاں بھی بکھرتی ہیں۔ اس کا صدمہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن کامی!........ یہ صدمے اتنے شدید نہیں ہوتے کہ اس میں آدمی اپنی ہستی کو فنا کر دے..... مگر کامی! تم کیا جانو، یہ دھماکا میری رُوح کو کس قدر زخمی کر گیا..... کرچیاں میرے دل میں جا بجا چُبھ کر رہ گئیں۔ میری زندگی ختم ہو گئی۔ میری ہستی فنا ہو گئی!

مگر کامران! میرے ضبط کی داد دو...... یہ راز میں نے اپنے ہی سینے میں دفن رکھا، تم پر آشکار نہیں کیا...... یہ راز آج بھی.... ایک مدّت گذر جانے کے بعد بھی میرے سینے میں محفوظ ہے...... میں تمہیں بتا کر دُکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ اگر میں تم کو بتا دیتی کہ مجھے جو تم پر اعتماد تھا وہ ختم ہو چکا ہے..... تمہارے جھُوٹ کا بھرم کھُل چکا ہے...... تو شاید تمہیں تکلیف ہوتی..... یہ غم...... یہ تمہارا دیا ہُوا غم بھی میں نے خوشی سے تنہا اٹھایا۔

تم نے مجھے تنہائیوں کا عادی بنا دیا تھا۔ نہ میری خوشی کا کوئی ساتھی تھا، نہ غم کا... ... بس ایک تنہائی...... اور احساسِ تنہائی اس سے بھی زیادہ جان لیوا تھا... احساسِ تنہائی جو میری رگ رگ میں بسا ہُوا ہے، یہ تمہارا ہی دیا ہُوا ہے۔ اور اس کی ابتدا اُسی وقت سے ہوئی تھی۔

کامران!—— اعتماد ختم ہو چکا تھا..... میں نے پہلے ہی جھٹکے میں ہار مان لی تھی..... مجھ میں زندگی کا بوجھ اٹھانے کی ذرا بھی طاقت نہیں رہی تھی.... بس زندگی کی گاڑی کو زبردستی گھسیٹ رہی تھی.... کوئی اُمنگ، کوئی ولولہ، کوئی شوق نہیں رہ گیا تھا، میں تھی، میری تنہائی تھی اور میری اس تنہائی کے رازدار میرے آنسو تھے

تم بدستور اپنی مصروفیتوں میں گم تھے۔ اور گھر پر بھی تم اس قدر خاموش رہتے تھے سنجیدگی تم پر اتنی مسلّط ہو چکی تھی کہ میں تم سے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھی۔ اکثر میری زبان پر آتے آتے رہ گیا ؎

تنہائیوں میں بیٹھ کر کیا سوچتے ہو تم
کچھ تو ہمیں بتاؤ پریشان ہم بھی ہیں

لیکن دل کی بات میں کبھی زبان پر نہیں لائی۔ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری خاموشی اور سنجیدگی سے پریشان تھی...... لیکن میرے کامی...... اس کا کوئی حل میرے پاس نہیں تھا۔ میری زندگی عجیب کرب میں گزر رہی تھی۔ تمہیں میرے کرب کا اندازہ نہیں تھا۔ اور نہ مجھے تمہارے کرب کا...... ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی بن گئے تھے۔ ایک دُوسرے کے درد سے ناواقف، پھر جب دونوں کے درمیان اتنی اجنبیت تھی تو تنہائیاں کس طرح مٹتیں ؎

تنہائیاں دلوں کی بھلا کس طرح مٹیں؟
کچھ اجنبی سے آپ ہیں کچھ بدگماں سے ہم

پھر کامران! میری زندگی کا ایک اور تاریک دن طلوع ہُوا۔

شام کو خلافِ معمول میں نے تمہاری گاڑی رُکنے کی آواز سُنی۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ آج تم صحیح وقت پر آگئے ہو۔ میں دوڑ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ تم ہی آئے ہو...... کہیں میرا وہم تو نہیں ہے، اور کامران...... پھر جو میں نے دیکھا...... اس کو برداشت کرنے کے لئے مجھ میں کہاں سے طاقت آگئی؟ میں نہیں بتا سکتی...... اُف...... وہ منظر میرے لئے کتنا دلخراش تھا......

گاڑی میں سامنے کی سیٹ پر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تم اترتے ہوئے اس سے مسکرا کر بات کر رہے تھے۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو سنبھالا...... تم اندر آئے اور کہنے لگے کہ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ دیر سے گھر لوٹوں گا۔ ٹیپ ریکارڈر لیتے

آیا ہوں...... اور تم ٹیپ ریکارڈر لے کر چلے گئے۔ میں ایک لفظ بھی نہ بول سکی، کہ جس ضروری کام سے تم جا رہے ہو، اس کا تھوڑا بہت علم مجھے بھی ہو گیا ہے۔ میرا سر گھومتا رہا...... مجھ پر کیا کیا بیتی...... یہ بتانے کی اب بھی نہ میرے دل میں طاقت ہے اور نہ تم سُن سکو گے...... تم شائد اس لڑکی کی آواز اپنے پاس محفوظ کر لینا چاہتے تھے۔

رات تک کا وقت میں نے کس طرح کاٹا، تم اس کا اندازہ نہ لگا سکو گے کامران! تم رات کو دیر سے آئے، اور ہمیشہ کی طرح خاموش۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

وہ رات میں نے انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزار دی اور تم نے پُر سکون نیند کے مزے لے کر...... میری قوّتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ میں تم سے اب پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ لڑکی کون تھی...... تم نے میری محبت کے کیوں پرخچے اڑا دیئے۔ کیا وہ لڑکی مجھ سے زیادہ حسین ہے؟ کیا میری محبّت کے آگے اس کی محبّت زیادہ پائیدار ہے؟

لیکن میں یہ سب کچھ تم سے نہ پوچھ سکی —— مگر ہاں —— بہت ہمّت کر کے میں نے تم سے یہ پوچھ ہی لیا:۔

"کل وہ لڑکی آپ کے ساتھ کون تھی؟"

تم ایک دم گھبرا گئے اور بولے:۔

"کون؟...... کونسی لڑکی؟...... تمہیں کیسے معلوم......؟

پھر میں نے بتایا کہ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تھا۔

تم اس وقت تک اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکے تھے۔ تم نے جواب دیا:۔

"ارے وہ......؟ وہ تو میری اسٹینو تھی...... میں اس کو چھوڑنے اس کے گھر تک گیا تھا۔ اور ہاں...... کل اس کے ہاں دعوت تھی اس لئے دیر ہو گئی تھی...... بھئی دیکھو، دفتر کا معاملہ ہے، یہ سب تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ترقی کا دارومدار ان ہی

باتوں پر ہوتا ہے ......"

اور میں یہی سوچتی رہ گئی کہ ترقی کا دارومدار اسٹینو پر کیسے ہو سکتا ہے۔ اسٹینو تمہاری "باس" تو نہیں ہے!

اور کامران —— یہ تلخ گھونٹ بھی میں نے پی لیا۔ ایک، آدھ مرتبہ پھر تم نے کہا کہ "ارے وہ اسٹینو تو بہت بدصورت ہے۔ میں تو مجبوراً تھوڑا بہت، ہنسی مذاق کر لیتا ہوں"

اور ایک مرتبہ پھر میں نے تمہاری باتوں پر یقین کرنے کی کوشش کی، گو کہ بدگمانیاں بہت تھیں۔ پھر بھی میں یہی سوچتی تھی کہ شائد، واقعی کوئی مجبوری ہی ہو گی۔ اور میں نے اپنے دل میں آئے ہوئے ہر خیال کو جھٹک دیا۔ میں کسی شک و شبے کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

مگر کامران! —— میری زندگی تو ختم ہو چکی تھی۔ جس زندگی میں تمہاری محبت نہ میسّر ہو، اس زندگی کا میں کیا کروں۔ اور کامران وہ پہلی بار تھی

جب میں نے بارگاہِ

الٰہی میں اپنے مرنے کی دُعائیں مانگیں ...... اس کے بعد سے تو آج تک میرا یہ معمول ہو گیا ہے کہ میں تڑپ تڑپ کر اپنے خدا سے اپنی موت کی دُعائیں مانگتی ہوں مگر وہ دُعائیں ناکام اور نامراد واپس آجاتی ہیں ؎

کبھی رحمت تڑپتی ہے کوئی آسرا مانگے
کبھی بے آسرا ہو کر دُعائیں لوٹ آتی ہیں

میری زندگی سے تمہاری محبت نکل چکی تھی —— میں تنہا تنہا —— خالی خالی —— اپنے دل کے ویرانوں میں پھرا کرتی تھی —— اُف کامران! کتنی تکلیف دہ تھی وہ زندگی! کاش تم کو احساس ہوتا —— کامران! تم نے مجھے یہ کیسے کیسے دُکھ دیئے ہیں۔ میرے اوپر کیسے کیسے ظلم کیے۔ تم کو بچپن کی محبت کا بھی خیال نہ آیا۔ تم نے میری بے لوث خدمتوں

کا بھی احساس نہیں کیا۔ تم تو اپنی دُنیا میں مگن تھے۔ تم نے میری زندگی کی تاریکیوں کو نہیں دیکھا۔ میری محبت نے بھی تمہارے پاؤں نہیں پکڑے۔ اُف کامران!..... تم کس قدر پتھر دل ہو گئے تھے۔

مگر ہاں کامران! ـــــ میں ایک بات کا اقرار کرتی ہوں کہ کبھی کبھار ان دنوں تمہارے دل میں ذرا سی نرمی بھی آجاتی تھی۔ اور وہی میرا سرمایۂ حیات بن جاتی تھی تم نے اکثر ذکر کیا۔ ”ثمورانی! تم اُس لڑکی کی طرف سے بالکل فکر نہ کرو۔ میں کبھی بھی اتنی بدصورت لڑکی کو پسند نہیں کر سکتا!“

اور میں ایک مرتبہ پھر خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی۔ اور کامی! تمہارے بار بار کہنے سے میں نے پکا یقین کر لیا تھا کہ واقعی تم اس لڑکی کو پسند نہیں کرتے!

زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی۔ اور میں پھر تمہاری باتوں پر ایمان لانے لگی تھی۔ لیکن میرے کامی! تم نے تو قدم قدم پر میرے اعتماد کی کرچیاں بکھیر دیں۔ میں تو بڑی مشکل سے اس اعتماد کو اپنے دل میں جگہ دیتی تھی۔ میں تم کو اپنا دیوتا..... اپنا مجازی خدا.... اور معلوم کیا کیا سمجھتی تھی۔ لیکن کامی!..... تم میرے ان لطیف جذبات کو ایک ہی ٹھوکر سے ریزہ ریزہ کر دیتے۔ میں تو کتنی دُشواریوں سے ان ریزوں کو چنتی تھی.... اور دُوسری ٹھوکر میں وہ پھر بکھر جاتے تھے، ہائے کامی!..... تم اتنے ظالم تو کبھی نہ تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا۔

ایک دن میں تمہاری الماری صاف کر رہی تھی۔ اور کپڑوں کی تہہ کے اندر سے ایک بڑا سا لفافہ نکلا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا یہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور تم نے بھی تو کبھی مجھے اپنی چیزوں کو چھونے سے منع نہیں کیا تھا۔ میرے اور تمہارے درمیان کسی چیز میں کوئی راز نہیں تھا۔ میں نے بلا جھجک وہ لفافہ کھولا، اس میں سے چند تصویروں کے انلارجمنٹ نکلے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میری کیا حالت ہوئی۔ میرا اعتماد ایک مرتبہ پھر مجروح ہو گیا۔

وہ سب تصویریں اسی بدصورت لڑکی کی تھیں!

اُف کامران!...... اپنے دُکھوں کی داستان میں تمہیں کہاں تک سناؤں تم میں سُننے کی تاب نہ ہوگی۔ تم نے کتنی بے دردی سے میرا دل توڑ دیا۔ اسی بدصورت لڑکی نے ایک مرتبہ پھر میرا سکون درہم برہم کر دیا!

میں تمہیں ہرجائی نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن کامی! تم نے ہرجائی بن کر دکھایا۔ مجھے تمہاری باہر کی مصروفیات کے متعلق کیا علم ہو سکتا تھا۔ مجھے کون بتاتا۔ مجھ سے تو بات کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ میری تنہائی کا رازدار اور میرا ساتھی تو بس میرا خدا تھا..... تم نے تو کبھی میری تنہائیوں میں جھانک کر دیکھا ہی نہیں۔ میں تمہاری نظروں سے گر چکی تھی اور شائد تمہیں ایک اور حسین ساتھی کی تلاش تھی۔

پھر ایک دن تم نے بتایا کہ وہ لڑکی تمہارے ہاں سے سروس چھوڑ کر جا رہی ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں تامل نہیں ہے کہ اس کے جانے کی خبر سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں نے سوچا کہ شائد اب میرے لئے خوشیوں کے دروازے کھُل جائیں!

میں جو گھر سے بالکل بے تعلق اور بددل ہو گئی تھی، ایک مرتبہ پھر گھر میں دلچسپی لینے لگی۔ گھر کو پھر سے نئے نئے طریقوں سے سجانے لگی۔ گھر سجانا میرا مشغلہ تھا کامی! مگر جب گھر والا نہ دیکھے تو اس کو سجانے سے کیا فائدہ؟..... میں تو بس زبردستی ہی ضروری کام کر لیتی تھی....... میں سمجھتی تھی کہ اس لڑکی کے جانے کے بعد ضرور تم میرے ہو جاؤ گے..... مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ میری بھُول ہے...... اور میں تمہیں کبھی نہ پا سکوں گی۔

اس لڑکی کے جانے کے بعد بھی تمہارے شب و روز میں فرق نہ آیا۔ میرے سپنے ادھورے ہی رہ گئے۔ کامی!...... تم اتنے کٹھور کیوں ہو گئے تھے۔ تم میرا درد کیوں نہیں سمجھتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب تمہارے لئے کونسی دلچسپی ہے باہر..... میرا خیال تھا کہ اس کی جگہ دُوسری لڑکی آ گئی ہوگی.. میں نے جب بھی تم سے پوچھا تو

تم نے جواب دیا :-

"نہیں اور کوئی لڑکی نہیں آئی !"

اور میں مطمئن ہو جاتی۔

پھر ایک دن تم نے بتایا کہ ایک بدصورت سی لڑکی آئی ہے۔ تم نے اس کا نام بھی بتایا۔ لیکن تم کبھی بھی اس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ اس لئے میں بالکل سو فی صدی مطمئن تھی کہ اب تمہاری دلچسپی کا مرکز وہ نہیں ہے۔

اتفاق کی بات کہ اس کی ایک ہم نام لڑکی ایک زمانے میں بچپن میں میری سہیلی تھی میں نے تم سے کہا۔ ذرا اس سے معلوم کرو کہ یہ وہی میری سہیلی تو نہیں ہے۔ تو تم نے جواب دیا۔

"نہیں بھئی میں اس سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ وہ تو بہت "ریزرو" (Reserve) رہتی ہے۔" مجھے ذرا سا یہ ملال ہوا کہ مجھے اپنی سہیلی کے متعلق نہ معلوم ہو سکا۔ لیکن اسکی خوشی بھی تھی کہ تم اس میں بالکل دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔

یہ مجھے کسی نہ کسی طرح معلوم ہو ہی گیا کہ وہ میری سہیلی نہیں تھی۔ اور ایک دن کامران، میرا اعتماد پھر پاش پاش ہو گیا۔ میری محبت کے پرخچے اُڑ گئے......

تمہاری جیب میں سے مجھے ایک خط ملا۔ جو اسی لڑکی نے تمہارے نام لکھا تھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ :-

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم نے میری کھانے کی دعوت قبول کر لی ہے۔ اور تم نے میری تصویریں بہت اچھی کھینچی ہیں..." وغیرہ وغیرہ

کامی !...... یہ میں تمہیں بار بار کیسے بتاؤں کہ ہر دفعہ دھماکا اتنا ہی شدید ہوتا تھا کہ میں برداشت نہیں کر پاتی تھی...... مجھے یہ کن گناہوں کی سزا مل رہی تھی میرا ذہن یہ سوچنے سے قاصر تھا۔

وہ دُوسری بدصورت لڑکی جو بہت "ریزرو" رہتی تھی اور جس سے تم بات نہیں

کرنا چاہتے تھے۔ وہ پھر تمہارے دل پر حکومت کر رہی تھی۔

تم ہرجائی تھے...... مگر میرا دماغ یہ ماننے کو ہرگز تیار نہ ہوتا تھا.... میں تم کو...... اپنے کامی کو کیسے ہرجائی مان لوں.... ہائے کامی.... جو میری محبت کا دم بھرتا تھا۔ وہی آج دُوسری بدصورت لڑکیوں کے پیچھے پھر رہا ہے.... اے اللہ مجھے صبر دے...... صبر...... !

اور کامران ۔۔۔۔ ایک دن تم بہت خوش خوش آئے۔ تم نے مجھے بتایا کہ تمہارا پرو موشن ہو رہا ہے۔ اور اب ہم لوگ دُوسرے بڑے بنگلے میں چلے جائیں گے۔

اس خبر سے مجھے خوش ہونا چاہئے تھا۔۔۔۔ مگر کامی!۔۔۔۔ میری خوشیاں تمہارے پروموشن اور تمہارے بنگلے سے وابستہ نہیں تھیں۔ میری خوشیاں تم سے وابستہ تھیں میری زندگی، میری کائنات تو تم تھے۔ مجھے دُنیا کی کسی دولت کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے تو تمہاری، اور تمہاری محبّت کی آرزو تھی۔

میں تمہاری اس خوشی میں شریک نہ ہو سکی کامی! ــــــ تم نے مجھے خاموش دیکھ کر کہا:۔ "کیوں نُوررانی۔۔۔۔۔ کیا تم خوش نہیں ہو!"

ایک عرصے بعد یہ بھولا بھٹکا ہوا لقب تمہاری زبان سے سُن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:۔

"میں تو بہت خوش ہوں"

اور ایک مُدّت بعد تم نے میرے غم کو محسوس کر لیا تھا۔

تم نے پھر پوچھا:۔

"نُوررانی!۔۔۔۔ تم اُداس کیوں ہو؟"

اور میرے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ ایک مدّت بعد میں نے تمہارے سینے میں مُنہ چھپا لیا۔ اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

تم میرے سر کو سہلاتے رہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوتی رہی اور تمہارا دامن بھیگتا رہا۔

کچھ تو رونے سے اور پھر تمہارا پیار المس حاصل کر کے دل ذرا ہلکا ہُوا، تو میں نے کہا:۔

"تم تو مُجھ سے دُور ہوتے جا رہے ہو کامی...... اور یہ پروموشن مجھے تم سے اور بھی دُور کر دے گا۔ تمہاری باہر کی مصروفیتیں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ پھر تم ہی بتاؤ میں کیسے خوش ہوں۔ بس میں تمہاری خوشی سے خوش ہوں، لیکن یہ غم جان لیوا ہے کہ تم مجھ سے اور دُور ہو جاؤ گے!"

تم نے پیار سے کہا:۔

"نہیں ثمو...... ایسا نہیں ہو گا۔ تم اپنے آنسو پونچھ لو۔ میں اب سنبھل گیا ہوں، میں تمہارے دُکھ کو سمجھ گیا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں غلطی پر تھا... ثمو..... میں نے تمہیں بہت دُکھ دیئے ہیں۔ اب تمہیں کوئی دُکھ نہیں دوں گا۔ اب ہم دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے....... اچھا اب ہنس تو دو!"

اور ایک مدّت بعد تم نے میری آنکھوں میں جھانکا.... اور میں مُسکرا دی!

اور کامرانؔ! ...... ایک مرتبہ پھر میرے دل کے چمن میں بہار آگئی۔ میں تو تمہیں پاکر آسمانوں میں اُڑنے لگی۔ میری دُنیا کس قدر حسین اور کتنی پیاری ہو گئی تھی' اب مجھے بھی قدرت کی رعنائیوں میں دل کشی نظر آنے لگی تھی، رنگ برنگے پھُول دیکھ کر میرا بھی دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ اب مجھے بھی زندگی سے دلچسپی ہوتی جا رہی تھی.... ...میں .... میں جو دُنیا کی تمام دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو چکی تھی۔ اب مجھے ہر بات میں رنگ نظر آنے لگا تھا۔ میں بھی پھر سے مُسکرانے لگی تھی..... ہاں کامران!.... مسکرانے لگی تھی۔ تمہیں یہ سُن کر تعجب ہو رہا ہے........ لیکن یاد تو کرو ...... میں ایک مدّت تک مُسکرائی بھی نہیں تھی۔ قہقہہ لگانا تو دُور کی بات ہے۔

میں جو اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ پھر مجھے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ آگیا تھا۔ ہماری چھوٹی سی دُنیا کتنی پیاری تھی۔ ہمارا خوبصُورت سا بنگلہ.....

ہمارے ننھے مُنّے پھُول سے بچے ..... اور کامران ...... میں ...... اور.... تم.....

تم شام کو گھر آجاتے۔ پھر ہم لوگ کہیں گھومنے چلے جاتے، یا لان میں بیٹھ کر خوش گپیّاں کرتے.... یا کوئی کھیل کھیلتے ..... ہم لوگ بازاروں میں گھوم کر اپنے گھر کو سجانے کے لئے خوبصُورت، خوبصُورت چیزیں جمع کرتے..... ہم دونوں مل کر

کو نئے نئے طریقوں سے سجاتے۔ میں پینٹنگ کرتی اور تم بیٹھ کر دلچسپی سے دیکھتے رہتے ...... اور جب پینٹنگ تیار ہو جاتی تو ہم دونوں مل کر اس کو لگانے کے لئے جگہ کا انتخاب کرتے......

میں کاڑھتی..... اور تم مجھے رنگ بتاتے رہتے۔ بچے شور کرتے، کھیلتے، ہنستے، دوڑتے اور تم اُن کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ اور میں مُسکراتے ہوئے تم لوگوں کو دیکھتی رہتی میں اپنی جنّت کو دیکھتی رہتی اور خدا سے دُعا کرتی کہ "اے خدا، میری اس جنّت کو کسی کی نظر نہ لگے۔"

وہ دِن کتنے پیارے تھے کامرآن........ میں جو اپنا رنگ و رُوپ کھو چکی تھی۔ اس پر ایک مرتبہ پھر نکھار آ گیا تھا۔ چہرے پر حیا کی سُرخی پھیلی رہتی تھی۔ مزاج میں شادابی آ گئی تھی۔ آنکھیں جو اُداس رہنے کی عادی ہو چکی تھیں، جو صرف آنسو بھر لانا جانتی تھیں۔ اب ان میں اُداسی کے سائے نہیں تیرتے تھے۔ وہ آنکھیں بھی اب مسکراتی رہتی تھیں میرا انگ انگ مسکراتا تھا کامی...... اور یہ سب خوشیاں تمہاری ہی دی ہوئی تھیں..... کامران! صرف تمہارے التفات سے مجھ میں، اور میری زندگی میں کتنی تبدیلیاں آ گئی تھیں......

میں تو ہمیشہ تمہارے التفات کی بھوکی رہی۔ کاش مجھے یہ ہمیشہ میسّر رہتا!

وہ دن تو میری زندگی کے یادگار دن تھے۔

ہاں تو کامران!____ وہ میرا خواب...... وہ میرا سُندر سپنا ٹوٹ گیا...... اُف، اس کے ٹوٹنے کی داستان کیسے سُناؤں!

تم ایک ڈگر پر چلنے کے قائل نہیں تھے۔ تم نے وہ جنّت ہاتھوں سے کھو دی، تم نے میری خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا____ میری زندگی میں پھر خزاں آ گئی۔ میری آنکھوں میں پھر آنسو رہنے لگے جو چھلکنے کو بے تاب رہتے تھے۔

کامی! تم پھر مجھ سے دُور ہو گئے تھے، اور یہ فاصلے ہی میرے لئے موت کے

پیغام سے کم نہیں تھے۔ کامی! تمہیں معلوم کیا ہو جاتا تھا۔ یہ سوچنے کے لئے میری دماغی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی تھیں۔ تم نے ایک مرتبہ پھر مجھے اندھیروں میں ڈھکیل دیا تھا اور میں پھر اس بھری پُری دُنیا میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ تم کو پھر باہر کی رنگینیوں نے اپنی طرف متوجّہ کر لیا تھا...... ہاں کامی .... باہر کی دُنیا میں ظاہری چمک دمک بہت ہوتی ہے۔ اس چمک سے تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ تم اس چمک میں کھو گئے۔ اور تمہیں دلوں کی گہرائی میں ہونے والی روشنی کا ذرا بھی احساس نہ ہو سکا!

تم رات رات بھر کلب میں رہنے لگے اور میں ساری ساری رات جاگ کر اور رو کر گزار دیتی۔ تم صبح پانچ چھ بجے آتے۔ تمہارے پاس مجھ سے بات کرنے کا ذرا بھی وقت نہیں تھا۔ تم بہت مصرُوف ہو گئے تھے۔ میرے کان تمہارا ایک جملہ سُننے کے لئے بے تاب رہنے لگے۔ تمہاری بس دو ہی مصروفیتیں تھیں ــــــ آفس اور کلب ــــ!

گھر میں تم صرف کچھ دیر کے لئے سونے آتے تھے۔ وہ وقت سونے میں گزر جاتا۔ اور تم پھر چلے جاتے۔ تمہیں میری اور بچوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔ میں یا کوئی بچہ اگر بیمار ہو جاتا تو بھی تمہارے معمول میں ذرا بھی فرق نہ آتا۔ تمہاری مصروفیتوں میں ذرا بھی کمی نہ ہوتی تم نے ان فرسودہ باتوں پر کبھی توجہ نہیں دی۔ تم میری اور بچوں کی بیماری پر جو انتہائی غیر شاعرانہ چیز ہے۔ کیوں اپنا وقت برباد کرتے۔ تم ذرا سی دیر کو بھی ملول نہیں ہونا چاہتے تھے۔ تم دنیا بھر کی خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ لیکن تم نے میرا دامن کانٹوں سے بھر دیا تھا، جس سے میرا دامن تار تار ہو چکا تھا۔

کامراّن! تم اتنے خود غرض تو کبھی نہ تھے ــــ مگر یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ تم ایک مرتبہ پھر اپنی نُمو رّانی کو بھُول گئے تھے..... تم اپنی پرانی محبّت کو دفن کر چکے تھے!

میں کبھی کبھار حرفِ شکایت زبان پر لائی۔ ڈرتے ڈرتے میں نے تمہارے رویّے کا احساس دلانا چاہا ــــ

لیکن کامران ـــــ اس کے جواب میں مجھے کیا کیا سُننا پڑا۔ میرے تو دل پر نقش ہے۔ تمہیں بھی ضرور یاد ہوگا۔ تم نے وہ سب کچھ کہہ دیا۔ جس کو میں تمہاری زبان سے سُننے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے جو کبھی کسی کی اونچی آواز نہیں سنی تھی۔ اب تمہارے نازیبا الفاظ سنتی بھی اور خون کے آنسو بہاتی تھی۔

پھر تو میں نے تم سے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ تمہاری شکل بھی دیکھنے کو ترسنے لگی۔ تم صبح کو جاتے تو بیس بائیس گھنٹے بعد ہی تمہاری شکل نظر آتی۔ اوّل تو تم بات ہی نہ کرتے تھے، اور کرتے بھی تو وہ بات غصّے سے خالی نہ ہوتی۔ اب تمہیں میری خوبیاں بھی بُرائیاں معلوم ہوتی تھیں تم مجھ سے کوئی بات بھی سیدھے لہجے میں نہیں کہنا چاہتے تھے۔ تم تو میری ہر بات میں تنقیدی پہلو دیکھتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر چلّا پڑتے۔ اور میں قدرت کے اس مذاق پر دنگ رہ جاتی۔ یہ اللہ میاں نے میرے ساتھ کونسا مذاق کیا تھا جس کو برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں رہی تھی۔

تم اپنے دوستوں میں بہت پاپولر تھے۔ یہ سننے میں آتا رہتا تھا کہ تم بہت خوش مزاج بہت ہر دلعزیز ہو۔ تمہارے فلک شگاف قہقہوں سے فضا گونجتی رہتی ہے۔ تمہارے قہقہے سب نے سُنے۔ ہر ایک کی زبان پر ہے۔ مگر میرے لئے تمہارا مزاج کیسا ہے۔ یہ کسی کو کیا معلوم میری تنہائی کے آنسو کسی نے نہیں دیکھے، جو میں رات رات بھر اپنے بستر پر تنہا لیٹ کر بہاتی رہتی ہوں ..... سوچو تو تمہاری اور میری تقدیر میں اللہ میاں نے کتنا فرق بنایا ہے تمہیں قہقہے لگانے کے لئے اور مجھے آنسو بہانے کے لئے۔ تمہارے قہقہے ہر ایک نے سُنے اور میری سسکیوں اور آنسوؤں کی رِم جھم کوئی نہیں سُن پاتا۔ یہ کیسا اندھیر ہے۔

تم نے مجھ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی ہیں۔ کبھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا تو، کہ تم نے میرے ساتھ کہاں تک انصاف کیا ہے۔ ہائے ـــ وہ پرانی صحبتیں کہاں فنا ہوگئیں کامران ...... یہ سب باتیں سوچ کر تو بڑے بڑے فیصلے کرنے کو دل چاہتا ہے!

پورا دن اور پوری رات تنہا بیٹھ کر گذار دیتی۔ اپنے آپ کو بہلانے کے لئے مصروفیتیں تلاش کرتی پھرتی۔ لیکن کامی !____ میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ مجھے دُنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ کتاب پڑھنے کی کوشش کرتی، لیکن میں حرفوں پر نظر جمانے کی بجائے دُور خلاؤں میں تکتی رہتی۔ کاڑھنے بیٹھتی تو رنگ لگانے میں الجھ جاتی۔ کیونکہ میں تو تمہارے بتائے ہوئے رنگ لگا کر کاڑھنے کی عادی ہو گئی تھی۔ پینٹنگ کرتی تو برش بہک بہک جاتا۔ پہلے تو ہمیشہ میں بہت احتیاط سے پینٹنگ کرتی تھی۔ میں تمہاری گہری تنقید سے ڈرتی تھی۔ تم ہمیشہ میری بنائی ہوئی تصویروں کو بہت غور سے دیکھ کر تنقید و تبصرہ کرتے تھے میں تمہاری تنقید کے بغیر کوئی کمی سی محسوس کرتی رہتی۔ اور پھر اس سے دل اُچاٹ ہو جاتا۔

میری صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ میں برابر بیمار رہنے لگی۔ مجھے یقین تھا، کہ میں تمہارے التفات سے تندرست ہو جاؤں گی۔ لیکن یہ بات تو اب ناممکنات میں سے تھی۔ تم کو میری ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔ میں اکیلی پڑی رہتی اور تمہارا صرف ایک مختصر جُملہ "کیسی ہو" سُننے کے لئے ترستی رہتی۔ اور میری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوتی، اور نہ ہی تم کبھی اپنی کسی خواہش کا اظہار کرتے جس کو پورا کر کے میں تسکین حاصل کرتی۔ اب تو ہم دونوں الگ الگ اپنے راستوں پر جا رہے تھے۔

تم..... تم جو بے حد لطیف جذبات رکھتے تھے۔ اب اپنے جذبات کی لطافت کھو چکے تھے..... بھئی اب تم بڑے آدمی ہو گئے تھے نا..... نوابوں اور دُوسرے بڑے لوگوں میں تمہارا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہاں تو صرف روپوں کی جھنکار ہوتی ہے۔ وہاں جذبات کی لطافت کا کیا کام۔ کاش میں بھی اپنے لطیف جذبات کا گلا گھونٹ سکتی..... میں نے ہمیشہ ہر بات کو سیدھی طرح کہنے کے بجائے کسی لطیف طریقے سے گھما پھرا کر کہنے کو ترجیح دی۔

اب میرے اور تمہارے راستے بالکل الگ ہو چکے تھے۔ تم سے کوئی بات کرنے کا سوال ہی نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میری ساری کوششیں یکے بعد دیگرے ناکام ہو گئیں!

ہماری شادی کی سالگرہ کا دن آرہا تھا۔ اور میرا دل نمعلوم کیوں خود بخود ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ دن بھی مجھے تنہا گزارنا تھا۔ یہ خیال میرے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ ہم دونوں ہمیشہ اس خاص دن ایک دُوسرے کو تحفہ دیتے تھے اور وہ دن ایک ساتھ بہت اچھی طرح گزارتے تھے۔ لیکن اب تو میں ساتھ کو ہی ترس گئی تھی...... اس تمنائیں آدھی ہو گئی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کامران، میں ان دنوں اتنی دل برداشتہ رہتی تھی کہ کوئی اچھی بات سوچنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

میں ہمیشہ تحفے میں تمہاری پسند کی یا شوق کی چیز دیا کرتی تھی۔ لیکن اس وقت میرے دماغ نے ساتھ نہیں دیا اور میں یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ تم کو کیا دوں اور پھر کامی! یہ سب باتیں تو دل کی خوشی سے ہوتی ہیں۔

اور زندگی میں پہلی بار میں نے فیصلہ کیا کہ میں تم کو کوئی تحفہ نہیں دوں گی۔ لیکن مجھے نمعلوم کیوں یہ یقین تھا کہ تم مجھے اُس دن ضرور یاد کرو گے۔ مگر میرا یہ خیال حقیقت کا جامہ نہ پہن سکا۔ اور میں نے اس وقت ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی تحریر کا سہارا لیا۔

میں نے شادی کی سالگرہ کی مبارکباد تمہیں بذریعۂ ڈاک دفتر کے پتے پر بھیجی۔ میں نمعلوم کیا کیا سوچے بیٹھی تھی کہ تم وہ مبارکباد کے چند الفاظ دیکھ کر خوشی سے بے قابو

ہو جاؤ گے۔
اپنی پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کرو گے۔ اپنی کوتاہیوں پر شرمندگی کا اظہار کرو گے مجھ سے تحفہ نہ دینے پر پیار بھری شکائت کرو گے۔ اور تم مجھے ضرور ایک خوبصورت سا تحفہ دو گے۔

مگر یہ سب تصوّراتی محل تھے جو ذرا کی ذرا میں زمین پر آن رہے۔ تم اُس دن بھی ....
.... ہاں اُس خاص دن .... تم صبح کو اُٹھے۔ اور حسبِ معمول تیار ہو کر آفس چلے گئے شائد تمہیں شادی کی سالگرہ کا دن یاد بھی نہیں تھا اور رات گئے تم واپس آئے۔ میں تمہارے انتظار میں آنکھیں بچھائے بیٹھی تھی۔ تم نے آکر مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ اور وہ آسمانی لفافہ مجھے پکڑا دیا جو میں نے بہت ارمانوں سے تم کو بھیجا تھا۔
تم رات بھر میٹھی نیند کے مزے لیتے رہے۔ اور نہ معلوم کن خوابوں میں کھوئے رہے
.... اور میں نے چھت کو دیکھتے دیکھتے صبح کر دی ....
اور پھر زندگی اسی ڈگر پر چلنے لگی۔
میں نے اب اپنے دل کو سمجھا لیا تھا اور اپنے حالات پر صابر و شاکر ہو گئی تھی، اور میں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا ؂

نہ میں تم سے کوئی اُمید رکھوں دلنوازی کی
نہ تم میری طرف دیکھو غلط انداز نظروں سے
وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن
اسے ایک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھّا

لیکن کامران! اس افسانے کو ایک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ مجھے تو کسی طرح صبر نہیں آتا تھا۔ میں کسی قیمت پر بھی تم سے دُور نہیں ہونا چاہتی تھی تم روز بروز مجھ سے دُور ہوتے جا رہے تھے۔ اور مجھے تمہارے قرب کی تمنّا شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی...... اُف کامران.......... یہ دُکھ سوچ کر بھی میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔

میرا جی چاہتا تھا کہ میں تم کو اپنی پُرانی محبّتوں کا واسطہ دوں، تم سے شکوے شکایتیں کروں، تم کو تمہاری بے رُخی کا احساس دلاؤں۔ مگر ان سب باتوں کے لیے بڑی ہمّت کی ضرورت تھی۔ میں نے کبھی بھی تم سے صاف الفاظ میں اپنی محبّت کا اظہار نہیں کیا تھا حالانکہ شادی کو اتنے برس ہو چکے تھے۔ مگر میں اپنی قدرتی جھجک کو نہ توڑ سکی تھی۔ اگر میں تم کو اپنی محبت کا یقین دلاؤں تو تم ضرور پلٹ آؤ گے۔ مگر کامی!...... تم ان باتوں کے لئے موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ اور نہ مجھ میں اتنی ہمّت تھی۔ میں نے پوری پوری رات اپنے کمرے میں تنہا لیٹ کر گزار دی۔ اور تمہارا بستر صبح تک خالی پڑا رہتا۔ اس پر ایک شکن بھی نہ پڑتی۔

مجھے اس تنہائی کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن کامران! یہ دل نہ معلوم کیوں تمہاری ہی خواہش کرتا تھا۔ میں تنہائی کی عادی کبھی بھی نہ ہو سکی۔ دل تھا کہ بھرا چلا آتا تھا۔

پھر میں نے اپنے جذبات کے اظہار کرنے کا ذریعہ پھولوں کو بنایا، مگر پھول بھی میرے

مددگار نہ بن سکے۔ تم...... تم جو مجھ سے اتنی دُور ہو چکے تھے۔ جب تم زبان سے کہی ہوئی بات نہیں سمجھنا چاہتے تھے۔ پھر پھولوں کی زبان کیوں سمجھتے۔ تم نے تو کبھی آنکھ اٹھا کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ آج کمرے میں کونسے پھول سجے ہوئے ہیں اور ان کا مطلب کیا ہے۔

کبھی کبھی میرا دل بھی تم سے ناراض ہونے کو چاہتا۔ میں تم پر یہ ظاہر کر کے اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہتی تھی کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں تم سے محبّت کرتی ہوں۔ بلکہ نفرت کرتی ہوں اور اس دن میں نفرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنے کمرے میں پیلے پھول سجا دیتی۔ لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ جب تم مجھ سے ناراض ناراض رہتے تو میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتی۔ اُس دن میں سفید مہکتے ہوئے پھُول سجا دیتی۔ لیکن تم ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ تم نے کبھی یہ بھی سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ آج یہ کمرے میں بھینی بھینی خوشبو کیسی پھیل رہی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے...... جب تمہارا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تھک جاتیں اور میں تمہارے انتظار میں دن رات رویا کرتی تو ان دنوں تم کو احساس دلانے کے لئے میں نرگس کے پھُول سجاتی، مگر تمہارے رویّے میں کوئی فرق نہ آتا۔ اور جب تم ان باتوں کا بھی مطلب نہ سمجھتے تو میں بہت ہی بے باکی سے شوخ سُرخ رنگ کے گلاب سجا دیتی تم کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے۔ لیکن تم نے اس پر بھی دھیان نہیں دیا۔

پھر ایک دن میں نے سوچا کہ آج میں ضرور اپنے جذبات کا اظہار تم سے بالکل صاف صاف کروں گی۔ اور تم تو ایک زمانے میں جذبات کی لطافت سے خوب آشنا تھے۔ شائد تم اب میرے جذبات کو سمجھ لو۔

میں نے رات کو ایک سُرخ گلاب کا پھُول تمہارے تکئے پر رکھ دیا اس کا صاف مطلب تھا I love you تم بھی پھولوں کی زبان سے خوب واقف تھے۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور میرے جذبات کی قدر کرو گے اور بہت ممکن ہے اپنی روش پر نادم بھی ہو جاؤ۔ وہ پھُول اسی طرح چار بجے صبح تک تمہارے انتظار میں تکئے پر پڑا رہا...... پھر

جب تم لیٹنے کے لئے آئے تو تم نے وہ پھول لاپرواہی سے میز پر ڈال دیا اور نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔

کامی! ــــــ تم تو اس قدر سنگ دل اور سپاٹ جذبات کے ہو گئے تھے۔ تم ان پھولوں کی یہ شریر چھیڑ چھاڑ کیا جانو۔ تم ان باتوں کا کیا مطلب سمجھو۔ روپوں کی جھنکار، کھوکھلے قہقہوں، اور مصنوعی زندگی کی اوپری چمک دمک نے تمہارے لئے پھولوں کا رنگ اور ان کی مہک یکسر ختم کر دی تھی۔۔۔۔ میں ان باتوں پر سسک پڑی۔۔۔۔ ہائے کامی! ــــــ تم کتنے ظالم ہو گئے تھے۔ پوری رات میں نے تمہارے انتظار میں گزار دی، اور تم آئے بھی تو مجھے کوئی خوشی نہ دے سکے۔ بلکہ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب سمو دیا۔

بتاؤ کامی! ــــــ کیا ایسے موقعوں پر مجھے اپنا سر پھوڑ کر نہیں رونا چاہئے تھا۔ اس وقت میرا ذہن باغی ہو جاتا اور میرا بھی دل چاہتا کہ:-

"میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈھ لوں سہارا"

لیکن تم نے تو مجھے اپنی محبّت کی زنجیروں میں اتنا جکڑ دیا تھا کہ میں سکونِ دل کی خاطر کسی سہارے کا تصوّر تک نہیں کر سکتی تھی۔

اگلے دن تم اُٹھے اور تیار ہو کر چلے گئے۔ تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تمہاری آنکھیں سُوجی ہوئی کیوں ہیں؟ یہ سُرخ کیوں ہو رہی ہیں۔ مگر تم پُوچھتے کیسے؟ تم نے تو میری آنکھوں کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا۔ تم تو مجھ سے اس قدر لاتعلق ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا، جیسے کبھی کی کوئی شناسائی ہی نہ تھی۔ تم تو میرے لئے بالکل اجنبی بن کر رہ گئے تھے اور میں اکثر سوچتی تھی ؎

اس قدر اجنبی نہ بن اے دوست
رسمِ دُنیا کا بھی خیال نہیں

میری یہ کوشش بھی تم نے ناکام بنا دی تھی۔

پھر میں نے ایک دن ڈرتے ڈرتے اپنی زبان کھولی۔ اور تم کو تمہارے رویّے کا احساس دلانا چاہا۔ لیکن اس کے بدلے میں جو کچھ میں نے سنا وہ میری برداشت سے باہر تھا میں ان باتوں کو سوچ سوچ کر دنوں آنسو بہاتی رہی۔ اِس سے پہلے بھی ایک آدھ مرتبہ میں نے جب تم سے بات کرنے کی کوشش ہی کی تمہارا موڈ اتنا خراب ہو گیا۔ تم اتنے ناراض ہو گئے کہ میں آئندہ تم سے بات کرنے کی اپنے میں ہمّت نہ پیدا کر سکی۔

میری صحت بے حد خراب ہو چکی تھی۔ سینکڑوں روپیہ کی دوائیں اور پھل آجاتے تھے۔ لیکن میرے مرض کو کوئی نہ سمجھ سکا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!

تم میرے علاج کے لئے ڈھیروں روپیہ دے جاتے تھے۔ اب میں خود علاج کروں یا نہ کروں، سینکڑوں روپیہ کی دوائیں یوں ہی بے کار جاتیں۔ مجھے ذرا بھی فائدہ نہ ہوتا۔

اپنا مرض تو میں خود سمجھتی تھی، جو صرف تمہارے التفات سے ٹھیک ہو سکتا تھا۔ میں تمہاری نظرِ التفات کی متمنّی تھی۔

آخر ڈاکٹروں نے میرا مرض دریافت کر ہی لیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ہر وقت خوش رہا کروں۔ لیکن خوش رہنا اپنے بس کی تو بات نہیں ہے۔ اپنے بچوں کے لئے میں زندہ ضرور رہنا چاہتی تھی۔ لیکن میری یہ زندگی موت سے بدتر تھی۔ اُف میری زندگی کس قدر تلخ تھی اُن دنوں!

ایک مرتبہ پھر میں نے سوچا کہ تم سے اپنی زندگی کی بھیک مانگوں۔ آخری مرتبہ تم سے ایک اور التجا کر کے دیکھوں۔

لیکن کیسے؟ تم تو مجھ سے اتنی دُور تھے کہ تم تک میری رسائی ناممکن تھی۔ میں تم سے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھی۔ جس بات سے تمہیں تکلیف ہوتی تھی اور تم ناراض ہو جاتے تھے، اس کو میں چھیڑنا نہیں چاہتی تھی...... کامی! میں تمہیں کوئی دُکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔

لیکن مجھے اپنی زندگی کی بھیک تم سے مانگنی تھی۔ اپنی محبتوں کے واسطے دے کر تم سے التجا کرنی تھی۔ زبان تو میرا ساتھ نہیں دیتی تھی۔ لیکن اب تو میری زبان میرا قلم تھا۔

اب میں اپنی مشکل کے وقت زبان کے بجائے قلم کا سہارا لینے لگی تھی۔ میں نے جب بھی تمہارے سامنے زبان سے کوئی بات ادا کرنے کی کوشش کی، میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اور میں کچھ بھی نہ کہہ پاتی۔ ہاں، قلم میرا رازدار، میرا غمگسار، میرا ہمدرد تھا۔ آنسوؤں کی جھڑی کے درمیان پھر بھی میں اپنے دل کی بات لکھ تو لیتی تھی۔

اور پھر میں نے بڑی اُمیدوں کے ساتھ تم کو مخاطب کیا۔ زبان سے نہیں بلکہ قلم سے، جو میں نے بذریعہ ڈاک تمہیں دفتر کے پتے پر بھیجا ——— میں نے اپنے دل کی تمام دھڑکنیں، اپنے جذبات، دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پیار بھری شکائتیں، سب کچھ اس میں سمو دیں۔ اور اپنے پُرانے پُرخلوص شکائت بھرے اور اپنائیت کے انداز سے تمہیں مخاطب کیا:۔

"القاب کیا لکھوں؟ بے وفا ـــ بے مروّت ـــ سنگدل! ـــ

اگر میں آپ سے کسی سمجھوتے کے لئے کہوں تو کیا آپ اس پر غور کریں گے؟ اگر ہم دونوں کوئی سمجھوتہ کر کے اس پر قائم رہیں تو زندگی زیادہ بہتر طریقے سے گزر سکتی ہے۔ آپ کے لئے تو تفریحیں بہت ہیں۔ لیکن یقین کیجئے کامی! میرا آپ کے بغیر کسی تفریح میں کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ آپ سوچئے تو۔ آپ کے بغیر میری زندگی بالکل بے کار ہے۔ آپ کو مجھ سے محبّت کم ہو گئی ہے، لیکن میں اپنے آپ کو اور اپنی محبت کو کیا کروں۔ آپ کے بغیر مجھ سے کیوں نہیں رہا جاتا۔ بتائیے تو میری زندگی میں کیا رہا۔ آپ کا دل مجھ سے کس قدر دُور ہو گیا ہے۔ ہفتوں ترستے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آپ کے ایک پیار بھرے بول کے لئے ترستی رہتی ہوں۔ کیا آپ کے پاس چھٹی کا کوئی وقت، کوئی لمحہ بھی میرے لئے نہیں ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے کامی!

آج اتوار ہے، اور میں آپ کے ساتھ ہونے کے بجائے آپ کو خط لکھ رہی

ہوں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میں خوش رہوں، مسکراتی رہوں، لیکن جب دل رو رہا ہو تو کس طرح خوش رہوں، کس طرح مسکراؤں!

ایک وہ وقت تھا جب میں پورا ہفتہ اتوار کے انتظار میں گزارا کرتی تھی۔ میں آپ کی کوتاہیوں کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے نبھاتی رہی۔ لیکن کہاں تک؟ اب دل میں طاقت نہیں رہی۔ میری صحت کو، میری زندگی کو، صرف آپ کے التفات کی ضرورت ہے۔ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میرا علاج صرف آپ کی محبّت بھری نظریں ہیں۔ آپ آزما کر تو دیکھئے۔ میری بیماری کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ویسے تو ہزاروں روپیہ کی دوائیں بھی مجھے آرام نہیں دے سکتیں۔

میرے کامی! آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ جب ہم دونوں ایک دُوسرے کے لئے بنے ہیں۔ پھر ایک دُوسرے کے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔ آپ میرے بغیر بہت خوش رہتے ہیں۔ لیکن میرے کامی! میرا ایک ایک لمحہ آپ کے بغیر کس تکلیف میں گزرتا ہے۔ کاش، آپ اندازہ کر سکتے۔ ہم دونوں کے دلوں کے درمیان فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہم دونوں ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اجنبیوں کی طرح رہتے ہیں۔ اس کا یہی ثبوت ہے کہ مجھے قلم کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ بات کرنے سے تلخیاں بڑھتی ہیں۔ اور کون جانے یہ قلم بھی کب تک ساتھ دے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کامی، جب آپ اجنبیوں کی طرح میرے پاس سے گزر کر چلے جاتے ہیں تو میں دیر تک آپ کی مخصوص خوشبُو فضاؤں میں ڈھونڈھتی رہتی ہوں۔ اور لمبے لمبے سانس لے کر اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی ہوں...... لیکن پھر میں وہاں سے ہٹ جاتی ہوں۔ کہیں یہ خوشبُو میرے خیالات کو نہ بھٹکا دے۔ اور میں پھر آپ سے آپ کے التفات کا مطالبہ کر بیٹھوں اور جس کا نتیجہ تلخی ہو۔

میرے کامی! ــــــ ان لائنوں کو غور سے پڑھئے۔ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اپنی، اور میری زندگی کو جنّت بنا دیجئے۔ مجھے آپ سے اور صرف آپ سے حد سے زیادہ محبت ہے۔ میں ہمیشہ سے آپ کی تھی، آپ کی ہوں، اور آپ کی رہوں گی انشاءاللہ۔ آج میں زندگی میں پہلی مرتبہ

اتنی بے باکی سے آپ کے سامنے اپنی محبّت کا اقرار کر رہی ہوں۔ اس محبت کو نہ ٹھکرایئے اس محبّت کو ٹھکرا کر آپ اپنے اوپر بھی ظلم کر رہے ہیں۔

میرا بھی دل چاہتا ہے کہ آپ چھٹی کا دن میرے ساتھ گزاریں۔ آپ شام کو گھر آئیں اور میں پیار بھری مسکراہٹ سے آپ کا استقبال کروں۔ آدھی رات کو تو مسکراہٹ آنسوؤں میں تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔

میرے کامی! —— میرے قصور، میری غلطیاں معاف کر دیجئے۔ آیئے ہم دونوں مل کر ایک خوشگوار زندگی گزارنے کا عہد کر لیں۔ آپ کا مجھ سے دُور رہنا میرے لئے کس قدر تکلیف دہ ہے۔ میری محبّت کی قدر کیجئے۔ مجھے خوشیاں اور صحت دے دیجئے میں بھی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ زندہ در گور نہیں۔

یہ طویل خط لکھ کر آپ کا وقت ضائع کرنے کی معافی چاہتی ہوں۔

ہمیشہ آپ کی

آپ کی بھولی بسری

ثمو رانی "

یہ خط پوسٹ کرنے کے بعد دو تین روز میرے کس اضطراب میں گزرے، تم اندازہ نہ کر سکو گے۔ میں تمہارا ردِّعمل دیکھنا چاہتی تھی۔ دل ہی دل میں ڈرتی تھی۔ سوچتی تھی، معلوم یہ بازی چت ہوتی ہے یا پٹ، بڑے دُکھ درد اور کرب کے ساتھ یہ دن گزارے۔ میں اس طرح منتظر تھی، جیسے کسی بہت بڑے امتحان کا نتیجہ نکلنے والا ہو۔

اور ایک دن صبح ہی صبح بہت سویرے .... میں ابھی اپنے بستر پر ہی تھی۔ اور تم سو رہے تھے۔ میں تمہاری طرف سے مُنہ پھیرے ہوئے دوسری طرف کروٹ لئے ہوئے خیالوں کے نمعلوم کن تانوں بانوں میں اُلجھی ہوئی تھی. .... ویسے یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ خیالوں کے تانوں بانوں میں اُلجھا رہنا تو میرا مشغلہ تھا...... تنہائی کا مشغلہ...

..... اور اب میں خلاؤں میں گھورنے اور خیالوں میں گم رہنے کی اس قدر عادی ہوگئی تھی کہ مجھے یہ بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ میں اس وقت تنہا ہوں یا کسی محفل میں بیٹھی ہوں۔ میرا تو وہ حال تھا ۔

اب تو محفل سے بھی ہوتا نہیں کچھ غم کا علاج
پہلے تنہائی بھی دُکھ بانٹ لیا کرتی تھی !

ہاں تو کامران ——— میں اپنی سوچوں میں گم بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک تمہاری آواز آئی :۔

"ثمو !"

میں چونک پڑی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ میرے حواس قابو میں نہیں رہے۔ میں خوش تھی، یا رنجیدہ تھی، یا نروس تھی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ لیکن میں نے اس کو اپنا وہم سمجھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کامی! اگر میں جواب دینا بھی چاہتی تو نہ دے سکتی تھی۔ میری تو قوّتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔

تمہاری پیاری آواز پھر آئی :۔

"ثمو ——— !"

اُس وقت مجھے یقین کرنا پڑا کہ تم ہی ہو اور مجھے مخاطب کر رہے ہو۔ میں تمہارا لہجہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ لہجہ، پیار کا ہے یا ناراضگی کا۔ لیکن کامرآن میں کچھ بھی تو نہ سمجھ سکی۔ تمہارا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

میں نے تمہاری طرف پلٹ کر دیکھا۔ آنسو میری آنکھوں میں بھر آئے۔ اور نکلنے کے لئے بے تاب ہونے لگے۔

پھر تم نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا :۔

"ثمو! مجھے تمہارا خط مل گیا۔ میں نے اپنی غلطیوں کو محسوس کر لیا ہے۔ واقعی تم کو میری

ضرورت ہے۔"

پھر اچانک تمہارا لہجہ بہت سرد ہو گیا۔

تم نے کہا۔

"مگر دیکھو ثمو! میں تمہارے لئے باہر کی دلچسپیاں بالکل تو نہیں چھوڑ سکتا، لیکن یہ کروں گا کہ تھوڑا بہت وقت تمہارے لئے بھی نکال لیا کروں گا۔ ویسے باہر کی دلچسپیاں رفتہ رفتہ کم کرنے کی کوشش کروں گا۔۔۔۔۔۔ اور ہاں، تم مجھے اس قسم کے خطوط نہ لکھا کرو۔"

تمہارا لہجہ بہت ہی کاروباری ہو گیا تھا۔

اور میں حیران حیران، پریشان نظروں سے تمہیں دیکھتی رہی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت میں ہنسوں یا روؤں۔ تمہارے مخاطب کرنے پر ہنسوں یا تمہارے کاروباری لہجے پر اپنا سر پھوڑ لوں!"

اور پھر تم اُٹھ گئے۔ اور وہ طلسم ٹوٹ گیا۔

دن بھر میں گُم سُم سی کھوئی کھوئی سی رہی۔ دن معلوم کس طرح خواب میں ہی گزر گیا۔

پھر کامران! وہ دن میری زندگی کے لئے ایک اور یادگار بن گیا۔ تم اس دن رات کو دس ہی بجے گھر آ گئے۔

میں خوش تھی ـــــ بہت خوش ـــــ لیکن کامران! میں خوشی کا اظہار کرنا بھول گئی تھی۔ میں ہکا بکا سی تم کو دیکھتی رہی۔ اور پھر تم نے مجھے خواب سے چونکا دیا۔

"کیوں ثمرانہ! کیا تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟"

اور میں نے کھوئے کھوئے انداز میں بہت ہی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"خوشی؟ ہاں مجھے بہت خوشی ہوئی ہے!"

اور تم مجھے غور سے دیکھتے رہے۔ شاید میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش

کر رہے تھے۔

لیکن میرا چہرہ تمام جذبات اور تمام تأثرات سے خالی تھا اور اس وقت بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ہنسوں یا روؤں۔ میں سوچ رہی تھی کہ خوشی کا اظہار کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں کس طرح خوشی کا اظہار کروں۔

پھر تم نے کہا:۔

"مجھے یہ سپاٹ چہرے بالکل پسند نہیں ہیں!"

میں اس وقت تک بھی حقیقت کی دُنیا میں نہیں آئی تھی۔ میں نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا:۔

"جی...... اچھا——"

کامراںؔ! یہ بات نہیں کہ میں تمہیں اپنے رویّے سے تکلیف دینا چاہتی تھی، بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ میرا دماغ اتنا سُن ہو چکا تھا کہ خوشی اور غم کا احساس ہی جلدی نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دیر تک تو لوگوں کے کہے ہوئے جُملے دماغ میں گونجتے رہتے تھے۔ اور میں ان کا مطلب نہیں سمجھ پاتی تھی۔ بس یہی بات تھی جو میں تمہارے جلدی آنے پر کسی قسم کا کوئی اظہار نہ کر سکی۔

پھر ایسا ہوا کہ تم کسی کسی دن گھر جلدی آجاتے تھے اور اس دن میں اپنے خیالوں کی دُنیا سے باہر نکل آتی تھی۔ تم کبھی کبھار کچھ بات کر لیتے، ورنہ زیادہ تر کوئی کتاب رسالہ پڑھتے رہتے تھے ——— میرے لئے یہی خوشی کی بات تھی کہ تم میری نظروں کے سامنے تو تھے، خواہ مجھ سے بات نہ کرو۔ مگر میں تم کو دیکھ تو سکتی ہوں!

اور تمہارے معمولی سے التفات سے مجھ میں رفتہ رفتہ تبدیلیاں آتی جا رہی تھیں تمہارے آنے پر مجھے خوشی کا اظہار کرنا یاد آ گیا تھا۔ کبھی کبھار میرے لبوں پر ایک غم میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ بھی کھیل جاتی تھی۔

لیکن کامی ——— ان مسکراہٹوں کی مدت بہت ہی تھوڑی تھی۔ تم بہت ہی جلد اپنی دنیا میں لوٹ گئے۔ اپنی رنگینیوں میں کھو گئے۔ میں تو تمہارے پوری طرح پلٹ کر آنے کی آرزو کر رہی تھی۔ تم نے کہا تھا نا، کہ میں رفتہ رفتہ کوشش کروں گا۔

باہر کی رنگینیوں نے پھر تمہیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور میں تمہارے نقشِ پا کو ہی دیکھتی رہ گئی۔ میں تو سوچ ہی نہ سکی کہ یہ کیا تھا، کیا ہوا، اور کیا ہو گیا۔

اور پھر میں تھی اور میری تنہائی...... زندگی عجیب عالم میں گزر رہی تھی۔ میں نے پھر اپنی تنہائیوں کو سینے سے لگا لیا۔ اور پھر تمہارے فراق میں اپنے شب و روز گزارنے لگی۔

ہائے کامی! ——— تم نے مجھے کتنے دکھ، کتنی تکلیفیں دی ہیں...... اپنی ثمورانی کو...... جو کبھی تمہاری زندگی تھی۔ تم اس کا دم بھرتے تھے۔ تم اس کی ایک ایک مسکراہٹ پر قربان ہوتے تھے۔ اس کی معمولی سی بیماری پر پوری رات سرہانے بیٹھ کر گذار دیتے تھے۔

اور اب وہی ثمورانی، جس کے بغیر تم زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تمہارے فراق میں ادھ مری ہو گئی ہے...... تم کو ہمدردی کا ایک بول تک بولنے کی فرصت نہیں تھی۔

کبھی کبھی سوچتی ہوں کامی ——— میں تم سے بدلہ لوں...... لیکن اس دنیا میں تم سے بدلہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اور بدلہ لے بھی کیسے سکتی ہوں۔ تمہارے نزدیک میری یا میرے بدلے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے...... لیکن خدا کے ہاں ضرور تم سے بدلہ لوں گی۔ قیامت کے دن ضرور تمہارا دامن پکڑوں گی۔ پھر......

بڑا مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ!

اور وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے

میں نہ معلوم کس طرح گھسٹ گھسٹ کر زندگی کے دن گزار رہی تھی۔ تمہارے پلٹ کر آنے کی

امید نہ معلوم کیوں مجھے اب بھی تھی۔

اور پھر اسی طرح نہ معلوم کتنے دن گزر گئے اور میں تمہارا انتظار کرتی رہی۔۔۔۔ تمہارے پلٹ کر آنے کا۔ مگر یہ ایک سراب تھا۔ اور سراب کے پیچھے بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتی تھی۔ لیکن پھر بھی نہ معلوم کیوں دل کو جھوٹی تسلیوں سے بہلاتی تھی۔

ایک دن صبح ہی صبح مجھے کہیں جانا تھا۔ تم نے کہا میں چھوڑ دوں گا۔ اور اُس دن میں تمہارے برابر میں بیٹھی ہوئی اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اچانک ایک موڑ پر بریک لگنے سے زور کا جھٹکا لگا۔ اور میں تمہارے اوپر گر گئی۔ تمہارے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے اور میں نے حیران ہو کر تمہاری طرف دیکھا اور جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی۔ تم کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ شاید میری نظروں کی تاب نہ لاسکے۔ ڈرائیور ان سب باتوں سے بے خبر گاڑی چلاتا رہا۔ اس کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ چند سیکنڈ میں کیا ہو گیا۔ تمہارے چہرے کے ناگوار تاثرات نے مجھے رنجیدہ کر دیا۔ تم شاید سمجھ رہے تھے کہ میں نے جان کر ایسا کیا تھا لیکن یقین کرو کامران، یہ محض ایک اتفاق تھا۔۔۔۔۔ اور اس وقت ایک پرانا واقعہ یاد آ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔۔۔۔۔۔

جب ایک مرتبہ شادی سے پہلے ہم لوگ نتھیا گلی جا رہے تھے۔ میں تم سے شرم کی وجہ سے بات نہیں کرتی تھی۔ اور تم بدگمان ہو کر مجھ سے ناراض تھے۔ نیلما اور تبسّم باجی نے شرارت سے مجھے آگے تمہارے برابر میں بٹھا دیا۔ اور اسی طرح کا جھٹکا لگا تھا اور میں تمہارے اوپر گر گئی تھی۔ میں شرمندہ ہو گئی تھی اور تم نے اس بات سے بڑا لطف لیا تھا اور تمہاری غلط فہمی کو دُور ہونے میں اس واقعہ سے بڑی مدد ملی تھی۔

کہاں وہ صحبتیں تھیں اور کہاں یہ تلخیاں ہیں!

عید قریب آئی اور میرے لئے کتنے ہی آنسوؤں کا پیغام لائی۔ عام سے دنوں میں تو انسان اپنے غموں کا عادی ہو جاتا ہے، اور یہی میرا حال تھا۔ میں بھی اپنے غموں کی عادی ہو گئی تھی۔

لیکن عید مسرّت کے بجائے میرے لئے غموں کا پیغام لے کر آئی۔ میرا دل غم سے چُور ہوا جا رہا تھا آنکھیں بار بار بھر آتی تھیں۔ تم سے یہ فاصلے عید کے دن مجھے بہت رُلائیں گے۔ میں بار بار یہی سوچتی تھی ـــــ میری تو عیدیں بھی تمہارے ساتھ نہیں گزرتی تھیں۔ عید تو نام ہی خوشی کا ہے۔ اور میں خوشی کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ ان دنوں میری آنکھیں دن رات موتیوں کے خزانے لٹاتی رہتیں۔ دماغ میں ہر وقت گونجتا رہتا۔ عید آ رہی ہے ـــــ عید آ رہی ہے ـــــ عید آ رہی ہے ـــــ بچے خوش تھے کہ عید آ رہی ہے۔ وہ معصوم کیا جانیں کہ عید میرے لئے کیا پیغام لا رہی ہے۔

میں سوچتی رہی کہ عید پر تم کو اپنے وجود کا احساس کس طرح دلاؤں۔ ڈرتی تھی کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔

اور پھر ایک مرتبہ میں نے ڈاک کا سہارا لیا۔ ایک "گریٹنگ کارڈ" (Greeting card) لیا۔ اس پر ایک دل بنا ہوا تھا۔ اور ایک عورت کا ہاتھ تھا جو خوبصورت پھول پیش کر رہا تھا۔ اس کے ایک طرف لکھا ہوا تھا ـــــ "For ever yours" ـــــ اور کوئی کسی قسم کی مبارکباد نہیں تھی .... میں تم کو اس سے زیادہ اور پیش بھی کیا کر سکتی تھی۔ یہی تو میری کائنات تھی ـــــ "دل" ـــــ "میرا پسندیدہ پھول" ـــــ اور ـــــ "ہمیشہ تمہاری" ـــــ !

میں اپنا نام لکھ کر کسی اوچھے پن کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس پر صرف یہ لکھا۔

ذکر اِک روز پلٹنے کا کیا تھا تم نے
اِک دیا دل کے اندھیروں میں جلا رکھا ہے

اور یہ کارڈ بھی تمہارے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

تمہارا یہ دستور تھا کہ دفتر سے گھر کی ڈاک نوکر کے ہاتھ بھجوا دیا کرتے تھے۔

عید تو کسی نہ کسی طرح روتے پیٹتے گزر ہی گئی تھی۔ عید کے دن بھی میں تمہارے

لئے ترستی رہی تھی۔ رو رو کر میں نے وہ دن گزارا تھا۔ اور پھر عید کا اگلا دن آیا۔ غم کی شدت میں قدرے کمی ہو گئی۔ عید کا تیسرا دن ہوا۔ غم کچھ اور کم ہو گیا۔ پھر زندگی کے وہی معمول ہو گئے۔

تمہارا دفتر جانا ـــــ وہاں سے ڈاک گھر بھیجنا ـــــ خود اپنی دلچسپیوں میں کھو جانا اور رات گئے واپس آنا۔

بہت سے عید کارڈ آئے تھے۔ اِس مرتبہ بھی مجھے بہت سے لوگوں نے یاد کیا تھا میں ڈھیروں لفافے ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی پُرخلوص ہستیوں کے محبّت سے بھیجے ہوئے عید کارڈ باری باری دیکھ رہی تھی۔

نیلما نے بہت ہی پیارے انداز میں مجھے یاد کیا تھا۔

اُس نے ایک بہت خوبصورت سے عید کارڈ پر لکھا تھا:۔

"میری بہت ہی پیاری بھابی۔ جو مجھ سے دُور ہو کر میرے بھیّا کی خوشیوں میں گُم ہو گئیں!"

اس پیارے انداز پر مجھے مسکرانا چاہیئے تھا۔ لیکن میری آنکھیں چھلک گئیں اور میں سوچنے لگی ـــــ کاش نیلما ـــــ میں تمہارے بھیّا کی خوشیوں میں گُم ہو سکتی۔

تبسّم باجی نے مجھے بہت ہی پُرخلوص دُعائیں دی تھیں۔

خالہ امّی نے ایک ایک حرف کو اپنی محبّت سے سینچ کر لکھا تھا۔

سحر اور کرن نے بہت ہی حسین اور دل میں کھُبنے والے انداز میں اپنے بُھلا دینے کا شکوہ کیا تھا ـــــ اُنہوں نے لکھا تھا:۔ ے

مجھے تیری نہ تجھے میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گذر جائے گی

اور امّی نے تو اپنی محبتوں کے پھُول بکھیر کر رکھ دیئے تھے۔

صباحت، ملاحت نے اپنی پیاری باجی کو عید پر بہت یاد کیا تھا اور ان ہی یاد دلا

سے لبریز ان کا عید کارڈ تھا۔

خرّم بھیا لندن میں بیٹھ کر بھی اپنی چہیتی بہن کو نہیں بھولے تھے اور اُنہوں نے بہت پر زور طریقے سے مجھ کو لندن بلایا تھا۔

کچھ اور لوگوں کے عید کارڈ تھے۔

اور ان سب کے بیچ میں مجھے ایک اور لفافہ نظر آیا۔

"اس پر تحریر میری تھی..... اور نام تمہارا تھا"

اس کو پہچاننا میرے لئے دُشوار نہ تھا۔ جس چیز میں میں نے اپنے دل کی دھڑکنیں پرو کر بھیجی ہوں وہ چیز کیسے بھُولی جا سکتی ہے۔

اور اس پر ایک طرف تمہارے ہاتھ کا بہت ہی کاروباری سی تحریر میں لکھا ہُوا تھا۔

"same to you"

اُف ـــــ یہ پڑھ کر میرے دماغ پر کتنی زور کی چوٹ پڑی..... میرا سر گھوم گیا میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔

مجھے تم سے اس کاروباری انداز کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اُف، کس قدر کاروباری جُملہ تھا، اور کس قدر کاروباری تمہاری لکھائی تھی۔

ہائے کامی ـــــ تم نے جذبات کی لطافت کو کہاں بھُلا دیا۔ تم نے لکھنے سے پہلے یہ کیوں نہ سوچ لیا کہ یہ لطیف و نازک جذبات رکھنے والی لڑکی اِس جُملے کا وزن نہ سہار سکے گی۔ تم اگر میرے سر پر ایک پتھر دے مارتے تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی، جتنی کہ تمہارے اس جُملے سے ہوئی۔ ہائے تم نے کتنی بے دردی سے میری دی ہوئی چیزوں کو لَوٹا دیا۔ تم نے کس قدر سنگدلی سے میرے جذبات کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔ ہائے کامی ـــــ کاش تم ایک لمحے کے لئے یہ سوچ لیتے کہ تمہارا یہ جملہ میرے لئے ایٹم بم کا کام دے گا۔

میں بستر پر گر گئی اور روتی رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پوری رات میرے ذہن

میں "Same to You" - "Same to You" گونجتا رہا۔ تم اب جذبات کو بھی کاروبار کے ترازو میں تولنے لگے ۔ مگر کامی! ــــ تم تو کبھی بھی اتنے بدذوق نہیں تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا!

کامی ــــ میں نے تمہیں مبارکباد تو نہیں دی تھی جو تم نے مجھ کو لوٹا دی۔ میں نے تو تم کو اپنا دل ــــ ایک پھول ــــ اور "ہمیشہ تمہاری" رہنے کا وعدہ سجا کر پیش کیا تھا، اور تم کو تمہارا وعدہ یاد دلایا تھا۔ تم نے یہ سب چیزیں کس قدر سنگدلی سے لوٹا دیں۔ لوٹا ہی نہیں دیں بلکہ میرے مُنہ پر دے ماریں ــــ اُف ــــ یہ طمانچہ اتنی زور کا پڑا، کہ میں بلبلا گئی۔ میں تڑپ گئی اور میں تمہاری ذہنیت پر ماتم بھی تو نہ کر سکی۔

تم نے جہاں مجھے اتنے دُکھ دیئے تھے اس میں ایک اور اتنے بڑے گھاؤ کا اضافہ ہو گیا ــــ کامی! ــــ تم نے میرے جذبات کو ہی یکسر فراموش کر دیا۔ اور سوچو تو جب زندگی میں سے یہ لطافت ہی ختم ہو جائے تو وہ خالی زندگی کس کام کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم ہی تو کہتے تھے کہ مجھے تمہارا سپاٹ چہرہ بالکل پسند نہیں۔ جذبات سے خالی چہرہ کس کام کا!

اب تم ہی بتاؤ کہ جذبات سے خالی زندگی کس کام کی۔ ۔ ۔ ۔ کیا میں اس زندگی کو خیرباد کہہ دوں؟ ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں کامی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بولو نا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جواب دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے بغیر میری زندگی میں کوئی جاذبیت، کوئی کشش نہیں ہے۔ میں نے تمہیں اس کا احساس دلانا چاہا اس کا بھی جواب جب تمہاری طرف سے اتنا کاروباری ملے تو بتاؤ، میں زندہ رہ کر کیا کروں زندہ رہنے میں رکھا ہی کیا ہے۔

سوچتی ہوں خودکشی کر لوں۔ لیکن خدا سے ڈرتی ہوں۔ زندگی میں کوئی ناجائز بات نہیں کی۔ اب کیا حرام موت مر کر اپنی عاقبت خراب کر لوں؟ پھر سوچتی ہوں، دُنیا نہیں ملی عاقبت ہی مل جائے۔ لیکن عاقبت کی خبر کسے ہے۔ جن لوگوں کو دُنیا نہیں ملتی وہ عاقبت کا ڈر بھی نہیں رکھتے۔ اور وہی لوگ اپنی عاقبت بھی کھوتے ہیں۔ مجھے بھی اب نہ اپنے مستقبل کی فکر ہے نہ عاقبت کی پرواہ۔ کون جانے میں کس وقت اور کیا فیصلہ کر لوں!

بس کامی! ——— اب میں زیادہ دن تک تم کو پریشان نہیں کروں گی۔ میں چلی جاؤں گی میں چلی جاؤں گی ——— تم سے دُور .... بہت دُور .... اب مجھ سے یہ اذیتیں برداشت نہیں ہوتیں۔ میں تمہارے پاس ہو کر بھی تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔ ہم دونوں کی یہ اجنبیت میرے لئے سوہانِ رُوح ہے۔ میں تم سے دُور ہو جاؤں گی۔ پھر شاید مجھے اتنے دُکھ نہ ہوں۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ ایک یہی دُکھ ہوگا کہ تم مجھ سے دُور ہو۔ اور ایک بڑا غم سہہ لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ روز مجھے سوئیاں چبھو کر زخمی کیا جاتا رہے۔

میرے لئے تو یہ زندگی بھی اذیّت ناک ہے۔ تم سے دُور رہنے کی بھی اذیّت برداشت کر لوں گی۔ بس کامی، یہ میرا فیصلہ ہے۔ اب تم زیادہ دن میرا دُکھ برداشت نہیں کرو گے، بس میں آخری مرتبہ اور تمہیں مخاطب کروں گی اور ایک آخری تحفہ دوں گی۔ پھر ہم دونوں کے راستے اتنے الگ ہو جائیں گے کہ ہم ایک دوسرے کی گرد بھی نہیں پا سکیں گے۔

اس فیصلے سے میں مطمئن ہو گئی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ میں بھیّا کے پاس لندن چلی جاؤں گی۔ میں یہ ملک یہ دیس چھوڑ دوں گی۔ جہاں میری یادوں کے مزار ہیں۔ جہاں میری خوشیوں نے جنم لیا۔ اور جہاں میری خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہاں مجھے کیا ملا؟ جب اپنوں نے ہی اتنے دُکھ دیئے تو اب بیگانوں کو کیوں نہ آزماؤں۔ بیگانوں کے دیئے ہوئے دکھوں کے گھاؤ اتنے شدید تو نہیں ہوں گے کہ وہ زخم مندمل نہ ہو سکیں۔ اپنوں کے دیئے ہوئے دُکھوں کی شدّت تو کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لیتی۔

میری زندگی میں کس قدر دُکھ ہیں۔ اور ان سب کے ذمہ دار تم ...... اور صرف تم ہو۔ تم سے میں نے اپنی زندگی کی اپنی صحت کی بھیک مانگی۔ اور اس کا تم نے وعدہ بھی کیا۔ لیکن یہ وعدہ کبھی پورا نہ ہو سکا۔ تم میں یہ وعدے ایفا کرنے کی سکت نہیں تھی تم تو اپنی زبان کو ایسے پلٹ دیتے تھے، جیسے تاریخوں والے کیلنڈر کی روز ایک نئی تاریخ پلٹ جاتی ہے اور میں نے سوچا کہ آخری تحفے میں میں تم کو ایک کیلنڈر ہی دوں گی جس کی

ہر روز ایک نئی تاریخ بدل جاتی ہے۔ بالکل تمہاری زبان کی طرح، تمہارے وعدوں کی طرح ——— !

اور پھر میں نے یہی کیا۔ ایک ٹیبل کیلنڈر تم کو بھیجا..... ہاں کامران بھیجا... تمہیں دفتر میں ——— تاکہ دفتر میں بیٹھ کر تم بھی اپنے مزاج کے الٹنے پلٹنے سے واقف ہوسکو...... کیلنڈر ملنے کے بعد تم نے بہت سپاٹ لہجے میں کہا تھا کہ:-

"مجھے ایسے تحفے نہ دیا کرو!"

شائد تم ایک مدّت بعد یہ لطیف طنز سمجھ گئے تھے...... تمہارے کہنے سے پہلے ہی میں سوچ چکی تھی کہ یہ میرا آخری تحفہ ہوگا۔ اور تمہارے کہنے کے بعد تو زندگی بھر میں تمہیں کوئی تحفہ دینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

تمہاری بے توجہی تو اب حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ میں چپکے چپکے اپنے لندن جانے کے انتظامات مکمل کر رہی تھی۔ جس کا کسی "اپنے" کو علم نہیں تھا۔ غیروں نے میرا بہت ساتھ دیا اور اس سلسلے میں مدد کی۔

کامی! ——— مجھے تم سے محبت پہلے بھی تھی، اب بھی ہے، اور ہمیشہ رہے گی تمہارے روّیے نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ اور سوچو تو کامی! اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی تو یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔ میری بلا سے تم اپنی دلچسپیوں میں گم رہتے میں اپنی دلچسپیاں بنا لیتی...... اگر تم سے محبت نہ ہوتی تو تم ہفتوں بھی باہر رہتے تو میرے اوپر اثر نہ پڑتا۔ لیکن کامی! ——— مجھے اس محبت نے کہیں کا نہ رکھا۔ میں سوچتی ہوں، کاش! مجھے تم سے محبت نہ ہوتی۔ اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی تو آج میری زندگی کتنی پرسکون اور مسرّتوں سے لبریز ہوتی۔

خدا نے مجھے میرے کن گناہوں کی سزا دی ہے جو تم جیسے ظالم کی محبت کو میرے دل میں بھر دیا۔ میں نے بہت کوششیں کیں کہ تمہاری محبت میرے دل سے ختم ہو جائے، لیکن

میری یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور میں اسی طرح سسکتی رہی اور اب بھی مجھے ساری زندگی سسکنا ہی ہے۔ خدا کرے میں دُوسرے دیس جا کر پُرانی یادوں کو دل سے بھُلا دُوں۔ میں تم کو بھُول جاؤں، تمہاری محبّت کو بھُول جاؤں۔ اپنی یادداشت کھو بیٹھوں!

کتنی عجیب تمنّا ہے۔ یہ تمنّا کبھی کسی نے نہ کی ہو گی۔ لیکن آج میں صرف تمہاری وجہ سے یہ تمنّا کر رہی ہوں کہ میں اپنی یادداشت کھو دوں۔ تم سے دُور رہنے کا تجربہ کیسا رہتا ہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

میرے لندن جانے کے سب کاغذات مکمل ہو چکے تھے۔ اور تیاری مجھے کرنی ہی کیا تھی۔ تھوڑے سے بہت پہننے کے کپڑے لے جانے تھے۔ اور بس۔ اب پہننے اوڑھنے کا شوق تو رہا نہیں تھا۔ صرف ضرورت کو پورا کرنا تھا۔ اور ویسے بھی میں تمہارے پیسے کی کوئی چیز لے جانا پسند نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس سے مفر ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ تمہارا پیسہ بھی تمہاری محبت کی طرح میری رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔ اس سے چھٹکارا کیسے حاصل کر سکتی ہوں۔

خالہ امّی کا خط آیا تھا۔ انہوں نے بہت محبّت سے مجھے پنڈی بلایا تھا۔ مجھے اور بچّوں کو دیکھے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔

تم نے بہت ہی بیزاری سے وہ خط میری طرف بڑھا دیا اور انتہائی تحکمانہ لہجے میں کہا کہ پنڈی جانے کی تیاری کر لو۔

میں خود بھی پنڈی جانا چاہتی تھی۔ اب تو شاید ہمیشہ کے لئے سب کا ساتھ چھوٹ رہا تھا۔ میں سب سے آخری مرتبہ ملنا چاہتی تھی۔ اب مجھے خالہ امّی کی شفقتیں، تبسّم باجی کا خلوص، نیلما کی پیار بھری باتیں کہاں ملیں گی۔ یہ سب تو خواب و خیال ہو جائے گا۔ اپنے ہمدردوں سے آخری بار ملنے کا مرحلہ طے کرنا تھا۔ یہ کام میرے لئے بہت مشکل تھا۔ لیکن جب میں نے ہمّت کر کے ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔ پھر ان دشواریوں

سے کیا ڈرنا!

میں بچّوں کو لے کر پنڈی چلی گئی۔ سب لوگ مجھے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ میری صحت بہت خراب ہو چکی تھی۔ ہر ایک یہ سوال کرتا تھا۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا" لیکن میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

نیلما اور تبسّم باجی کو میری خاموشی سے بہت شکوہ تھا۔ وہ بار بار مجھ سے کہتی تھیں "تمہیں کیا ہو گیا ہے، کہاں کھوئی رہتی ہو، خلاء میں کیا تکتی رہتی ہو۔ تمہاری وہ شرمیلی پیاری سی مسکراہٹ کہاں چلی گئی"۔ اور میرے پاس ان سب باتوں میں سے ایک کا بھی جواب نہیں تھا۔ میں ان لوگوں کو اپنی داستانِ غم کیا سناتی اور اب تو اس داستان کا اختتام ہونے والا تھا۔ میں اپنے دل کا غم کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں ان سب کو اپنے حالات بتا کر تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن جب میں تنہائی میں لیٹتی تو خیالات کی اس قدر یلغار ہوتی کہ میرا پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا۔ ان سب کی جُدائی کے خیال سے میرا کلیجہ مُنہ کو آ رہا تھا۔ میری زندگی کا اب دُوسرا دَور شروع ہونے والا تھا۔ میں نے اکثر راتیں آنسو بہا کر گزار دیں۔ میں نے اتنا بڑا فیصلہ تو کر لیا تھا، لیکن پہلے ہی مرحلے پر میرے قدم لڑکھڑانے لگے۔ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ یہ جدائی۔۔۔۔۔۔ اتنی بہت سی پُرخلوص ہستیوں کی جدائی۔۔۔۔ ہائے، میں کس طرح برداشت کر سکوں گی۔ خدا مجھے ہمّت دے۔ خالہ امّی، جن کی شفقتیں میں زندگی بھر نہ بھُلا سکوں گی۔ انہوں نے مجھے کس طرح قدم قدم پر سہارا دیا ہے۔ انہوں نے مجھے اتنا خلوص، اتنا پیار دیا کہ میں امی کی دُوری بھی بھُول گئی۔ کتنی شفیق ہیں وہ۔ اور اب وہ مجھ سے بچھڑ جائیں گی۔

خالو جان ــــــ جنہوں نے مجھے بیٹیوں سے زیادہ چاہا۔ انہوں نے ایک لمحے کو بھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ میں اپنے باپ سے دُور ہوں۔ اتنی محبّت والی ہستیاں

خوش قسمتوں کو ہی ملا کرتی ہیں۔ افسوس میں ان کے خلوص کا بدلہ نہ دے سکوں گی۔

تبسّم باجی ——— کتنا پیار ہے میرے لئے ان کے ایک ایک لفظ میں — ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ اپنی جان بھی مجھ پر نچھاور کر دیں۔ انہیں جب بھی میرے پنڈی پہنچنے کی اطلاع ملتی وہ اپنے گھر بار کی مصروفیتیں چھوڑ کر میرے پاس پہنچ جاتیں۔ میں کہتی بھی تھی کہ "تبسّم باجی! دولہا بھائی تو بہت بُرا مانتے ہوں گے۔ آپ میری وجہ سے ان کو چھوڑ کر آ جاتی ہیں۔"

اور وہ ہنس کر کہتیں :۔

"میری ثمو! میں تمہیں کیا بتاؤں، جب میں زیادہ دن تک تم کو نہیں دیکھتی تو میری کیا حالت ہو جاتی ہے۔ تمہارے دولہا بھائی کو تو پھر میں منا لیتی ہوں۔"

یہ خلوص اب مجھے کہاں ملے گا۔

نیلما ——— اُف، کتنی پیاری ہے۔ اس کی شرارت سے پُر وہ پیاری پیاری باتیں ——— مجھ پر کس قدر جان دیتی ہے۔ کتنے مزے سے اپنے دُولہا سے کہہ رہی تھی :۔

"بھئی آپ بُرا مانیں یا بھلا۔ مگر میں تو سچّی بات کہتی ہوں۔ مجھے تو آپ سے زیادہ اپنی ثمو بھابی سے محبّت ہے!"

یہ اس کی بھولی بھالی، پیاری پیاری باتیں مجھے کس قدر یاد آئیں گی!

میں اتنی پیاری پیاری ہستیوں کو چھوڑ کر کہیں غلطی تو نہیں کر رہی ہوں۔ اس گھر میں آکر مجھے کبھی بھی اپنا گھر چھوڑنے کا رنج نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے مجھے کس طرح پھولوں کی طرح رکھا۔ گھر کا ایک ایک فرد میرے اوپر جان دیتا ہے۔

لیکن اسی گھر کے ایک فرد کامران بھی تو ہیں جنھوں نے میرے دامن میں اتنے دُکھ بھر دیئے ہیں کہ اس کا وزن اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں رہی۔

یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ جس گھر کے لوگوں کی محبّت میرے پیر پکڑ رہی ہے،

اسی گھر کے ایک فرد کی وجہ سے مجھے اتنا بڑا قدم اُٹھانا پڑا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ میاں نے یہ ایک ہی گھر کے لوگوں میں اس قدر مختلف عادتیں کیوں رکھ دیں۔ جس گھر کے ایک ایک فرد کا خلوص مثال بن گیا۔ اسی گھر کا ایک فرد خلوص کے نام سے نا آشنا کیوں رہ گیا...... کاش اللہ میاں کامران کو بھی اس دولت سے نواز دیتے۔ پھر آج میری زندگی میں اتنے کانٹے نہ ہوتے۔

زندگی کا دوسرا دَور کیسا ہوگا۔ اے خدا مجھے ہمت دے کہ میں سب حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر سکوں۔ میں ان سب سے دُور ہو کر ان کو بھلا بھی دوں۔ حرفِ غلط کی طرح اپنے ذہن سے مٹا دوں۔ ان لوگوں کے خلوص کو بھی اپنے دل سے دھو دوں۔ احسان فراموشی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ چسپاں کر لوں۔ مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ مجھے لوگ احسان فراموش کہیں گے، مگر میرا دل غم سے لبریز تو نہ ہوگا۔

امّی کا خط آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس حیدر آباد بلایا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ "جب تم گھر سے نکلی ہی ہو تو کچھ دن کے لئے یہاں بھی آجاؤ۔

خالہ امّی کے پاس ان دنوں تبسّم باجی اور نیلما بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ مجھے تو نہیں روک رہی تھیں۔ امّی کی خواہش کو ردّ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ان سب کی رائے تھی کہ میں بچّوں کو اب وہاں چھوڑ دوں۔ بچے اب وہیں پڑھیں۔ خالہ امّی میری صحت کی طرف سے بہت فکر مند تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ "بچّے تمہارے بغیر یہاں زیادہ خوش ہیں۔ وہاں بچّوں کی دیکھ بھال میں تمہیں آرام اور علاج کے لئے وقت نہیں ملتا ہوگا۔" وہ ہر وقت مجھے سمجھاتی تھیں کہ "اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔"

بچوں کی وجہ سے میں بھی پریشان تھی کہ کہاں چھوڑوں۔ میں نے سوچا تھا کہ امّی کے پاس چھوڑ دوں گی اور چپکے سے بہانہ بنا کر چلی جاؤں گی۔ اگر ان لوگوں کو میرے جانے کی ذرا بھی بھنک مل گئی تو مجھے نہیں جانے دیں گی۔ اب بچوں کا معاملہ خود بخود حل ہو گیا تھا۔ خالہ امّی نے تم کو لکھ

کر بھی پوچھ لیا تھا۔ تمہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ تمہاری بلا سے بچے کہیں بھی رہیں۔ مجھے تو یہ ڈر تھا کہ کہیں تم بچوں کی شخصیت کی طرح ان کے نام بھی نہ بھول جاؤ۔

کامران!—— ان دنوں میرا ذہن کس قدر پریشان رہتا تھا۔ کاش تم اندازہ کر سکتے۔ جانے کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ اور میرا دماغ اُلجھتا جا رہا تھا۔ کتنی مشکلات اور تکلیفوں سے مجھ کو دوچار ہونا تھا۔ خالو جان، خالہ امّی، تبسّم باجی، نیلما، ان سب کو چھوڑنا، امّی، ابّو، اور اپنی بہنوں کو چھوڑنا کتنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ میں دن اور رات خدا سے دُعا کرتی تھی کہ "خدا مجھے ہمّت دے اور میرے جانے سے پہلے یہ راز فاش ہو جائے" لیکن جاتے وقت میں ضرور تم کو بتا کر جانا چاہتی تھی۔

اور پھر میں حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گئی۔ روانگی کے وقت میرا کلیجہ غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ ایک ایک کے گلے لگ کر میں نے بے تحاشا آنسو بہائے۔ خالہ امّی مجھے تسلّیاں دیتی رہیں:-

"اب کے بہت دنوں بعد آئی تھیں۔ اس لئے جاتے وقت اتنا افسوس ہو رہا ہے اب تمہیں میں جلدی بلا لیا کروں گی!"

یہ سُن کر تو جو رہے سہے ضبط کے بندھن تھے وہ بھی ٹوٹ گئے۔ ان کے گلے سے لگ کر میں ہچکیاں لینے لگی۔

اپنے بچوں کو آخری مرتبہ پیار کرتے وقت مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا دل پھٹ جائے گا۔

ننھی رعنا بے چاری پریشان سی کھڑی تھی۔ پھر بہت معصومیت سے بولی:-

"امّی! آپ اتنا کیوں رو رہی ہیں۔ مجھے چھوڑ کر جانے پر رو رہی ہیں۔ امّی! میں جلدی جلدی بہت سا پڑھ کر آپ کے پاس آ جاؤں گی۔"

اس کی یہ معصومیت میرے دل کے ٹکڑے کئے دے رہی تھی۔ اور شمریز بیچارا گُم

سُم کھڑا شاہد سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے۔

وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اُلٹی مجھے ہی تسلیاں دینے لگا:۔

"میری امّی! روئیے نہیں۔ میں یہاں بہت دل لگا کر پڑھوں گا اور جلدی سے بڑا آدمی بن جاؤں گا اور امّی! آپ کی طبیعت جب ٹھیک ہو جائے گی تو میں چھٹیوں میں آپ کے پاس آؤں گا۔ اچھی امّی، روئیے نہیں۔ میں یہاں بہت اچھی طرح سے رہوں گا کسی کو تنگ نہیں کروں گا سب کا کہنا مانا کروں گا۔ رضا کا خیال رکھا کروں گا۔ امّی یقین کیجئے، میں اب بالکل اس سے نہیں لڑا کروں گا۔ میری امّی، چُپ ہو جائیے!"

اور میں اس کی تسلیوں کی تاب نہ لا سکی اور جلدی سے کار میں بیٹھ گئی۔ اور مجھے خالہ امّی کی آواز دُور سے آتی ہوئی معلوم ہوئی:۔

"یہ اب کے اسے کیا ہو رہا ہے۔ کمزور بہت ہو گئی ہے۔ اسی لئے اس کا یہاں سے جاتے وقت اتنا بُرا حال ہے اور پھر بچّوں کو بھی تو چھوڑ کر جا رہی ہے ...... اللہ اسے خوش رکھے۔ بہت ہی نیک اور سعادت مند بچی ہے۔"

کاش، خالہ امّی میرا غم سمجھ سکتیں۔ انہیں کیا معلوم یہ آنسو کیسے ہیں، یہ ہمیشہ کی جُدائی کے آنسو ہیں، جن پر قابو پانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اُف، کتنا صبر آزما وقت ہے۔

کامی! ـــــ کاش تم اس وقت یہاں ہوتے اور میرا غم سے تڑپنا دیکھتے۔ تم کو تڑپانے میں مزہ آتا ہے۔ اگر تم میرا آج کا تڑپنا دیکھ لیتے تو شاید تم کو بہت سکون ملتا۔ تم نے ہمیشہ مجھے تڑپا کر قہقہے لگائے ہیں۔ تم اپنے آپ کو ملول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ خدا نے تمہارے حصے میں قہقہے اور میرے حصّے کے لئے آنسو رکھّے تھے۔

تمہیں بہاروں سے پیار تھا اور میرے نصیب میں خزائیں لکھی تھیں۔ اور اسی لئے شاید خزاں مجھے اچھی لگتی تھی ...... دراصل خزاں مجھے اچھی نہیں لگتی تھی، بلکہ خزاں پر مجھے ترس آتا تھا۔ اس سے مجھے ہمدردی تھی۔ جب خزاں میں ایک ایک پتّا جھڑتا ہے تو

مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے میرے دل کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ گر رہے ہوں۔ مجھے ٹنڈ منڈ خزاں رسیدہ پیڑ اسی لئے اچھے لگتے تھے کہ ان کو پسند کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ بہاریں تو سب ہی پسند کرتے ہیں۔ لیکن خزاں کو پسند کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

تمہیں یاد ہے کامی! ـــ ایک مرتبہ میں نے بہت دل لگا کر ایک پینٹنگ کی۔ اس میں ایک خزاں رسیدہ پیڑ تنہا کھڑا تھا...... جب تم نے وہ تصویر دیکھی تو کہا تھا:۔

"بھئی، یہ ایسے ٹنڈ منڈ پیڑ نہ بنایا کرو۔ مجھے بالکل پسند نہیں مجھے تو بہار پسند ہے۔ ہر طرف رنگ برنگے خوشنما پھول پھیلے ہوئے ہوں۔ مجھے تو ایسی چیزیں پسند ہیں۔ میرا بھلا خزاں سے کیا واسطہ۔ میں تو بہاریں پسند کرتا ہوں۔ اور بہاریں ہی میرا حصّہ ہیں۔ ثمو! جب میں سُورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ میں ایسی اُداس چیزیں بالکل پسند نہیں کرتا!"

اُف کامی ـــ مجھے ایک ایک بات یاد آ کر خون کے آنسو رُلاتی ہے.... یہ گھاؤ...... یہ زخم..... میری رُوح کس قدر زخمی ہے۔ مجھے کتنی تکلیف ہے اور تم ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی بہاروں میں گُم ہو۔

میں تمہیں بُھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں۔ کیا ہُوا جو اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تم ہی نے تو ایک دفعہ کہا تھا کامی! "مجھے معاف کر دو اور مجھے بھُول جاؤ!"

بس کامی! میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تم کو بھُولنے کی پوری کوشش کرونگی یہ کام میرے بس کا تو نہیں ہے۔ لیکن تمہارے سامنے رہ کر تمہیں اپنی یاد تو نہیں دلا سکوں گی۔

امّی کے پاس جا کر بڑا سکون محسوس ہُوا، مگر جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے دل کی چبھن بڑھتی جا رہی تھی۔ اب امّی سے جُدا ہونے کا مرحلہ طے کرنا تھا۔ میرا دل تم میں اور بچّوں میں پڑا ہُوا تھا۔ اور اب امّی کو چھوڑنا مجھے اس غم سے زیادہ معلوم ہو رہا تھا۔ پھر ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ پھر شاید مجھے اپنا ارادہ ملتوی

کر دینا پڑتا۔

میں نے امّی سے کہا کہ میں کچھ دنوں کے لئے کراچی رضوانہ کے پاس جاؤں گی۔ مختصر سامان لے جاؤں گی۔ میری بقیہ چیزیں آپ لاہور بھیج دیجئے گا۔

امّی نے کہا بھی کہ واپسی میں تم خود لے لینا۔ لیکن میں نے ہوں، ہاں کر کے ٹال دیا۔ امّی میری صحت کی وجہ سے بے حد پریشان تھیں۔ میری خاموشی سے بھی وہ بہت ہراساں تھیں۔ وہ مجھ کو کچھ دن تک اپنے سے الگ کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اتنے اتنے دن کے بعد تو آتی ہو صرف چند دنوں کے لئے۔ اب اس میں بھی تم کراچی جانا چاہتی ہو...... لیکن پھر انہوں نے اس خیال سے مجھے اجازت دے دی کہ رضوانہ کے پاس جا کر شائد میرا کچھ دل بہل جائے۔ اور میری صحت پر خوشگوار اثر پڑے۔

امّی سے جُدا ہونا کتنا مشکل کام تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ میرے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ آج آنسو بن کر بہہ جائے گا۔ امّی حیران تھیں۔ بار بار مجھے سمجھا رہی تھیں کہ تم تو اپنی خوشی سے رضوانہ کے پاس جا رہی ہو، اگر تمہیں یہاں سے جانے کا اتنا ہی رنج ہے، تو ابھی کچھ دن اور یہاں رہ جاؤ۔ یوں اس طرح رو رو کر اپنی جان ہلکان نہ کرو—— امّی میرے ان آنسوؤں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھیں۔ ماں کی ممتا تو اولاد کے ذرا سے دُکھ کو اپنی تیز آنکھوں سے پہچان لیتی ہے۔ اور یہ دُکھ تو ایسا تھا کہ اس سے ان کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے بہت پوچھنے کی کوشش کی۔ لیکن اب میں نے بتانا بے سُود سمجھا۔

اور میں آنسو بہاتی ہوئی امّی، ابّو، اور بہنوں کو حیران پریشان اور رنجیدہ چھوڑ کر کراچی روانہ ہو گئی۔

حیدر آباد سے روانگی سے پہلے میں نے تمہیں آخری مرتبہ مخاطب کیا—— میں نے لکھا۔

کامران ——— !

ہاں صرف کامران! اب میں تمہیں "میرے کامران" کہہ کر کبھی مخاطب نہیں کروں گی۔ اس لیئے کہ اب تم میرے نہیں ہو۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے بھول جاؤ، اور جن لوگوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ وہ پھر اپنے نہیں رہتے۔ تم یہ نہیں چاہتے تھے کہ میرے رہو۔ اور تمہارے ہی اصرار پر میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ بہت بڑا، بہت اہم...... میں جا رہی ہوں۔ دُور...... بہت دُور...... تمہاری دُنیا سے دُور...... تمہاری رنگینیوں سے دُور...... اب تم شائد زندگی بھر میری صورت نہ دیکھ سکو۔

میں نے فیصلہ کر لیا ہے:۔

نہ کبھی دل میں تمنّا ہو نہ نظروں کو تلاش

تیری دُنیا سے بہت دُور بسیرا کر لوں

یہ میری آخری تحریر ہوگی۔ اب میں تمہیں کبھی دُکھ نہیں دوں گی۔ اپنی منحوس صورت تم کو نہیں دکھاؤں گی۔ جس سے تم بیزار ہو چکے ہو۔ اپنی تحریر سے کبھی تم کو پریشان نہیں کروں گی جس کو تم نے ایک مرتبہ منع کیا تھا۔ میری اس آخری تحریر سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پر نظر ڈال کر حرفِ غلط کی طرح اپنے ذہن سے مٹا دینا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے پیروں تلے روند دینا۔

میں نے اپنے جانے کے تمام انتظامات مکمل کر لیئے ہیں۔ اور اس مہینے کی ۱۸ تاریخ کو صبح چھ بجے تم سے بہت دُور چلی جاؤں گی۔ لاہور سے چلتے وقت تمہاری صورت دیکھنے کو ترستی رہی۔ تم کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ تم مجھے الوداع کہنے آجاتے۔ اور یہ تمہارے لیئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں تو جاتی آتی رہتی ہوں۔ لیکن تم کو یہ نہیں معلوم تھا۔ کہ اس مرتبہ میں جا کر واپس نہیں آؤں گی۔ اگر تم کو معلوم ہوتا تو شائد تم مجھے اتنا نہ ترساتے میرا دل اب بھی یہ یقین کرنے کو تیار نہیں ہے کہ تم اتنے ظالم بھی ہو سکتے ہو۔ اب بھی میرے دل میں امید کی ایک کرن ٹمٹما رہی ہے کہ اگر تم کو معلوم ہوتا تو تم ہرگز ایسا نہ کرتے

تم ضرور مجھے الوداع کہنے آتے۔

میں بھی کتنی ناسمجھ ہوں۔ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ ان بیکار باتوں کے لئے کون اپنا قیمتی وقت ضائع کیا کرتا ہے۔ اور وہ بھی تم جیسے آدمی کے لئے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جس کے دفتر کا کام کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ اور پھر دوستوں کا ساتھ تم کیسے چھوڑ سکتے ہو۔ تمہارے دوست بھی تو کس قدر نازک مزاج ہیں۔ اگر تم ذرا سی دیر کو بھی ان سے الگ ہو جاتے ہو تو وہ تم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی ایک لمحے کی بھی ناراضگی تم کو گوارا نہیں ہے۔ میری ناراضگی کا کیا ہے۔ اپنے آپ ہی ناراض ہوتی ہوں، اپنے آپ ہی روتی ہوں اور اپنے آپ ہی چپ ہو جاتی ہوں۔ بھلا میری ناراضگی کا تم پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

تمہیں یاد ہوگا "کامران" (اب تو تمہارا نام مجھے بہت سنبھال کر لینا پڑتا ہے) ایک دفعہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم کو اپنے دوستوں کی ناراضگی کا بہت خیال ہے اور جو کبھی میں ناراض ہو جاؤں تو ___ دوست تو صرف اچھے وقت کے ساتھی ہیں۔ لیکن جو زندگی کا ساتھی ہے، کیا اس کی ناراضگی بھی تم اسی طرح برداشت نہ کر سکو گے۔ تو تم نے کہا تھا۔ "دوستوں کو خوش رکھنا چاہیئے، تاکہ وہ ساتھ نہ چھوڑیں۔ زندگی کا ساتھی تو ہمیشہ ہی ساتھ رہتا ہے۔ اس کی ناراضگی کی کیا پرواہ کرنا۔" جب میں نے کہا کہ " اگر زندگی کا ساتھی ساتھ چھوڑ دے تو....." تو تم نے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا کہ "زندگی کا ساتھی کیسے ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔"

ہاں کامران! تم کو میری محبت پر بہت بھروسہ تھا۔ میری کمزور طبیعت کو تم اپنے لئے بہت فائدہ مند سمجھتے تھے۔ تمہیں یقین تھا کہ یہ کمزور، نازک سی لڑکی تمہیں چھوڑ کر کبھی کہیں نہیں جائے گی اور اسی طرح گھٹ گھٹ کر تمہاری دہلیز پر مر جائے گی۔

لیکن مسٹر کامران ___ یہ ایٹم کا زمانہ ہے۔ اب کمزور سے کمزور انسان بھی اپنے

اندر طاقت رکھتا ہے۔ اور دیکھ لو۔ میں نے بھی اتنا بڑا قدم اٹھا ہی لیا۔

ہاں تو مسٹر کامران —— تم سے کہنا یہ تھا کہ میں اس سرزمین کو اپنے وجود سے پاک کرنے سے پہلے تمہیں اور اپنے پیارے بچوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں، کیا تم میرے لئے اتنی تکلیف کر لو گے؟ میں ۱۸ر کو جا رہی ہوں۔ اور پھر..... پھر قسمت جہاں لے جائے!

میں نے زندگی بھر تم کو بہت دُکھ دیئے ہیں، لیکن اب تو ؎

نہ ہم ہوں گے نہ تم ہو گے نہ دل ہو گا، مگر پھر بھی

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہونگے

وہ ہستی ہی نہیں ہو گی جو تمہیں دکھ دے۔ میں اس آخری مرتبہ تم کو دُکھ دینے کی معافی چاہتی ہوں۔ میری غلطیوں کو درگزر کرنا کامران! مجھے معاف کر دینا۔ اور مجھے بالکل بھلا دینا......

تم مجھے بھُول تو گئے ہو۔ لیکن پھر بھی اتنے عرصے کا ساتھ، اتنی پُرانی محبّت، شائد کبھی تمہارے ذہن کے کسی کونے میں میرا خیال اُبھر آئے، اس وقت تم سر کو جھٹکا دے کر زمین پر تھوک دینا۔ جیسے کوئی بہت ہی کڑوی کسیلی چیز کھالی ہو۔ اور میرا خیال تمہارے لئے کسی کڑوی کسیلی چیز سے کم نہیں ہے۔

میرے پیارے بچوں کا خیال رکھنا۔ انہیں میں تم کو سونپ کر جا رہی ہوں۔ دیکھو، ان کو کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ ورنہ قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گی۔

میں ایرپورٹ پر تمہاری شدّت سے منتظر رہوں گی۔

الوداع —— ہمیشہ کے لئے الوداع

جو کبھی تمہاری تھی

ثمودرانی، نہیں بلکہ صرف —— ثمرآنہ"

اُف، کتنی تکلیف دہ یادیں ہیں۔

رضوانہ کے ہاں کا تو بہانہ تھا۔ اب میں رضوانہ سے مل کر ہی کیا کرتی۔ جب اتنے پیاروں کو چھوڑ رہی تھی تو ایک رضوانہ ہی کیا...... اپنے ماں باپ، اپنی بہنیں، تمہارے ماں باپ تمہاری بہنیں، اور سب سے زیادہ تم کو اور اپنے پیارے بچوں کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔

وہ "مِڈوے ہاؤس" (Midway House) میں اس سرزمین پر میری آخری رات، میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گی۔

میں اس کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ اب نہ کسی کا انتظار تھا نہ یہ خیال تھا کہ بچوں کو سردی تو نہیں لگ رہی ہوگی۔ نہ مستقبل کے اندیشے تھے۔ نہ یہ فکر تھی کہ آنے والی کل میرے لئے کونسا نیا غم لائے گی۔ بس ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اور آنسو تھے کہ بہے چلے جا رہے تھے۔ ان کا کوئی اختتام نہیں تھا۔ آج مجھے یہ ڈر نہیں تھا کہ بچے یا کوئی اور میرے آنسو نہ دیکھ لے۔ آج میں اس کمرے میں تنہا تھی اور آج میں آنسو بہانے کے لئے آزاد تھی۔ آج میرے آنسو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی مجھے دلاسا دینے والا نہیں تھا۔ آج کسی آہٹ پر کان نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ آج میں ہر کھٹکے سے آزاد تھی۔

آج سے زیادہ تنہا میں نے اپنے آپ کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ آج میری تنہائی کا رازدار یہ "مِڈوے ہاؤس" کا کمرہ...... اور میرے آنسو تھے۔ آنسوؤں نے تو ہمیشہ ہی میرا ساتھ دیا تھا۔ کاش آنسو غموں کو دھو سکتے۔ اگر آنسوؤں میں اتنی طاقت ہوتی تو آج میرے سارے غم دُھل چکے ہوتے...... اُف..... آج کیسا دل غم سے پھٹا جا رہا ہے۔ یہ کیسا اندھیرا ہے جو میرے چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ اور مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ آہ —— یہ زندگی کس موڑ پر لے آئی!

لیکن کامی —— تمہاری یاد سے، اپنے آپ کو آزاد کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ آج ایک ایک واقعہ، تمہارے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ اپنی تابانیوں کے ساتھ میرے

ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ اور میں سوچ رہی تھی ؎

مرتے جاتے ہیں تیرے نام پہ جینے والے

کیوں نہ میں بھی تیری یادوں سے کنارہ کرلوں

کاش تمہاری یادوں سے کنارہ کرنا میرے اختیار میں ہوتا۔ ہائے کامران! یہ کیسی بے بسی ہے۔ آج مجھے کیوں تمہارے ساتھ گذارا ہوا ایک ایک لمحہ اتنی شدّت سے یاد آ رہا ہے۔ اور اس کو برداشت کرنا میری طاقت سے باہر ہو رہا ہے۔ میرے آنسو سسکیوں میں اور سسکیاں ہچکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں...... دماغ میں واقعات اس تیزی سے آ رہے تھے، جیسے پکچر دیکھتے میں سین بدلتے ہیں..... اف، کامران..... میں تمہیں کیسے بھول جاؤں ـــــ کیسے بھول جاؤں!

ہائے میں نے تمہیں اتنی شدّت سے کیوں چاہا۔ اللہ میاں نے مجھے یہ کرب کیوں دے دیا۔ بغیر محبت کے زندگی کتنے چین سے گزرتی...... اے میرے خدا... میں کیا کروں یہ مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے ـــ اے میرے معبود! میرے دل سے اس سنگدل کی محبت ختم کر دے، جس نے میری محبت کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا ـــ یہ کیسی بے بسی ہے کہ جس بات کو میں بھولنا چاہتی ہوں وہ اتنی ہی شدّت سے یاد آتی ہے۔ لوگ اپنی یادداشت کھو دیتے ہیں۔ میں اپنی یادداشت کیوں نہیں کھو دیتی..... مجھے کچھ کیوں نہیں ہو جاتا...... مجھے اس کرب سے نجات کیوں نہیں مل جاتی۔ اے اللہ، میری مدد کر ـــ مدد ـــ

مجھے یاد آ رہا تھا۔ جب ایک مرتبہ شادی سے پہلے ہم لوگوں نے فلم ـــ An affair to remember دیکھی تھی۔ اس وقت بھی نیلما کی شرارت سے مجھے تمہارے پاس بیٹھنا پڑ گیا تھا۔ سب لوگ پکچر میں بہت زیادہ ہی محو تھے۔ میں اس فلم کی ٹریجڈی سے بہت متاثر تھی۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تو تم نے سرگوشیوں میں کہا تھا۔

"کیوں ثمو رانی! کیا بات ہے۔ فلم دیکھ کر بہت اداس ہو گئی ہو۔"

اس پر میں نے کہا تھا۔

"ہاں اس وقت مرد کی غلطی سے ان کی زندگی کا بہترین دور جدائی میں گزر گیا۔ جس وقت ہیروئن کو ہیرو کی ضرورت تھی۔ اس نے ساتھ چھوڑ دیا۔"

تو تم نے کہا تھا۔

"یہ تو فلم کی باتیں ہیں ثمو رانی۔ ان باتوں پر اتنا اثر نہیں لیا کرتے۔ مرد اتنے بُرے نہیں ہوتے۔" اور پھر تم نے میرے کان میں کہا تھا۔ "ثمو! میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ میں کبھی اپنے اور تمہارے درمیان کسی غلط فہمی کی دیوار نہیں آنے دوں گا۔"

اور کامران! اس وقت جو دیوار میرے اور تمہارے درمیان کھڑی ہو گئی ہے اس کو گرا دینا میرے بس کی بات نہیں۔۔۔ اور تم۔۔۔۔ تم نے تو خود ہی تعمیر کی ہے۔ وہ فلم کی بات سچ کر کے دکھا دی۔۔۔۔ جُدائی تو ہو گئی۔ لیکن ہمیشہ کے لئے۔ اب ملاپ کی کوئی امید نہیں۔ مرد سب ایک سے ہی ہوتے ہیں کامی!

اُف کامران! یہ یادیں آج کی رات میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی ہیں۔ مجھے ایک ایک بات یاد آ کر کیوں میرے موتیوں کے خزانے لٹا رہی ہے۔ آج کیا میری آنکھوں کے سارے آنسو بہہ جائیں گے۔ کیا آئندہ کے لئے کوئی آنسو میری آنکھوں میں نہیں رہ جائے گا۔ کاش ایسا ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں آج کی رات اتنے آنسو بہاؤں، پھر زندگی بھر کوئی آنسو میری آنکھ سے نہ ٹپکے۔ یہ یادیں کتنی زہریلی ہیں۔ ہر یاد سے میرے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگتی ہیں۔

اُف۔ ایسی قیامت کی رات ہے۔ کیا آج صبح نہ ہو گی۔ کیا میری آنکھوں کے خزانے خالی ہو جائیں گے اور صبح نہ ہو گی۔ لیکن آج تو ایسا لگتا ہے کہ نہ یہ خزانے ختم ہوں گے اور نہ صبح ہو گی۔

تم اس وقت کس قدر خوش ہو گئے۔ بات بات پر قہقہے لگا رہے ہو گے۔ لوگ تمہاری

باتوں سے محظوظ ہو رہے ہوں گے۔ تمہارے فلک شگاف قہقہے کلب کی رونق بڑھا رہے ہوں گے۔ اس وقت تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہ ہوگا کہ کبھی کوئی ثمرانہ نام کی لڑکی تمہاری زندگی میں آئی تھی۔ وہ اس وقت کہاں ہوگی۔ کس حال میں ہوگی۔ تمہارے ذہن کی پہنچ میرے آنسوؤں تک کہاں ہو سکتی ہے۔ تم تو بہاروں کو پسند کرتے ہو۔ تم تو قہقہے لگانے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تم کسی کے آنسوؤں کے متعلق سوچ کر اپنی طبیعت کو بوجھل کرنا کیوں پسند کرو گے۔ اور کامران، تم تو بہت کمزور دل کے ہو۔ ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھ کر تمہارا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ پھر بھلا کسی کے آنسوؤں کی تاب تم کیسے لا سکتے ہو۔ یہ بات اور ہے کہ یہ آنسو تمہارے ہی دیئے ہوئے ہیں۔ تم نے آنسو دیئے ہی تو ہیں۔ دیکھنے کی طاقت تم میں نہیں ہے۔ اسی لئے تو تم نے ہمیشہ میرے آنسوؤں کو نظرانداز کیا۔

ہائے کامی ——— اگر تم میرے آج کے آنسو دیکھ لو تو تمہارا دل غم سے پھٹ جائے۔ جو سورج کا ڈوبنا برداشت نہیں کر سکتا، جبکہ سورج تو ہر دن نکلتا ہے ــ اور یہ آنسوؤں کے خزانے جب لٹ جاتے ہیں تو پھر یہ آنکھوں میں نہیں سموئے جا سکتے۔ تم یہ اتنا بڑا غم کا پہاڑ نہ سہار سکو گے کامران ——— مرد بہت نازک دل ہوتے ہیں۔ یہ تو عورتوں کا ہی حصہ ہے کہ بڑے سے بڑا غم برداشت کرتی رہیں۔

رات بھیگتی جا رہی ہے۔ اور میرا تکیہ آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیا میں صبح تم کو دیکھ سکوں گی؟ کاش تم کو اتنی فرصت مل جائے۔ کاش، تم اس وقت تو میرا خیال کر لو اور تم آ جاؤ۔ آخری مرتبہ اپنی صورت دکھا دو۔ نہ معلوم کتنے دن کی زندگی ہے۔ اور قسمت میں کیا لکھا ہے......

میرے کامران ——— کیا میں تمہیں صبح کو آخری مرتبہ دیکھ سکوں گی؟ لیکن تمہارا یہ دیدار میرے ضبط کے دیئے ہوئے بندھن بھی نہ توڑ دے۔

مجھے تمہاری صورت دیکھ کر معلوم کیا ہو جاتا ہے۔ میں سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ اپنے آپ کو بھول جاتی ہوں۔ میں تم میں گم ہو جاتی ہوں۔

میں نے تمہاری قربت کی تمنّا کی تھی۔ مجھے تمہارا قرب مل گیا۔ مگر اے خدا میں نے اس جدائی کی تمنّا کبھی نہیں کی تھی ــ تو مجھے صبر کیوں نہیں دے دیتا۔ میرے آنسوؤں کے سیلاب، کو کیوں نہیں روک دیتا۔ اُف اللہ زندگی کس قدر تلخ ہو گئی ہے۔

کامی ـــــ میرے پیارے کامی ـــــ تم نے کسی کا وہ قول پڑھا ہے :۔

"آنسو کا ایک قطرہ جو کسی کی یاد میں بہایا جائے اس کا مقابلہ دُنیا
کی کوئی دولت نہیں کر سکتی !"

مگر کامی ـــــ میں نے تمہاری یاد میں ایک قطرہ ہی نہیں، بلکہ دریا بہا دیئے ہیں۔ میں نے تو جل تھل کر دیا ہے۔ لیکن ان آنسوؤں کی کسی نے قدر نہیں کی...... جس کی یاد میں بہائے وہ تو یکسر بے خبر ہے۔

اف ـــــ ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔ اور رات گزرنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ رات ـــــ یہ تنہائی ـــــ یہ سنّاٹا ـــــ یہ خیالات کی یورش ـــــ یہ تمہاری اور بچّوں کی جدائی کا غم ـــــ اور پھر یہ احساس کہ اس سرزمین پر یہ میری آخری رات ہے۔ کل میں کہیں اور ہوں گی۔ یہاں سے دُور ـــــ بہت دُور......

یہ رات گذرتی کیوں نہیں۔ جلدی سے گذر جائے۔ لیکن یہ رات اگر گزر گئی تو پھر کہاں مجھے یہ رات نصیب ہوگی۔ اس سرزمین کی رات ـــــ میں تو کبھی نہ آنے کے ارادے سے جا رہی ہوں۔ ہائے یہاں میری کتنی یادیں دفن ہیں۔ میں کس دل سے یہ سب چھوڑ دوں۔ اُف میرے خدا۔ مجھے صبر دے، صبر ـــــ!

ہر طرف اندھیرا ہے۔ اور مجھے تمہارے تصوّراتی ہیولے کے علاوہ کچھ یاد نہیں آتا۔ اور میں پھر عمیق گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہوں ــ

بُجھتے جاتے ہیں سرِ شام امیدوں کے چراغ
کس کی یادوں سے دل و جاں میں اُجالا کر لوں

میں اُٹھ کر وضو کرتی ہوں اور اپنے خدا کے حضور میں جھک جاتی ہوں۔ اس سے سکونِ قلب کی بھیک مانگتی ہوں۔

سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا ــــ ہائے رات تو کانٹوں پر بسر کی۔ اب صبح کا استقبال کیسے کروں، میرے اللہ،

ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں، بیٹھتا جاتا ہے دِل

روانگی میں ایک ایک لمحہ کر کے وقت کم ہوتا جارہا ہے۔ اے میرے خدا ــــ میں یہ غم کیسے برداشت کروں گی ...... کیسے برداشت کروں گی ......

اُف، میرے خدا۔ تو نے مجھ پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ اے مولا! ــــ کیا یہی تیرا انصاف ہے۔ تُو نے میرے مقدّر میں یہ غم کیوں لکھ دیئے میرے معبود! ــــ یہ مجھے کیا ہوتا جارہا ہے ــــ اے خدا مجھے ہمّت دے ــــ میں پاگل ہو جاؤں گی ــــ میں مرجاؤں گی ــــ میں مرجاؤں گی ــــ!

وہ صبح کو ایئر پورٹ پر دیوانوں کی طرح چکر لگانا۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں نظروں ہی نظروں میں تم کو تلاش کرنا اور پھر اپنی نگاہوں کا ناکام لوٹ آنا ـــــ اور پھر صبر نہ آنا۔ اپنے بچّوں کی یاد سے دل بے چین ہو جانا ـــــ وہ وطن چھوڑنے کی دل میں کسک ـــــ لاکھ بھُلانے پر بھی وہ ایک ایک بات یاد آنا ـــــ ایک ایک کا چہرہ نظروں میں گھومنا۔ منتظر نظروں سے ہر ایک کو تلاش کرنا ـــــ وہ کسٹم کے جھمیلے ـــــ اور وہ سب کو خیرباد کہہ دینا ـــــ سب کو پیچھے چھوڑ دینا ـــــ اُف مجھے سب یاد ہے ـــــ مجھے سب یاد ہے ـــــ میں یہ سب باتیں بھُول کیوں نہیں جاتی میرے خدا ـــــ!

یہ میرے خیالوں کے تانے بانے مجھے کیوں اُلجھائے ہوئے ہیں۔ یہ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔ مجھے صبر کیوں نہیں آجاتا۔ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ درد کی اس شدّت میں کمی کیوں نہیں ہوتی۔

"محترمہ ـــــ!"

ایئر ہوسٹس، میرا کندھا تھپتھپا کر مجھ سے مخاطب ہے۔

میں اپنے خواب سے چونکتی ہوں۔ گھبرا کر اسے دیکھتی ہوں۔ اور یہ یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ میں اِس وقت کہاں ہوں!

اور مجھے سب یاد آجاتا ہے۔

"آپ نے پورا سفر رو کر گزارا ہے۔ پیچھے چھوڑے ہوئے راستے کو اتنی دُور تک مُڑمُڑ کر نہیں دیکھتے۔ جو پیچھے رہ گیا اس کو بھول جائیے۔ نیا ملک، نئے لوگ آپ کا استقبال کرنے کو تیار ہیں۔ اُن کے خوش آمدید کہنے کا جواب مُسکراہٹ سے دیجئے۔ آنسوؤں سے نہیں۔ دیکھئے تو، لندن آرہا ہے، اپنے آپ کو سنبھالئے۔" —— ایرہوسٹس نے کہا۔

وہ پھر مخاطب ہوئی:۔

"زندگی کے سفر میں ہر قدم پر لوگ ملتے ہیں اور کبھی نہ ملنے کے لئے بچھڑ جاتے ہیں۔ آپ کا یہ چند گھنٹوں کا ساتھ میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ آپ کے یہ آنسو مجھے یاد آ کر ہمیشہ دُکھی کر دیا کریں گے۔ مجھے آپ کا غم نہیں معلوم ہے۔ لیکن میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔ آپ کا یہ اُداس چہرہ برسوں مجھے بھی اُداس رکھے گا۔ سینکڑوں لوگ آتے ہیں، جاتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اپنی یادوں کے اتنے گہرے نقوش چھوڑ جائیں جو زندگی بھر نہ مٹ سکیں۔ آپ مجھے بھول جائیں گی لیکن میں آپ کو زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گی۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی کبھی کبھار اپنے فرصت کے لمحات میں مجھے تھوڑا سا یاد کر لیا کریں!"

"میرا نام غزال ہے اور یہ میرا پتہ ہے"

اور اُس نے اپنا پتہ نکال کر دیا۔

میں نے بھی بے ربط الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان میں نے اس سے کہا:۔

"میں آپ کی ہمدردی اور خلوص کو کبھی نہیں بھولوں گی۔ آپ کی یاد ہمیشہ میرے دل میں قائم رہے گی۔ آپ نے اس سفر میں میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ اگر آپ کی اتنی ہمدردی نہ ملتی تو شاید میں اپنا دماغی توازن ہی کھو بیٹھتی۔ آپ مجھے ہمیشہ یاد آئیں گی۔ تسلّی کے چند الفاظ کتنا سکون دیتے ہیں، جیسے کسی نے زخم پر مرہم رکھ دیا ہو —— آپ کے تسلّی آمیز جملے ہمیشہ

میرے کانوں میں گونجتے رہیں گے۔ اور مجھے آئندہ زندگی میں ڈھارس بندھاتے رہیں گے۔"

وہ پھر مجھ سے معذرت کر کے چلی گئی۔ لندن آرہا تھا۔ جہاز لینڈ کرنے والا تھا اس کی مترنم آواز مائیک پر گونجی :۔

وہ مسافروں کو سفر بخیر و خوبی انجام پانے پر مبارکباد دے رہی تھی اور ان کو نیک تمنّاؤں کے ساتھ خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

یہ اٹھارہ گھنٹے بھی کسی نہ کسی طرح گزر ہی گئے۔ لوگ جگہ جگہ اُترتے رہے۔ چڑھتے رہے۔ میں بھی ان کا ساتھ دیتی رہی۔ کبھی آنسو خشک کر لیتی۔ کبھی وہی آنسو سسکیوں اور ہچکیوں میں تبدیل ہو جاتے۔ سب کچھ دھندلا دھندلا خواب سا یاد ہے۔

ایئر ہوسٹس کی پُرخلوص گفتگو کانوں میں گونج رہی ہے۔ اور میں سوچ رہی ہوں کہ اپنا استقبال کرنے والوں کا جواب مسکراہٹ سے کیسے دوں۔ کیا میں مسکرا سکتی ہوں؟ کیا میں مسکرا سکوں گی؟ مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے میں اس کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہوں!

لندن آگیا —— میں ہر طرف نظریں دوڑاتی ہوں اور بھیّا کہیں نظر نہیں آتے۔ میں شیشے کی دیوار سے لگی ہوئی دُور دُور تک نظریں دوڑاتی ہوں۔ مگر "گوروں" کے اس جمِ غفیر میں مجھے اپنے بھیّا کہیں بھی نظر نہیں آرہے۔

میں کسٹم سے فارغ ہو کر اس شیشے کے کٹہرے سے باہر آتی ہوں۔ میں کالا کوٹ پہنے ہوئے ایک ہاتھ میں پرس اور دُوسرے میں سُوٹ کیس۔ حیران حیران نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوں۔ لوگ مجھے اجنبی نظروں سے گھُور رہے ہیں۔

دُور سے مجھے اپنے بھیّا نظر آتے ہیں۔ میں بے تحاشہ اُن کی طرف دوڑتی ہوں' اور وہ بھی اپنی چال تیز کر دیتے ہیں۔

میں ان سے جا کر لپٹ جاتی ہوں...... اور مسکراہٹ کیسی —— ؟ آنسوؤں کا سیلاب جو کچھ دیر کو تھم گیا تھا۔ سارے بند توڑ کر بہہ نکلا۔ اور میں بھیّا کے بازوؤں میں ہچکیاں لے لے کر روتی رہی۔ اور وہ مجھے تسلّیاں دیتے رہے۔ گورے لوگ ہم دونوں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے نزدیک جذبات کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ وہ مشینی لوگ ان جذبات کو کیا جانیں۔ ان کو تو یہ مضحکہ خیز چیز نظر آرہی تھی۔ اور بھیّا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ایئرپورٹ کے باہر تک لائے اور ہم لوگ ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ میری آنکھوں سے مسلسل گنگا،

جمنا بہہ رہی تھی۔ اور بھیّا مجھے بہلانے کے لئے میری توجہ دُوسری طرف مبذول کرانے کی کوشش میں تھے۔ وہ یہاں کے بڑے بڑے "نیون سائنس" مشہور ڈبل ڈیکر بسیں، اور نمعلوم کیا کیا دکھا رہے تھے۔ لیکن مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں نے کیا دیکھا، کیا نہیں!

گھر پہنچ کر بڑا سکون سا محسوس ہوا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شدید طوفانوں میں گھرنے کے بعد فضا پُرسکون ہو گئی ہو، جیسے ساحل مل گیا ہو۔

میں تھکی تھکی سی بستر پر لیٹ گئی اور بھیّا چائے بنانے کے لئے کچن میں چلے گئے اور مجھ سے کہتے گئے کہ:۔

"اب رونا نہیں۔ فضول باتیں سوچنا چھوڑ دو"

اور ایک مرتبہ میں پھر کمرے میں تنہا تھی۔ لیکن اس وقت کی تنہائی ہمیشہ کی تنہائیوں سے بہت مختلف تھی۔ اس وقت مجھے یہ سکون تو تھا کہ میرے پیارے بھیّا میرے ساتھ ہیں مجھے کوئی دلاسے تو دینے والا ہے۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ یہاں کوئی مجھ کو دُکھ دینے نہیں آئے گا۔ شائد میں دُکھوں سے آزاد ہو گئی ہوں، بس۔ تم سے جُدائی کا ایک بڑا دُکھ ہے کامران۔ لیکن جب اتنے دُکھ جھیل لئے تو اس دُکھ کو بھی رفتہ رفتہ برداشت کر لوں گی۔ میں تمہیں بھُول جاؤں گی کامران —— مگر ابھی تو ہر قدم پر، ہر جگہ تم ہی تم نظر آتے ہو۔

لیکن اب مجھے یہ اقرار کرنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہے کہ میں تم سے دُور ہو کر، تمہارے دیس سے دُور ہو کر، اس وقت اپنے بھیّا کے گھر میں بہت سکُون محسوس کر رہی ہوں حقیقت یہ ہے کامران —— تم نے مجھے اتنے غم دیئے ہیں کہ ان کو اٹھانے کی اب طاقت نہیں رہی تھی اور میری محبّت پر بھی اب گرد کی تہہ آتی جا رہی تھی۔۔۔۔ محبت کم نہیں ہوئی ہے، مگر دل کے نہاں خانوں میں دفن ہوتی جا رہی ہے۔ اور کامران میری محبّت کے روٹھنے کے ذمہ دار تم خود ہو۔

تم نے اپنے ساتھ یہ بڑی ناانصافی کی ہے۔ خود پر بڑا ظلم کیا ہے۔ تم میری محبت کو کھو کر ضرور پچھتاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کامی......

اف، یہ نام میں اپنے ذہن سے نکال دوں گی۔ اب تو میرے لئے تم صرف کامران ہو، اور کچھ عرصے بعد شائد یہ نام بھی وقت کے بھنور کے ساتھ میرے ذہن کے کسی گوشے میں دب جائے گا۔

میں نے جو تم کو اپنے دل و جان سے زیادہ چاہا، اس کا صلہ تم نے کچھ اچھا نہیں دیا۔ لیکن تم وقت گذر جانے کے بعد میرے جذبات کی ضرور قدر کرو گے۔

مگر میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں بھول جاؤں گی۔ میں تم کو بھی دکھا دینا چاہتی ہوں کہ میں تم سے الگ بھی رہ سکتی ہوں۔ یہ تمہاری بھول تھی کہ تم میری محبت پر اس حد تک یقین کئے بیٹھے تھے کہ تم خواہ کتنی بھی تکلیفیں دے لو میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مگر شائد تم عورت کے انتقام سے ناواقف تھے۔ عورت جب محبت میں چوٹ کھاتی ہے تو وہ بڑے سے بڑا انتقام لینے سے بھی نہیں چوکتی۔

لیکن یہ میں نے تم سے تو انتقام نہیں لیا۔ اس سے تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس انتقام کی تکلیف بھی مجھ کو ہی سہنا پڑے گی۔ تم تو اب بھی بہاروں میں کھوئے رہو گے لیکن اب میں نے بھی بہاروں کا راستہ تو ڈھونڈھ لیا ہے۔ اور انشاءاللہ بہت جلد میں بھی اپنی بہاروں میں گم ہو جاؤں گی۔

ایر ہوسٹس کے الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں، ”جو گذر چکا ہے اسے بھول جائیے۔ اپنے روشن مستقبل پر نظر کیجیے“۔ اور اب آج میں تم سے ہزاروں میل دُور ہونے کے بعد سوچ رہی ہوں کہ واقعی اس نے ٹھیک ہی کہا تھا اور اب میں ایسا ہی کروں گی۔ مسٹر کامران ـــــ اب میں تم کو دکھا دوں گی کہ میں تم کو بھول بھی سکتی ہوں۔

بھیا چائے کی ٹرے ہاتھ میں لے کر آئے۔

"اُٹھو ثمو، چائے پی لو!"

یہ پیارا لفظ "ثمو" میں بھول چکی تھی۔ میرے نام کی یہ عرفیت تو بہت ہی خاص لوگوں کا حصہ ہے۔ اس نام سے تو میری چند بہت ہی عزیز ہستیاں ہی پکارتی ہیں۔ اور کامران۔ ان میں سے ایک تم ہو......

کامران ایک مرتبہ پھر تمہاری یاد نے میرے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ مگر مجھے اپنے اوپر اعتماد ہے۔ میں رفتہ رفتہ تم کو ضرور بھلا دوں گی۔

میں غسلخانے میں گئی۔ ہاتھ منہ دھو کر چائے پینے کے لئے آ گئی۔

بھیّا نے بڑے تکلف سے کام لیا تھا۔ بہت نفاست سے چائے بنائی تھی۔ مختلف قسم کے بسکٹ اور کیک وغیرہ تھے۔ چائے دان کے اوپر میرے ہاتھ کی کڑھی ہوئی ٹی کوزی بڑی نفاست سے چڑھی ہوئی تھی۔

بھیّا نے کہا:۔

"ثمو! دیکھو تمہاری بھیجی ہوئی ٹی کوزی میں نے کتنی احتیاط سے رکھی ہے اور اس نے یہاں بڑا کام دیا۔ اب میں بھی بہت سلیقہ مند ہو گیا ہوں۔ لندن نے سب کچھ سکھا دیا ہے۔ چائے بنانے میں تو بہت ہی ماہر ہو گیا ہوں۔ میرے ہاتھ کی چائے پی کر دیکھو تو زندگی کا لطف آ جائے گا۔"

بھیّا مسکرا مسکرا کر بات کر رہے تھے۔

اور میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں بھیّا کو ٹوک دوں کہ مجھے ثمو نہیں، بلکہ ثمرآنہ کہا کریں۔ لیکن ابھی تو آئی ہوں، ٹوکنا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن کسی دن ضرور ٹوک دوں گی۔

میں چائے پینے لگی۔ اور بھیّا مجھے ایک ایک چیز اصرار کر کے کھلا رہے تھے۔ بسکٹ کھانے سے میں نے آج بھی انکار کیا تو بھیّا بولے:۔

"اچھا، بسکٹ کھانا تم نے ابھی تک نہیں سیکھا؟ میرا خیال تھا کہ تم اب بسکٹ کھانے

لگی ہوگی۔ میں نے تو تمہارے لئے بہت سے بسکٹ لاکر رکھے ہیں۔ حالانکہ مجھے یاد تھا کہ ایک زمانے میں تم کو بسکٹ بالکل پسند نہیں تھے۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم اب تک اپنی اس عادت پر قائم ہو۔"

میں نے جواب دیا:۔

"ہاں بھیّا۔ مجھے بسکٹ نہ معلوم کیوں اب بھی اچھے نہیں لگتے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ پسند کرنے لگوں۔ لیکن بھیّا ناپسند کو پسند بنانا بہت مشکل ہے۔"

پھر بھیّا نے الماری میں سے چاکلیٹ نکال کر دیتے ہوئے کہا:۔

"مگر مجھے یہ بھی یاد تھا کہ تم کیڈبری (Cadbury) کی چاکلیٹ پر جان دیتی ہو۔ میں نے یہ بھی لاکر رکھی ہیں۔ لو کھاؤ ــــ!

اور دیکھو ــــ تمہارے لئے میں نے چھالیہ اور الائچی بھی لاکر رکھی ہے۔ مجھے یاد تھا کہ تم چھالیہ الائچی پسند کرتی ہو۔"

میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:۔

"اب تو مجھے یہ کچھ بھی یاد نہیں کہ کیا کیا چیزیں شوق سے کھاتی ہوں!"

بھیّا نے مجھے اُداس دیکھ کر بات کا موضوع بدل دیا۔

میں خود بھی اس وقت اُداس رہنا نہیں چاہتی تھی۔ میں اپنی اُداسی بھیّا پر بھی طاری کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں تو ان کے سامنے خوش رہنا چاہتی تھی۔

پھر میں اور بھیّا رات کو بارہ بجے تک باتیں کرتے رہے۔ بھیّا ایک ایک کو پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے تمہارے متعلق بھی تفصیل سے پوچھا۔ میرے حالات کا مختصراً علم تو ان کو تھا اور امّی کے خطوں سے ان کو یہ معلوم ہُوا تھا کہ میری صحت بہت خراب ہو گئی ہے، اور بھیّا نے اسی وجہ سے مجھ کو اپنے پاس بُلا لیا تھا۔ ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ حالات اس حد تک خراب ہو چکے تھے۔ وہ مجھے تسلّیاں دیتے رہے۔

"اب تم سب تکلیف دہ باتیں اپنے دل سے نکال دو۔ اپنے لئے یہاں دلچسپیاں بنا لو۔ جو ہو چکا ہے اس کو بھول جاؤ۔ اب تم میرے پاس ہو، تم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہاری دلچسپی کی ساری چیزیں مہیا کر دوں گا۔ بس تم خوش رہو ثمو...... میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

بھیا پھر بولے:۔

"کامران بھائی تمہیں خوشیاں نہیں دے سکے، مگر میں تم کو خوشیوں سے لاد دوں گا۔ میں اپنی تمام خوشیاں تم پر نچھاور کر دوں گا ثمو۔ امی نے بار بار مجھے لکھا کہ شادی کر لو۔ کیسی لڑکی چاہتے ہو۔ مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اپنی خوشیوں کی خاطر دوسروں کو تکلیف نہیں دونگا اگر میں شادی کر لوں تو بہت ممکن ہے کہ آنے والی تمہیں خوشی سے اپنے ساتھ نہ رکھے، تم نے جو زندگی میں اتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ اس میں میں اور دکھوں کا کیسے اضافہ کر دوں۔ اور میں اپنے نام کے آگے "نالائق" کا لفظ نہیں لگانا چاہتا۔

امی ابو کو میں نے اتنا لکھا کہ اس ضعیفی میں وہاں اکیلے نہ رہیں، جبکہ میری پوسٹنگ یہاں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں ہم اپنا وطن نہیں چھوڑیں گے اور پھر بچیوں کی پڑھائی برباد ہوگی اور لڑکیوں پر وہاں کی آزادی کا اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ میں یہاں رہنے پر مجبور ہوں۔ اب اگر شادی کر لوں تو دنیا یہ کہے گی کہ بیوی کو لے کر الگ ہو گیا۔ ان سب باتوں کو سوچتے ہوئے میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی دوسروں کے لیے وقف کر دوں گا۔ اپنی خوشیاں دوسروں پر لٹا دوں گا اور اسی میں مجھے سکون ملے گا۔

اس کا مجھے افسوس ہے کہ میں ماں باپ کی خدمت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہاں سے مالی امداد زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں۔ ابو کے ریٹائرمنٹ کے بعد خدا نے مجھے اس قابل تو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کو مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا ہے۔ یہاں رہنے میں مجھے بہت سی آسانیاں اور فائدے ہیں۔ اتنی اچھی رہائش کے لئے جگہ ملی ہوئی ہے۔ تنخواہ بھی اچھی ہے۔ ہر طرح کا آرام

ہے۔"

پھر مسکرا کر بولے :-

"یہ بات دُوسری ہے کہ مجھے خانساماں گیری بھی کرنی پڑتی ہے۔ لندن میں نوکر اور ہوٹل کا خرچ برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ اس میں تو ساری بچت نکل جاتی ہے۔ خیر، اب تو تم آ گئی ہو، مزے مزے کے کھانے ملا کریں گے۔"

میں نے کہا :-

"اب میں آپ کو کھانے کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی!"

پھر میں مسکرا کر بولی :-

"مگر بھیّا۔ آپ کو شادی تو ضرور کرنی پڑے گی۔ میں بہت پیاری سی بھابی لاؤں گی۔"

بھیّا ہنستے ہوئے بولے :-

"اب بہت رات ہو گئی ہے، جاؤ تم سو جاؤ"

اور میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔

اور لیٹتے ہی نمعلوم کیوں اور کیسے میرے تصوّر میں تم پھر آ گئے، اور تمہارے ساتھ ہی اپنے پیارے بچوں کی یاد نے مجھے بے چین کر دیا۔

مگر میں نے ان خیالات کو بہت سختی سے جھٹک دیا۔ میں نے تم کو بھولنے کا جو پختہ ارادہ کیا تھا وہ پورا کر کے میں تم کو دکھا دوں گی۔ جس طرح تم مجھ کو بھول گئے ہو۔ میں بھی تمہیں بھول کر اپنی بہاروں میں گم ہو سکتی ہوں۔

اے خدا میری مدد کر!

اور میں تمہارے خیالات کو جھٹک کر اپنے سے دُور پھینک کر کروٹ بدل کر سو گئی!

بھیّا نے میرے آنے کی خوشی میں کئی دن کی چھٹی لے لی تھی۔ جب سے میرے آنے کو سنا تھا۔ اس وقت سے انہوں نے اپنی چھٹیاں جمع کرنی شروع کر دی تھیں۔ اور پہلے سے سارے پروگرام بنائے تھے کہ ایک دن تو گھر بیٹھ کر دنیا جہان کی باتیں کریں گے۔ پھر ایک ساتھ لندن کی سیر کریں گے۔

صبح کو میں دیر تک سوتی رہی۔ گزشتہ کئی راتوں کی جاگی ہوئی تھی۔ پھر ذہنی پریشانی کی وجہ سے دماغ بہت تھکا ہوا تھا۔ مجھ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ کب صبح ہوئی۔ کافی دن چڑھے آنکھ کھلی۔ زیادہ سونے سے دماغ کچھ سُن سا ہو رہا تھا۔ اپنے آپ کو اجنبی جگہ دیکھ کر سوچنے کی کوشش کی کہ میں کہاں ہوں۔ اور پھر مجھے سب یاد آگیا۔ اپنے دیر سے اُٹھنے پر ندامت ہوئی۔ مجھے تو صبح اُٹھ کر ناشتہ تیار کرنا چاہئے تھا۔

میں جلدی سے بستر سے اُٹھی تو دیکھا بھیّا آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں، اور ناشتہ میز پر لگا ہوا ہے۔

میں نے بھیّا سے کہا:۔

"آپ نے خود ہی ناشتہ تیار کر لیا۔ مجھے کیوں نہیں جگایا۔ ناشتہ میں تیار کر لیتی۔ ایسی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہیں رہا۔"

بھیّا نے میرے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے پیار سے کہا:۔

"پگلی! اگر ناشتہ میں نے بنا تیار کر لیا تو کیا ہو گیا۔ یہ تو میرا روز کا کام ہے۔ تم بہت تھکی ہوئی تھیں، اِس لئے میں نے تم کو نہیں جگایا۔"

پھر ٹھنڈی آہ بھر کر بولے:۔

"تم کو کام کی کہاں عادت ہو گی۔ تمہارے گھر میں تو بہت نوکر رہتے ہیں۔ میں نے تمہیں آرام سے رکھنے کے لئے بُلایا ہے۔ یہ کام میں تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ میں تو خوب عادی ہوں۔ یہ کام تو بدستُور میں ہی کیا کروں گا۔ وہ تو میں مذاق میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے ہاتھ کے مزے مزے کے کھانے کھایا کروں گا۔"

میں نے کہا:۔

"نہیں بھیّا، بہن کے ہوتے ہوئے یہ کام آپ کو کرنا پڑے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اب میں اپنے بھیّا کو یہ کام نہیں کرنے دیا کروں گی۔ اور بھیّا، میرا ان نوکروں کی فوج سے کیا واسطہ۔ جب میں نے اس گھر کی ہر چیز کو بھلا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو میں یہ بھی بھُول جاؤنگی کہ میں وہاں کام نہیں کرتی تھی۔ بھیّا مجھے وہ آرام نہیں چاہیئے جو دن رات کوفت اور رنج اُٹھانے کے بدلے میں ملے۔ میں سکون سے رہنا چاہتی ہوں۔ اور اس کے بدلے میں کوئی مُجھ سے دن رات کام کروائے تو مجھے ذرا بھی ناگوار نہیں ہو گا۔ اور اپنے بھیّا کا کام کرنا تو میرے لئے عین راحت ہے۔"

موضوع تکلیف دہ ہو گیا تھا۔

بھیّا نے کہا:۔

"جلدی سے مُنہ دھو کر آؤ۔ میری تو آنتیں قُلْ ھُوَ اللہ پڑھ رہی ہیں۔" اور مَیں مُنہ دھونے چلی گئی۔

ناشتہ کرتے ہی میں باتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو رات تک جاری رہا۔ میں

نے اور بھیّا نے مل کر کھانا پکایا۔ اور کھانا پکاتے میں بھی ہم لوگ مسلسل باتیں کرتے رہے دُنیا بھر کی باتیں تھیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

خاندان کے ایک ایک فرد کا ذکر آیا۔ امّی اور بہنوں کے تذکرے تو اُلٹ پھر کر بار بار ہی آتے رہے، اور گفتگو کا رُخ بار بار کامران کی طرف بھی مڑ جاتا تھا، مگر اس سے میں اور بھیّا اس طرح دامن بچا لیتے جیسے سیدھے راستے پر جاتے جاتے اچانک خاردار جھاڑی بیچ میں آجائے اور اس سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔

بچپن کی وادیوں کی باتیں ہوئیں، جس کی یادیں کبھی زندگی سے محو نہیں ہوئیں۔ ہم دونوں ایک ایک بات یاد کرکے محظوظ ہوتے رہے۔

مگر بچپن کی یادوں کے ساتھ ہی کامران کی یادیں بھی تو وابستہ تھیں۔ وہ حسین یادیں تھیں، جو اب تلخ ہو چکی ہیں۔

حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ ہُوا۔ سیاست زیرِ بحث آئی۔ اتنے سال الگ رہنے میں جو جو واقعات میرے اور بھیّا کے ساتھ پیش آئے تھے۔ ان پر تبادلۂ خیال ہُوا۔ مستقبل کے منصوبے بنائے گئے۔ خوشگوار یادوں کو ذہن میں بسایا گیا۔ تکلیف دہ باتوں سے دامن بچایا گیا۔ اگلے دن کی سیر کے پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ گھر کی سجاوٹ کے متعلق مشورے ہوئے۔

بھیّا کا گھر کسی عورت کے نہ ہونے کی وجہ سے نفاست سے بے بہرہ تھا۔ بھیّا نے یہ کام میرے سپرد کیا کہ اب اس چھوٹے سے فلیٹ کو جس طرح تم چاہو سجاؤ۔ اپنی پسند سے کپڑا اور تاگے دغیرہ خرید کرلے آؤ۔ سینا کاڑھنا تمہارا مشغلہ ہے۔ اِس طرح دل بھی بہلے گا اور گھر بھی سج جائے گا۔

اگلے دن سے بھیّا نے طویل سیروں کے پروگراموں پہ عمل کرنا شروع کر دیا۔ ہم دونوں دن دن بھر گھومتے رہتے۔ شاید بھیّا ایک لمحے کو بھی مجھے یہ موقع نہیں دینا چاہتے تھے

کہ میں ماضی کے متعلق کچھ سوچوں۔ وہ ہر وقت مجھ سے کہتے تھے:۔

نمو! ماضی کو بالکل بھول جاؤ۔ حال کی رنگینیوں کو دیکھو۔ ماضی کو سوچنے سے دکھوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ماضی کی صرف حسین یادیں ذہن میں رکھو۔ لیکن بھیّا کو یہ کیا معلوم کہ جو یادیں میرے لئے حسین تھیں وہ اب میرے لئے تلخ ہو گئی ہیں۔

ہمارا پورا پورا دن گھومنے میں گزر جاتا۔ کبھی شاپنگ کرتے، کبھی ٹرافیلگر اسکوئر، کینسنگٹنز گارڈن اور ہائیڈ پارک میں گھومتے رہتے۔ کبھی ٹیمز کے کنارے ٹہل کر اس کے میلے پانی کو دیکھتے ہوئے گھنٹوں گزار دیتے۔ رات کو گھر پہنچ کر تھک کر سو جاتے۔ ان دنوں کھانا بھی باہر ہی کھایا۔

میں نے بھیّا کو راضی کر لیا تھا اور کھانا پکانے کی ذمہ داری میں نے سنبھال لی تھی۔ بھیّا اس پر بہت مشکل سے راضی ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ "دن بھر میں اکیلی رہا کرونگی، دل بہلانے کے لئے مجھے اپنے آپ کو مختلف کاموں میں اُلجھائے رکھنا چاہئے" اور یہ بات بھیّا کی سمجھ میں آگئی۔

آٹھ دس دن پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ بھیّا کی چھٹی ختم ہو گئی اور وہ آفس جانے کے لئے تیار ہوئے۔ اور اس وقت میں اپنے خواب سے چونکی۔

ایک مرتبہ پھر تنہائی مُنہ کھولے ہوئے میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اُف اللہ، یہ تنہائی پھر میرے سر پر مسلّط ہو رہی ہے۔ حالانکہ میری پچھلی تنہائیوں میں اور اس تنہائی میں فرق ہے۔ اب میں تنہائی سے اس لئے ڈرتی تھی کہ کہیں پھر تمہارے خیالات میرا پیچھا کرنے نہ آجائیں۔ ان دنوں میں تم کو بھولنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔ مسٹر کامران! میں نے بہت بڑی فتح حاصل کر لی تھی۔

اے خدا! تو مجھے اس امتحان سے بھی گزار دے۔ اب تنہائی میں بھی مجھے کامران کا خیال نہ آئے۔

بھیّا جاتے وقت کہنے لگے :۔

"ثمو! دیکھو، زیادہ کام نہ کرنا۔ بس اتنا ہی کرنا جس میں دل بہل جائے۔ اپنی ہمّت سے زیادہ نہ کرنا۔ ورنہ تھک جاؤ گی۔ تمہارے سینے کاڑھنے کے لئے کافی چیزیں ہیں۔ کتابیں رسالے ہیں۔ ان سب چیزوں سے دل بہلانا۔ اب انشاءاللہ شام کو ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ!"

اور بھیّا چلے گئے۔

اب میں پھر تنہا تھی۔ لیکن میرے دل کو یہ بڑا اطمینان تھا کہ میری تنہائی عارضی ہے اور آج احساسِ تنہائی بالکل نہیں ہے۔ اب میرے پیارے بھیّا میرا دُکھ بانٹنے کے لئے تو ہیں۔ ورنہ میں تو ہمیشہ کسی کے دو بول محبّت کے سُننے کے لئے ہی ترستی رہی۔

لیکن کامران! میں اپنی اس کمزوری پر نادم ہوں کہ تنہائی میں تم پھر اپنی تمام تر دلکشیوں کے ساتھ میرے تصوّر میں آن کھڑے ہوتے ہو۔ اِس وقت میں تمہاری کوتاہیاں بھول چکی ہوتی ہوں اور تمہاری خُوبیاں...... سب سے بڑی خُوبی تمہاری جاذب نظر شخصیت میرے ذہن میں جلوہ افروز ہو جاتی ہے۔

لیکن میں نے تو تم کو ہرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے آپ ہارنے کا نہیں۔ جس تیزی سے تم میرے خیالات میں آتے ہو اُسی تیزی سے میں اپنے خیالات کو جھٹکنا بھی جانتی ہوں۔ میں جلدی سے تمہارے خیالات سے مُنہ موڑ کر کچن میں چلی گئی۔

اور اس طرح میں نے راہِ فرار اختیار کر لی۔ میں نے سوچا میں اتنا محو ہو کر کھانا پکاؤں گی کہ تمہارے خیال کی ایک رمق بھی میرے ذہن میں نہ آنے پائے۔

کچن میں جا کر میں نے سوچا کہ آج اپنے ہاتھ کی ایسی کون سی چیز بھیّا کے لئے پکاؤں جو وہ بہت پسند کرتے ہوں۔

اور نمعلوم کیوں اور کہاں سے بھولا بھٹکا خیال میرے ذہن میں آگیا کہ آج میں

بریانی پکاؤں۔

خیالات پر لاکھ پہرے بٹھاؤ، مگر یہ تو بن بلائے مہمان کی طرح گھُسے چلے آتے ہیں۔ یہ ایک عرصہ سے ہوتا چلا آرہا تھا کہ جب خانساماں چھٹی پر جاتا تھا تو تم مجھ سے بریانی کی فرمائش کیا کرتے تھے اور پھر وہ دَور بھی آیا جب تم فرمائشوں کی حدود سے بہت دُور چلے گئے تھے۔ اس وقت بھی جب کبھی میں کھانا پکاتی ہمیشہ تمہاری پسند کی کوئی چیز پکاتی تھی آج ایک مدّت بعد میں کھانا پکانے کھڑی ہوئی تو مجھے اس بھُولی بھٹکی یاد نے رنجیدہ کر دیا۔

کامران! میں کیا کروں۔ تم تو میرے اندر اس قدر رچ بس گئے ہو کہ ان یادوں کا پھینکنا میرے بس کی بات نہیں۔ ایک ایک چیز سے تو تمہاری یادیں وابستہ ہیں ہر بات میں تو تم بسے ہوئے ہو۔ اتنی جلدی ان سب باتوں کو بھُول جانا بہت مشکل ہے، مگر ناممکن نہیں، مجھے یقین ہے ایک دن میں ضرور ان مشکلات پر قابو پالوں گی!

میں کھانا پکاتی رہی اور نمعلوم کن کن سوچوں میں کھوئی رہی۔ کھانا پکا کر جب میں فارغ ہوئی تو معلوم ہوا کہ ابھی تو آدھے سے زیادہ دِن باقی ہے۔ بھیّا کو گئے ہوئے صرف ڈھائی گھنٹے ہی ہوئے ہیں۔ ان کے آنے میں تو بہت دیر ہے۔ اب میں نے اپنے آپ کو دُوسری مصروفیت میں اُلجھانے کی کوشش کی۔ میں نے کشن کاڑھنے کے لئے نکالے۔

کچھ وقت تو ڈیزائن بنانے میں گزر گیا۔ اور جب میں کاڑھنے بیٹھی تو میرا دماغ الجھ کر رہ گیا۔ کامرآن! تم نے مجھے کس قدر نکمّا بنا دیا ہے۔ میں تمہارے مشورے کے بغیر رنگ نہیں لگا سکتی، کاڑھ نہیں سکتی۔ پچھلے چند سال کی تلخیوں کے دوران تم نے مشورے نہیں دیئے مگر ان دنوں میں نے کاڑھنے سے بالکل ہی مُنہ موڑ لیا تھا۔

اُف کامران! میں کیا کروں۔ میں کہاں جاؤں۔ تمہارے خیالات کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے، میں ان سے کس طرح چھٹکارا حاصل کروں۔ یہ تم نے کیا کر دیا ہے۔ مجھے اتنا بے بس کیوں کر دیا ہے۔

اور میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اُٹھ گئی۔ اور کتابیں، رسالے لے کر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں وہ کوئی کام نہیں کروں گی جس سے تمہاری یادیں وابستہ ہوں۔

دن بھر کبھی میں نے اخبار پڑھا۔ کبھی کوئی کتاب اُٹھائی۔ کبھی ریڈیو سُنا، کبھی نماز پڑھی کبھی سوئی کبھی جاگی۔

بمشکل تمام اتنا وقت گزرا کہ بھیّا کے آنے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا۔ میں نے ناشتہ کے لئے بھیّا کی پسندیدہ چیزیں بنائیں اور ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ چاء بنالوں یا کچھ دیر ٹھہر جاؤں کہ بھیّا آگئے ــــــ آتے ہی مجھ سے سوال کیا:۔

"ثمو! تمہارا دل تو نہیں گھبرایا؟"

میں نے اُداسی سے کہا:۔

"نہیں بھیّا۔"

اور پھر میں چاء لینے چلی گئی۔ چاء پیتے میں بھیّا نے پُوچھا:۔

"اکیلے بہت دل گھبرایا ہوگا۔ آج کیا کیا کرکے دل بہلاتی رہیں؟"

پہلے تو میں کہہ گئی تھی کہ میرا دل نہیں گھبرایا، لیکن یہ تو میرا ہی دل جانتا تھا کہ میرے دل پر کیا کیا بیتی!

بھیّا کے پُوچھتے ہی میرا دل بھر آیا۔ میں نے بھیّا سے کہا:۔

"میرا کسی کام میں دل نہیں لگا بھیّا!" ــــــ اور منہ چھپا کر رونے لگی۔

بھیّا نے ایک ہلکی سی چپت میرے سر پر لگا کر کہا:۔

"پگلی روتی کیوں ہو۔ ارے بھئی، کچھ دن تو دل گھبرائے گا۔ پھر رفتہ رفتہ عادی ہو جاؤگی میں نے تو تمہارے شوق کو دیکھتے ہوئے تمہارے لئے کاڑھنے کا سب سامان لادیا تھا۔ کیا اس میں بھی دل نہیں لگا؟"

میں نے روتے ہوئے جواب دیا:۔

"نہیں بھیّا۔ مجھ سے نہیں کاڑھا جاتا۔ میں کچھ نہیں کاڑھوں گی!"

بھیّا اُداسی سے بولے :۔

" ننھو! روؤ نہیں، تمہیں، اُداس دیکھ کر میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور تو نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارے دل بہلانے کے لئے کچھ اور بندوبست کر دوں گا، مگر خدا کے واسطے تم رنجیدہ رہنا چھوڑ دو! تم مجھ سے کہو تو تمہارے لئے دُنیا کی ہر دلچسپی لاکر تمہارے قدموں میں بچھا دوں گا۔"

بھیّا کے اِس خلوص پر میرا دل اور بھی رو اُٹھا۔ لیکن میں نے بہت ضبط سے کام لیا۔ اور بھیّا کی خوشی کے لئے اپنے آنسو پونچھ لئے۔ جو بھیّا میری خوشیوں کے لئے اپنی خوشیاں قربان کر رہے ہیں، کیا میں اُن کی خوشی کے لئے اپنے آنسو بھی نہیں پونچھ سکتی۔

پھر بھیّا کہنے لگے :۔

"چلو اُٹھو، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ گھومنے چلتے ہیں۔ تم اپنی پینٹنگ کا سامان بھی لے لینا۔ کل پینٹنگ کرنا۔"

بھیّا میرے شوق خوب سمجھتے تھے۔ اب انہوں نے میری دلچسپی کے لئے پینٹنگ کی راہ دکھائی۔

میں نے کہا :۔

" بھیّا! آپ ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں۔ آرام کیجیے، پینٹنگ کا سامان پھر آجائے گا۔"

لیکن بھیّا نہیں مانے۔ اور ہم دونوں لندن کی جگمگاتی شاہراہوں پر لوگوں کے ہجوم میں گُم ہو گئے۔

صبح کو بھیا دفتر چلے گئے۔ میں اپنے آپ کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ کامران اور بچوں کی یاد تڑپاتی تو میں بُری طرح جھٹک دیتی میں تو یہاں خوشیوں کی تلاش میں آئی ہوں۔ غموں کو سینے سے لگانے کے لئے نہیں۔ میں ہر تکلیف دہ یاد کو اپنے دل سے مٹا دوں گی۔ میں اپنے آپ کو نئی دلچسپیوں اور تفریحوں میں گم کر دوں گی۔ میں اپنے ماضی سے ایسا مُنہ موڑ لوں گی، جیسے کبھی اس راستے سے گزری ہی نہیں تھی۔

آج پینٹنگ کا سامان میرا منتظر تھا۔ میں جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے پینٹنگ کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو میری بڑی کمزوری تھی۔ آج میں خوش تھی کہ آج کا دن میرا بہت مصروف اور اچھا گزرے گا آج کوئی تکلیف دہ یاد میرا پیچھا نہیں کرے گی۔

میں کام سے فارغ ہونے کے بعد بالکنی پر ایزل اور برش وغیرہ لے کر بیٹھ گئی۔ بہت محنت سے میں نے اسکیچ بنایا۔ آج ایک مدّت کے بعد پینٹنگ کرنے کھڑی ہوئی تھی۔ اسکیچ بنانے کے بعد جب رنگوں کے انتخاب کا وقت آیا تو میں ایک مرتبہ پھر گھبرا گئی۔ میں ہمیشہ خزاں کے رنگ لگانے پسند کرتی تھی، اور کامران! تم کو شوخ رنگ پسند تھے۔ قوس قزح کے رنگ، بہاروں کے رنگ، اور یہاں ہم دونوں کی پسند کا ٹکراؤ ہو جاتا تھا۔ تم مجھے رنگ بتاتے تھے اور میں لگاتی تھی۔

آج میں کیا کروں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں پینٹنگ بھی تمہارے سہارے کے بغیر نہیں کر سکتی تھی۔ تمہیں رنگوں کو سمجھنے کا سلیقہ خوب آتا تھا۔ تم ہی نے مجھے رنگ بھرنے سکھائے تھے اور تم ہی نے میری زندگی میں رنگ بھرے، ہرے، گلابی، لال، نیلے، پیلے سارے قوسِ قزح کے رنگ تم نے میری زندگی میں بھر دیئے تھے۔ اور اب سب سے آخر میں میری زندگی میں سیاہ رنگ بھر کر اس کا خاتمہ بھی تم نے ہی کر دیا۔

میں تو تمہارے سہارے کے بغیر ایک قدم بھی چلنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے تو ہر قدم پر تمہاری ضرورت ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ زندگی کا اتنا لمبا سفر کیسے طے کروں گی۔ شوہر اور بیوی گاڑی کے دو پہیئے ہوتے ہیں۔ اگر گاڑی کا ایک پہیّہ ڈگمگانے لگے تو گاڑی کا توازن قائم نہیں رہتا اور اس گاڑی کے تو پہیّے ہی الگ الگ ہو گئے ہیں۔ پھر سفر کیسے پورا ہو گا!

تمہارے خیالات پھر اپنی آب و تاب سے میرے ذہن میں جلوہ افروز ہو گئے ہیں میں کیسے ان یادوں سے چھٹکارا حاصل کروں۔ ہر چھوٹی بڑی بات مجھے تمہاری یاد دلاتی ہے۔ سوچو تو بچپن سے لے کر اب تک تو تم میرے ذہن پر حکومت کرتے رہے ہو۔ پھر بھلا ان یادوں سے کیسے پیچھا چھڑاؤں۔ جن یادوں کی بنیادیں اتنی گہری ہیں ان کو کیسے ڈھا دوں!

میں تمہارے بغیر دُنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتی۔ میں نے برش پھینک دیئے اور بستر پر گر پڑی اور بے تحاشہ رونے لگی۔

اُف اللہ، یہ زندگی کیسے گزرے گی۔ یہ میرے آنسوؤں کے خزانے کیا زندگی بھر یونہی لٹتے رہیں گے۔ مجھ کو صبر کیوں نہیں آجاتا!

میں نے دن بھر رو رو کر اپنی آنکھیں سُجا لیں۔ ان حالات سے سمجھوتہ کرنا میرے لئے بہت مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ میں بھیّا کے سامنے خوش رہنا چاہتی تھی۔ لیکن خوش رہنے کی مجھ میں سکت نہیں تھی۔ میں خوش رہ کر اپنے آپ کو اور بھیّا کو اتنا بڑا فریب نہیں دے سکتی تھی۔ جب دل رو رہا ہو تو لبوں پر مسکراہٹ کیسے آ سکتی ہے۔ تم بھی ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ دل میں خواہ کچھ بھی ہو، میں تمہارے

ساتھ کتنی بھی ناانصافی کروں، مگر تم مسکراتی رہا کرو۔ یہ بھی ظلم کی ایک قسم تھی۔ میں تمہاری ہر ناانصافی کو مسکرا کر برداشت کروں۔ خوب یہ دُنیا کے دستور ہیں، اور لوگ اپنی خوشیوں کے لئے کیسے کیسے اصول بنا لیتے ہیں۔ دُوسروں کو دُکھ دے کر خود قہقہے لگانا، دُوسروں پر ظلم کر کے ان سے مسکرانے کو کہنا، یہ کیسی اندھیر نگری ہے۔

بھیّا کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ آج پُورا دن رو کر وقت ایسے گزر گیا کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔

میں نے جلدی سے اُٹھ کر مُنہ ہاتھ دھویا۔ اس خیال سے آنکھوں میں کاجل لگایا کہ کہیں بھیّا کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں دن بھر روتی رہی ہوں۔

بھیّا نے آتے ہی مجھ سے کہا:۔

"تم آج پھر روئی تھیں۔ پینٹنگ کی یا نہیں؟"

اور میرے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ ان کے سینے میں مُنہ چھپا کر میں ہچکیاں لینے لگی ——— میں نے کہا:۔

"بھیّا، میں پینٹنگ نہیں کروں گی۔ مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔"

بھیّا مجھے تسلّیاں دیتے رہے:۔

"ثمو! یوں رو رو کر اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ اپنے آپ کو سنبھالو، حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ یہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا غم بہت شدید ہے۔ لیکن اس کو بھی ہنس کر گزار لو!"

پھر کہنے لگے:۔

"آج میں چاء بناتا ہوں۔"

میں آنسو پونچھتی ہوئی اُٹھ گئی

"نہیں بھیّا، چاء تو تیار ہے۔"

یہ کہہ کر میں چاء لینے چلی گئی۔

مجھے اس کا بہت افسوس ہوتا تھا کہ بھیّا جب تھکے ہارے آتے تھے، تو میں بجائے مسکراہٹ کے اپنے سوگوار چہرے سے ان کا استقبال کرتی تھی۔ میں اپنے آپ کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی، لیکن ناکام رہتی تھی۔

ایک مرتبہ پھر میں نے سوچا، یہ میری کیا حماقت ہے، جب میں نے کامران کو بھولنے کا ارادہ کر لیا ہے، پھر اس بے وفا کو یاد کر کے کیوں روتی ہوں۔ میں خوش رہ کر اپنے بھیّا کو کیوں نہ خوش رکھوں۔

سوچتی تو میں سب کچھ ہوں، لیکن تنہائی میں میرے ارادے سب متزلزل ہو جاتے ہیں۔ تنہائی سے میں جتنا بھاگتی ہوں اُتنی ہی یہ میری قسمت میں لکھی گئی ہے، حالات پر قابو تو پالوں گی لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔

میں اور بھیّا چا، پیتے رہے اور مختلف قسم کی گفتگو کرتے رہے۔ بھیّا نے گھومنے کے لئے چلنے کو کہا، مگر میں نے ٹال دیا۔ بھیّا دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ اور زیادہ رونے سے میرے بھی سر میں درد تھا۔

ہم دونوں رات تک باتیں کرتے رہے۔ ریکارڈ سنتے رہے، بھیّا پاکستان سے آئی ہوئی پرانی ٹیپ سُننا چاہتے تھے، مگر میں نے منع کر دیا۔ کیونکہ اس میں بھی پُرانی یادیں دفن تھیں۔ اس میں میرے بچوں کی، کامران کی، سب کی ہی آوازیں تھیں۔ میں وہ آوازیں سُننے کی اپنے دل میں تاب نہیں رکھتی تھی۔

بھیّا کے جانے کے بعد آج کچھ دیر میں گم سُم بیٹھی رہی۔ میں یہی سوچتی رہی کہ کس طرح اپنے آپ کو خوش رکھوں۔ "تنہائی" یہ لفظ اور اس کا مفہوم میرے لئے کتنا تکلیف دہ ہے۔ تنہائی میری رگ رگ میں پیوست ہو چکی ہے۔ اب میں اس سے گھبرا چکی ہوں۔ میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ تنہائی تو میرا مقدّر بن چکی ہے۔ ایک بھُولی بھٹکی یاد پھر چپکے سے میرے ذہن میں آ گئی۔

قدم قدم پر تو تمہاری یادیں بکھری پڑی ہیں، میں کیسے اپنا دامن بچاؤں۔

ایک مرتبہ ہم بہت سے لوگ پکنک پر گئے تھے۔ کئی خاندان تھے۔ کئی دن کی ایک لمبی چوڑی پکنک کا پروگرام تھا۔ میں تو ایسے پروگراموں سے بہت ہی کتراتی تھی۔ میں تو ہر وہ چیز پسند کرتی تھی جس میں تمہارا ساتھ ہو۔ لیکن تم تو مجھ سے بہت دُور ہو چکے تھے۔ تمہارے قرب کی خواہش کرنا بالکل بیکار تھا۔ کسی پُر فضا مقام پر تمہارا ساتھ نہ ہو، یہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ بات تھی۔ تم نظروں کے سامنے تو رہتے، لیکن دل سے بہت دُور تھے۔

اتفاق سے جس جگہ کا انتخاب ہوا تھا وہ میری اور تمہاری انتہائی پسندیدہ جگہ تھی، جہاں ہم دونوں نے ساتھ بے شمار پکنکیں منائی تھیں۔ جہاں کی فضاؤں میں اب بھی ہمارے قہقہے گُم ہوں گے۔ جہاں کا ایک ایک پھُول ہماری محبّت کا گواہ ہے۔ جہاں کے تنہا گوشے

اب بھی ہماری سرگوشیوں کے رازوں کو اپنے سینے میں چھپائے ہمارے منتظر ہوں گے۔ جہاں کے سفیدے کے درخت اب بھی ہمارے انتظار میں ہوں گے کہ ہم کب آ کر ان پر اپنا نام لکھیں۔

اب اس جگہ جانے کے نام سے نہ معلوم کیوں گھبرا رہی تھی۔ اب جبکہ تم میرے لئے اجنبی بن چکے تھے۔ میں ان جگہوں پر جا کر ان پھولوں، ان درختوں، ان جھاڑیوں، ان سبزہ زاروں سے شرمندہ ہونے کی دل میں طاقت نہیں رکھتی تھی۔

سب کے اصرار پر مجھ کو وہاں جانا ہی پڑا۔ تم مجھ سے الگ تھلگ بالکل اجنبیوں سے اپنے قہقہوں، اپنی دلچسپیوں، اپنی دُنیا میں مگن تھے۔ اور میں تمہارے اجنبی رہنے کے انداز کو ہی سوچتی رہی کہ کیا لوگ ایسے بھی بدل جاتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور جن کو کبھی ہم بھی بہت عزیز تھے۔ آج وہ اس قدر اجنبی بھی ہو سکتے ہیں۔ میرا ذہن یہ تلخ حقیقت قبول کرنے پر ہرگز تیار نہیں تھا۔

اور میں صرف تمہارے اجنبی ہونے کی وجہ سے اس بھری محفل میں بھی تنہا تھی۔ وہ رنگ برنگے آنچل، وہ بیباک قہقہے، وہ بچوں کا شور و غل، وہ دلکش ماحول، لیکن ان سب باتوں میں میرے لئے کوئی رنگینی، کوئی کشش نہیں تھی۔

میں اُداس تھی، میں تنہا تھی، میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ کوئی غمگسار نہیں تھا، کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ جب تم ہی میرا ساتھ نہ دے سکے پھر اور کوئی کیوں دیتا۔ جب تم اپنی دلچسپیاں نہ چھوڑ سکے پھر اور کوئی کیوں اپنی خوشیاں چھوڑ کر میری اُداسیوں میں شامل ہوتا۔

میں ان دو تین دنوں تک تنہا تنہا، اُداس اُداس پھرتی رہی۔ ان ہی تنہا گوشوں میں اکیلی بیٹھی، ان سبزہ زاروں پر اکیلی ٹہلتی رہی، ان پھولوں کے پاس تنہا گئی۔ جہاں کبھی تم میرے ساتھ ہوتے تھے۔ ہر ایسی جگہ جا کر مجھے جھٹکا سا لگتا تھا۔ اور مجھے ایسا لگتا تھا۔ جیسے یہ سب پھول پودے جھاڑیاں بھی مجھ کو آج اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں!

پھر میں تنہا ٹہلتی ہوئی سفیدے کے پیڑوں کی طرف چلی گئی۔ اور مجھ کو ایسا لگا، جیسے وہ میرے منتظر تھے کہ میں ان پر کچھ لکھوں۔ یہ میرا محبوب مشغلہ تھا، نا، سفیدے کے پیڑوں پر دو دل بنانا، اُن پر اپنا اور تمہارا نام لکھنا، کبھی دو دلوں کو ربن سے باندھ دینا، مگر آج میرے پاس لکھنے کو کچھ نہیں تھا، نہ میں ان پر دو دِل بنا سکتی تھی، نہ اپنا اور تمہارا نام لکھنے کو جی چاہا، اور میں سوچتی رہی کہ کیا لکھوں۔ میرے تو چاروں طرف تنہائی ہی تنہائی تھی۔

پھر میں نے ایک پیڑ پر لکھا :- ع

"دیدہ و دل کا مقدر ہو گئیں تنہائیاں!"

اور میں چپکے سے وہاں سے آ گئی۔ جیسے اِن پیڑوں کی شکایت کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سفیدے کے پیڑ مجھ سے سوال کر رہے ہیں :-

"تم آج اکیلی کیوں ہو؟"

میں اُداس اُداس سی آ کر گھاس پر بیٹھ گئی۔ تم اسی وقت نہ معلوم کیوں باہر آئے اور مجھ سے ضبط نہ ہو سکا میں نے کہا :-

"وہ سفیدے کے پیڑ آپ کا انتظار کر رہے ہیں!"

میں تم کو جتانا چاہتی تھی کہ آج میں ان جگہوں پر اکیلی پھر کر آ رہی ہوں۔ جہاں ہم دونوں ساتھ جایا کرتے تھے۔

میں تم کو اپنے ساتھ اس طرف لے گئی۔ اور تم بادلِ نخواستہ میرے ساتھ چلے گئے۔ ہم دونوں بالکل خاموشی سے چلتے رہے۔

میں تمہیں اپنے رازدار اسی مخصوص پیڑ کے پاس لے گئی۔ اور آج کی تاریخ پر جو میں نے لکھا تھا وہ تمہیں دکھایا۔

تم بغیر کچھ کہے سُنے، وہاں سے خاموشی سے واپس آ گئے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ آئی۔ میں نے تم سے کہا :-

"آپ نے اس پر کوئی ریمارک نہیں دیا۔ اچھّا یا بُرا۔"

اور تم نے بڑی بے تعلقی سے اور بہت ہی سرد جذبات سے خالی لہجے میں کہا:۔

"جلدی چلو، کوئی اگر ہمیں اور تمہیں یہاں ساتھ دیکھ لے گا تو کیا کہے گا!"

یہ کہہ کر تم مجھے چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے چلے گئے۔

اور میں وہاں کھڑی ہوئی یہ سوچتی رہ گئی کہ لوگ مجھے اور تمہیں ساتھ دیکھ کر یہ سوچ سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی غلط بات تو نہیں ہے۔

میں نے سوچا کہ اب تم بھی لوگوں سے بہت ڈرنے لگے ہو میری طرح۔ جب میں کبھی کہا کرتی تھی کہ "لوگ کیا کہیں گے"۔ تو اکثر تم کہتے تھے کہ تم لوگوں کی بہت پرواہ کرتی ہو!

لوگ تو بہت کچھ سوچا کرتے ہیں۔ وہ لوگ تم سے ایک لمحے کو بھی جُدا نہیں ہونا چاہتے۔ انہیں یہ ناگوار ہو سکتا ہے کہ تم یہ چند لمحات ان سے جدا ہو کر میرے ساتھ کیوں گزار رہے ہو!

اس کے بعد سے اکثر میرے ذہن میں یہی گونجا کرتا ہے

"دیدہ و دل کا مقدّر ہو گئیں تنہائیاں

اور آج بھی میں یہی سوچ رہی ہوں کہ واقعی تنہائیاں میرا مقدر ہو گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہ ملا...... چند دن کی رفاقت، وہی میری زندگی کا حاصل تھی ؎

یہ چار دن کی رفاقت بھی کم نہیں اے دوست
تمام عمر بھلا کون ساتھ دیتا ہے!

آج میں پھر تمہاری یادوں میں گم ہوں۔

مگر اب تم سے کیا واسطہ...... میں تمہیں کیوں یاد کرتی ہوں۔

میں اپنے خیالات سے چھٹکارا پاکر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی اور یہ نئی بات میرے لئے خوشی کا باعث تھی کہ آج تمہاری یادوں کے ساتھ آنسوؤں کی برسات نہیں تھی۔ میں نے جو ارادہ کیا تھا۔ اب کچھ کچھ اس پر عمل کر رہی تھی۔ میں اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔

آج کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہی۔ ریکارڈوں سے دل بہلایا۔ کتابیں پڑھیں اور کسی نہ کسی طرح شام ہو ہی گئی۔

بھیّا آئے تو میں نے آج پہلی مرتبہ مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ وہ بھی مجھے خوش دیکھ کر خوش ہو گئے۔ ان کے آتے ہی میں نے کہا:۔

" بھیّا۔ آج میرا زیادہ دل نہیں گھبرایا۔ اب کچھ کچھ دل لگنے لگا ہے۔"

بھیّا بولے:۔

" خدا کرے تمہارا دل بہل جائے۔"

آج بھی بھیّا نے مجھ سے باہر چلنے کو کہا، لیکن ان کی تھکن کے خیال سے میں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور پھر میرا خود بھی باہر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ اتنے دنوں کے بعد تو بھیّا ملے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان سے باتیں ہی کرتی رہوں، کہیں نہ جاؤں۔

میں نے بھیّا سے کہا:۔

" بھیّا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ میں بھی سروس کر لوں۔ اکیلے گھر میں دل لگانا تو بہت مشکل ہے۔ اُلٹے سیدھے خیالات پریشان کرتے ہیں۔"

بھیّا بولے:۔

" نہیں ثمو، تم میرے ہوتے ہوئے سروس نہیں کرو گی۔"

میں نے کہا:۔

" بھیّا اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"

" کیا ؟" ــــ بھیّا نے کہا۔

" آپ مجھے ثمو نہ کہا کیجئے۔ میرا پورا نام ثمرآنہ لیا کیجئے" ــــ میں نے افسردگی سے کہا۔

بھیّا نے گمبھیر آواز میں کہا:۔

" ثمو! میں تمہارا دُکھ سمجھتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم کیوں مجھے منع کر رہی ہو لیکن ثمو!

حقیقتوں سے فرار نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ میرے ثمو کہنے یا نہ کہنے سے تمہارا غم تو کم نہیں ہوگا، جو تمہیں دُکھ ہے وہ اپنی جگہ رہے گا، جو چیز بچپن میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے اس کا اس جگہ سے ہٹا دینا دانشمندی نہیں ہے۔"

بھیّا پھر بولے :۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کامران بھائی کو تم نے اپنے بچپن سے دل میں جگہ دی تھی اور اسی لئے اس وقت ان کے خیالات سے چھٹکارا پانے کے لئے تم نئی نئی ترکیبیں سوچتی ہو اور ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کامرآن بھائی نے تمہاری محبت کو ٹھکرا کر بہت غلطی کی ہے۔ وہ زندگی کے کسی حصے میں تمہیں کھو کر ضرور پچھتائیں گے۔ جس طرح ان کی یاد دل سے مٹا دینا تمہارے لئے تکلیف دہ ہے۔ اُسی طرح میرے لئے یہ بہت تکلیف دہ ہوگا کہ میں تمہیں ثمو نہ کہوں۔

جس وقت میں نے تتلا کر بولنا شروع کیا تھا اور تم نئی نئی دُنیا میں آئی تھیں۔ میں اُس وقت سے تمہیں ثمو کہتا ہوں۔ میں اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور کہنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کامرآن بھائی کو ضرور اب اس پیارے لفظ سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے۔ وہ جب اس شخصیت کے اہل نہیں ہیں تو عرفیت کی کیا قیمت ہے۔"

بھیّا کے یہ احساسات سُن کر میں اپنے آپ پر ملامت کرنے لگی۔ میں نے بھیّا کا دل کیوں دُکھایا۔ وہ میرے لئے کتنے پیارے جذبات رکھتے ہیں۔

میں نے کھسیانے پن سے کہا :۔

"نہیں بھیّا، میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اب تو میں اتنی بڑی ہو گئی ہوں۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ آپ میرا پورا نام لیا کریں۔"

بھیّا نے کہا :۔

"تم میرے لئے تو ہمیشہ ہی چھوٹی رہو گی۔"

اور میں نے پھر بات کا رُخ پلٹ دیا۔ میں نے کہا:۔

"بھیّا۔ میرے سروس کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ خدا آپ کو ہم لوگوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ زندہ سلامت رکھے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ کے گھر میں میرے لئے کچھ کمی ہے، بلکہ میں تو صرف اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے خیال سے کہہ رہی تھی۔ دن بھر گھر میں بے کار پڑی رہتی ہوں۔"

بھیّا بولے:۔

"نہیں ثمو! اس خیال کو چھوڑ دو۔ ابھی تو تم آئی ہو۔ تمہارے دماغ پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔ اپنے دماغ کو آرام دو۔ اور لندن ابھی تمہارے لئے نیا ہے۔ یہاں کے راستوں سے تم ناواقف ہو۔ ابھی تو تم یہاں کی گہما گہمی کی عادی بھی نہیں ہوئی ہو۔ تمہارے لئے سروس کرنا بہت مشکل ہے۔ ابھی گھر پر ہی رہو۔"

اور انہوں نے پیار سے میرا سر تھپتھپایا۔

اور میں اس موضوع کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر کے خاموش ہو گئی۔

اب میں کافی حد تک یہاں کی زندگی کی عادی ہو گئی تھی۔ میں نے رونا دھونا بھی کم کر دیا تھا۔ اگر کبھی روتی بھی تو بھیّا سے چھپ کر۔ میں اپنے پیارے بھیّا کو ہر قیمت پر خوش رکھنا چاہتی تھی۔ ان کو خوش دیکھ کر میرا دل بھی خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔

دیکھا تم نے مسٹر کامران! میں تم کو بھولنے میں اب کافی کامیاب ہو گئی ہوں، اب بہت جلد ہی وہ وقت بھی آجائے گا جب میں تمہارا نام بھی اپنے ذہن سے نکال دوں گی جس طرح تم میری شخصیّت کو بھلا بیٹھے ہو میں بھی ایسا ہی کر کے دکھاؤں گی۔

تنہائیاں یہاں بھی میرے لئے ہیں۔ لیکن اب جان لیوا احساسِ تنہائی نہیں ہے۔ میرے ہمدرد غمگسار میرے بھیّا ہیں۔ میں اپنا دُکھ درد، اپنی ضرورت، اپنی فرمائش بلا تکلّف ان سے کہہ تو سکتی ہوں۔

تم سے تو کبھی اپنا دُکھ درد میں نے کہا ہی نہیں۔ تمہیں سننے کی فرصت ہی کہاں تھی۔ میں نے کبھی اپنی ضرورت تم سے نہیں کہی۔ زندگی بھر تم سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ تمہیں بڑی تمنّا تھی کہ میں کوئی فرمائش کروں۔ لیکن تمہاری ایک یہی تمنّا ہے جو میں نے پوری نہیں کی۔ فرمائش کرنا میری عادت ہی نہیں۔ اگر فرمائش کر کے کچھ لینا ہی ہوتا، اور وہ بھی تمہاری خواہش کے مطابق کوئی بڑی چیز۔ تو میں تم سے تم ہی کو مانگ لیتی۔ اور یہ فرمائش

پوری کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تھی۔ جب مجھے معلوم تھا کہ میری یہ فرمائش پوری نہیں ہو گی تو بات کہہ کر کھونے سے کیا فائدہ...... اور کسی مادّی چیز کی فرمائش تو میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

میں تمہاری محبت کے دو بول کے بدلے میں دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت قربان کر سکتی ہوں۔

مجھے نہ کسی چیز کی ضرورت تھی اور نہ خواہش۔ روپے پیسے کی میرے نزدیک کوئی اہمیّت نہیں ہے اور میں تو بقول لوگوں کے بڑی بدذوق ہوں۔ میں تو بعض مرتبہ قیمتی سے قیمتی تحفے کے بجائے ایک بہت ہی کم قیمت چیز کو انتہا سے زیادہ پسند کر لیتی ہوں۔ مجھے اس کی قیمت سے نہیں، بلکہ نفاست سے پیار ہوتا ہے۔

میں ایک منک کوٹ (Mink) کے مقابلے میں نرگس یا کنول کے پھولوں کا تحفہ پسند کروں گی۔ میرے نزدیک جو ان پھولوں کی قیمت ہو جائے گی، وہ ایک قیمتی کوٹ کی کبھی نہیں ہو سکتی۔

تمہیں یاد ہو گا کامراؔن ۔۔ ایک مرتبہ تم شہر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ واپسی میں تم میرے لئے بہت کچھ چیزیں لائے۔ راستے میں تمہیں کنول کے پھول نظر آئے۔ وہ بھی تم بہت احتیاط سے میرے لئے لے آئے۔ ان کو دیکھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اور جو چیزیں تم لائے تھے ان پر میں نے سرسری طور پر خوشی کا اظہار کیا، مگر پھول دیکھ کر تو میں خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

تم نے میرا یہ دیوانہ پن دیکھ کر کہا تھا:۔

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم صرف ان پھولوں سے ہی اتنی زیادہ خوش ہو جاؤ گی، تو میں تمہارے لئے اور کوئی چیز نہ لاتا بلکہ پھولوں سے لاد دیتا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ پھول میری بڑی کمزوری ہیں۔ کئی دن تک وہ پھول میرے کمرے میں رکھے رہے اور میں گھنٹوں ان کو دیکھتی رہتی۔ اور جب اس کی ایک ایک پتی

گرنی شروع ہوئی تو مجھ کو ایسا لگتا تھا، جیسے میرے دل کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔

ویسے میں نے ہمیشہ تمہارے تحفوں کی بہت قدر کی۔ تمہارا دیا ہُوا ایک گلاب کا پھُول آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔ جو سوکھ کر اپنی خوشبو اور رنگت کھو چکا ہے لیکن وہ تمہارا تحفہ تو ہے۔

کامران! مجھے یہ اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ بہت کچھ بھُلانے پر بھی تم میرے ذہن پر بُری طرح حاوی ہو۔ لیکن وہ دن دُور نہیں ہے جب میں اپنے آپ کو فاتح سمجھوں گی اور فخر سے کہہ سکوں گی۔

کامرآن؟ ...... کون کامرآن؟ .... میں کسی کامرآن کو نہیں جانتی!

زندگی اب بڑے ہی پُرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔ میں نے بھیّا کو کہہ سُن کر سروس کے لئے راضی کر لیا تھا۔ صبح سے دوپہر تک کپڑوں کے ڈیزائن بنانے ہوتے تھے۔ یہ کام میری عین دلچسپی کے مطابق تھا۔ ایسے کاموں سے میں تھکتی بھی نہیں تھی۔ تنخواہ کی تو مجھے پرواہ بھی نہیں تھی۔ یہ کام تو میں مفت بھی کر لیتی، لیکن تنخواہ بھی اچھی ملتی تھی۔

اب میں لندن کے راستوں سے ناواقف نہیں رہی تھی۔ وہاں کے ہنگاموں کی بھی عادی ہو گئی تھی۔ دوپہر کو گھر آجاتی تھی۔ آرام کے لئے بھی وقت مل جاتا تھا۔ شام کو جس وقت بھیّا آتے میں تازہ دم ہو کر ان کا استقبال کرتی۔ اب مجھے فضول باتیں سوچنے کی بالکل فرصت نہیں تھی۔ وہاں کی مشینی زندگی میں میں بھی اپنے جذبات کی لطافت کھوتی جا رہی تھی اور یہ اچھا ہی تھا۔ ان جذبات نے ہی تو میری زندگی کو اتنا تلخ بنا دیا تھا۔

اکثر سُنا کرتی تھی، افسانوں اور ناولوں میں پڑھا کرتی تھی کہ کسی پر غم پڑا اور اس نے لندن کی راہ لی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ لیکن اب بالکل سمجھ گئی تھی۔ یہاں کی کاروباری زندگی میں انسان اپنے آپ کو بھی بھُول جاتا ہے۔ نازک اور لطیف جذبات کی تو یہاں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہاں تو محبّت بھی کاروباری انداز میں ہوتی ہے۔ اور اس کاروباری زندگی میں میں اپنے آپ کو بھی بھُول گئی۔

زندگی ایک محور پر آ گئی تھی۔ صبح سویرے اُٹھنا، ناشتہ اور دوپہر کے لئے کھانا پکانا، دوپہر کو واپس آنا۔ کھانا کھا کر آرام کرنا، شام کو بھیّا کی واپسی پر کبھی باہر چلے جانا یا گھر میں ہی رہ کر مختلف چیزوں سے دل بہلانا۔

اب زندگی کافی حد تک پُرسکون ہو گئی تھی۔ ماضی کی تکلیف دہ یادوں پر گرد کی کافی موٹی تہہ جم گئی تھی۔ کبھی کوئی بھولا بھٹکا خیال آ بھی جاتا تو اب میں اپنی پچھلی حماقتوں کو یاد کر کے مسکرا دیا کرتی۔ میں بھی کتنی احمق تھی اُن دنوں۔ بلا وجہ ایک بے وفا کے پیچھے اپنی زندگی تباہ کر رہی تھی۔ اس سے تو پہلے ہی یہاں آ جاتی تو اتنے دُکھ بھی نہ اُٹھاتی۔ اب جب کبھی کامران کا نام ذہن میں آ جاتا تو ایک طنزیہ مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل جاتی۔ ہونھ۔ بے وفا۔ بے مروّت ۔۔۔ وہ شخص اس قابل ہی کب تھا کہ اس کے لئے اتنا دیوانہ ہوا جاتا۔ میں واقعی بڑی بے وقوف تھی۔ اور وہی شخص عقلمند تھا جو بہت جلد محبت وغیرہ کے جھمیلوں سے آزاد ہو گیا۔

اب میں بھیّا سے کہتی تھی کہ آپ بھی شادی کر لیجئے۔ لیکن نمعلوم کیوں بھیّا ٹال رہے تھے اور میں نے فیصلہ سُنا دیا تھا کہ اب جلد از جلد بھیّا کو شادی کرنی ہی پڑے گی۔

اور میں نے امّی کو لکھ دیا تھا کہ بہت جلد ایک دولہن کا انتظام کر دیں!

دن بڑی اچھی طرح سکون سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک زور کا دھماکا ہوا جس سے میرے دماغ کے سارے تار جھنجھنا اُٹھے۔

واقعی سکون اس دُنیا میں شائد مجھے کبھی نہ مل سکے۔

ایک دن میں کچن میں شام کے ناشتے کے لئے کچھ پکا رہی تھی۔ بھیا کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ پھر بھیّا کی کسی سے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

بھیّا نے مجھے پکارا:۔

"ثمو! دیکھو کون آیا ہے!"

میں ڈرائنگ روم میں آگئی۔

بھیّا نے کہا:۔

"تم ان سے مل کر ضرور خوش ہو گی۔"

میں نے دیکھا ایک شخص کھڑا تھا جس کی پیٹھ میری طرف تھی۔

بھیّا نے اس اجنبی کو مخاطب کیا:۔

"احمر صاحب! اِن سے ملئے، یہ میری بہن ہیں ثمرانہ۔ جن کو میں پیار سے ثمو کہتا ہوں، خدا ایسی پیاری بہن ہر ایک کو دے۔

اور شمو! یہ احمر صاحب ہیں۔ وہ تمہاری دوست ارہوسٹس ہیں نا۔ یہ ان کے بھائی ہیں۔ ان کے پاس میرا پتہ تھا۔ یہ اپنی بہن کے اصرار پر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ہم تک پہنچ ہی گئے۔"

اور میری اُس وقت یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ ایک لرزہ سا طاری ہو رہا تھا۔ میں اس شخص کو دیکھ رہی تھی اور میری عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ میں قدرت کے یا بھیّا کے اس مذاق کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ شخص **احمر** جو میرے سامنے کھڑا ہُوا تھا...... میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ احمر ہیں یا کامرآن۔ اتنی زیادہ مشابہت۔ اور میں سوچ رہی تھی کہ شائد یہ بھیّا کا کوئی مذاق ہے۔

وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھتے رہے اور میں ہکّا بکّا سی ہونّق بنی کھڑی رہی۔

بھیّا نے ٹوکا:۔

"شمو! نہ سلام نہ دُعا۔ یہ تم نے مہمان کا کس طرح استقبال کیا ہے" اور اس وقت احمر نے بھی اپنی خاموشی کو توڑا اور بولے:۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی!"

آواز سُن کر مجھے یہ یقین کرنا پڑا کہ یہ کامرآن نہیں ہیں۔ کامرآن کی آواز میں جو بات تھی احمر کی آواز میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ لیکن احمر کی آواز میں بڑی گمبھیرتا تھی۔

ان کی گہری نظروں کی تاب نہ لا کر میں نے جلدی سے سلام کیا اور چائے لانے کو کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

قدرت کے اس مذاق نے میرے دل و دماغ کو ہلا ڈالا۔ اُف یہ اتنی زیادہ شباہت۔ میں جس کو بھُولنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور اب منزل قریب آگئی تھی۔ وہ ذرا سے اشارے میں ختم ہو گیا۔ اور آج مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے وہ کامرآن ہی ہیں۔

اُف اللہ۔ یہ تُو نے مجھے کیسے امتحان میں ڈال دیا۔ خدا کرے احمر یہاں سے بہت جلدی چلے جائیں۔ یہ ہمارے ہاں نہ آیا کریں۔ میں اب کامران کا خیال بھی دل میں لانا پسند نہیں کرتی میں اس کو بھول چکی ہوں۔ میں اس کی شبیہہ کو بھی اپنے سامنے نہیں دیکھ سکتی۔

اب میں کیا کروں۔ اس کمرے میں جانے کی اپنے اندر کیسے ہمّت پیدا کروں۔ وہ مجھے گہری نظروں سے کیوں دیکھ رہے تھے۔ میں ان کی تاب نہیں لا سکتی۔ کامران کی نظروں میں بھی ایسی ہی گہرائی تھی۔ جس میں میں ڈوب جایا کرتی تھی۔ ان حالات کا میں کیسے مقابلہ کروں؟

اے خدا، مجھے ہمّت دے!

کافی دیر تک میں یہی سوچتی رہی کہ چائے کر کیسے اس کمرے میں جاؤں۔ پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔

"ثمو! کدھر ہو بھئی۔ آج کیا چائے نہیں ملے گی!"

بھیّا کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"جی ابھی آئی!"

میں یہ کہہ کر اپنے حواس مجتمع کرنے لگی۔ اور بہت مشکل سے ہمّت کر کے چائے لیکر اس کمرے میں پہنچی۔

بھیّا اور احمر گفتگو میں مصروف تھے۔ بھیّا میری طرف دیکھ کر بولے:۔

"کیوں ثمو! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ چہرہ اترا ہوا لگ رہا ہے۔"

"نہیں بھیّا۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں" ـــــ میں نے کہا۔

یہ میرا چہرہ کم بخت ہمیشہ ہی چغلی کر دیتا ہے۔ میں اپنا درد اپنا کرب، لاکھ چھپانا چاہوں میرے چہرے سے ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

میں چائے بنانے لگی۔ اور مجبوراً مجھے احمر کو مخاطب کرنا پڑا:۔

"آپ کے لئے کتنی چینی ڈالوں؟"

"ایک چمچی!"

اور میں نے چونک کر بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے آپ پر قابو پا کر چائے بنانے لگی۔

کیا ایک چمچی چینی، علاوہ کامران کے اور کوئی نہیں پی سکتا!

لیکن یہ احمر کیوں اتنی مشابہت رکھتے ہیں۔ کیا عادتوں میں بھی اتنی ہی مشابہت ہو گی...... مجھے کیا ـــ احمر کی عادتیں کچھ بھی ہوں۔ میں کامران کو بھلا چکی ہوں۔ اور اس امتحان سے بھی گزر جاؤں گی۔

بھیّا نے پھر مجھے ٹوکا:۔

"تمہاری دوست کے بھائی ہیں۔ اور تم نے اب تک ان کی خیریت بھی نہیں پوچھی۔"

اور اس وقت میں پھر اپنے خیالات سے چونکی۔

اور میں نے ان سے پوچھا:۔

"غزالؔ کیسی ہیں؟"

انہوں نے کہا:۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں!

میں تعلیم کے لئے یہاں آیا ہوں۔ ان کا اصرار تھا کہ میں آپ لوگوں سے ضرور ملوں۔ ایک دو مہینے تو میں داخلے اور رہائش کے بندوبست میں مصروف رہا۔ سب سے پہلی فرصت ہی میں آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔"

میں نے کہا:۔

"غزالؔ فلائٹ پر تو یہاں آتی ہوں گی۔ کبھی ملیں نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہو جایا کرے تو میں ہی مل لیا کروں۔"

احمر نے کہا:۔ "ہاں، اب کے اگر ادھر آئیں تو آپ کے پاس ضرور آئیں گی

کچھ دنوں کے لئے انہوں نے اپنی ادھر کی فلائٹ کینسل کروالی تھی۔"

احمر رات تک بیٹھے رہے۔ اور میں کھوئی کھوئی سی رہی۔ بھیّا کے کہنے پر ان کی باتوں میں شریک ہونے کی کوشش کرتی رہی، مگر میرا دماغ تو کسی اور ہی بھول بھلیّوں میں الجھا ہوا تھا۔ جن باتوں کو بھولنے کی میں نے اتنی کوششیں کیں اور اس میں کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ آج وہ سب باتیں پھر آج میرے ذہن پر قبضہ جما رہی تھیں۔ یہ کامران کی پرکشش شخصیت کا ہی تأثر ہے جو آج ان کی شبیہہ دیکھ کر میں گھبرائی جا رہی تھی۔

رات کا کھانا کھا کر احمر اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ وہ ہم لوگوں سے مل کر بہت خوش تھے۔ یہاں لندن میں وہ بہت اجنبیت محسوس کر رہے تھے اور اب ان کا خیال تھا کہ ہم لوگوں کی وجہ سے یہ اجنبیت نہیں رہے گی۔

اور میں سوچ رہی تھی کہ کاش یہ ہمیشہ ہی اجنبی رہیں۔ یہ میرے خیالات کو بھٹکانے یہاں نہ آیا کریں۔

اب پھر میری آزمائش کا دور آ گیا تھا۔

رات کو بستر پر گر کر ایک عرصے بعد میں پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جس ماضی کو میں فراموش کر چکی تھی۔ آج وہ پھر میری نظروں کے سامنے تھا۔ میں نہ معلوم کب تک روتی رہی اور کب سو گئی۔

احمر کا اب یہ معمول ہو گیا تھا کہ شام کو کبھی تو بھیا کے ساتھ ہی آ جاتے تھے اور کبھی بھیا کے پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد آ جاتے۔ رات تک وہ ہم لوگوں کے ساتھ رہتے۔ اگر کبھی ہم لوگ گھومنے جاتے تو وہ بھی ساتھ رہتے۔ شام کو ان کا کبھی کبھار ہی ناغہ ہوتا۔ بھیّا سے ان کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے کبھی ڈھنگ سے بات نہیں کی اور نہ انہوں نے ہی مجھ سے زیادہ گھلنے ملنے کی کوشش کی۔ میں کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہتی۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن احمر کے دیکھنے کا انداز مجھے ہمیشہ پریشان کر دیتا تھا۔ وہ اکثر مجھ کو بہت گہری نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور میں اُن کی نظروں کی تاب نہ لا کر کوئی بہانہ بنا کر وہاں سے اُٹھ جاتی تھی۔

بھیّا مجھ کو اپنے کمرے میں اکیلا نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں اکیلی بیٹھ کر بور ہو رہی ہوں گی۔ وہ مجھے ہمیشہ ہی اپنی اور احمر کی باتوں میں شریک کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بادل نخواستہ مجھے بھیّا کی یہ خوشی پوری کرنی پڑتی تھی۔ جبکہ میں احمر کے سامنے بالکل نہیں جانا چاہتی تھی۔ حالانکہ اب میں اسی صورتِ حال کی بھی عادی ہو گئی تھی اور ان حالات سے تھوڑا بہت سمجھوتہ کر لیا تھا۔

احمر اب کافی بے تکلّف ہو گئے تھے۔ اکثر کسی کھانے کی چیز کی فرمائش بھی کر دیتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر لے جاتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر ہم لوگوں

کی خاطر مدارات کرتے۔ ان دنوں ایک دو مرتبہ غزالؔ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔ وہ مجھ سے بہت قریب ہونا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا قیام اتنا مختصر ہوتا تھا کہ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے قریب نہ ہو سکے۔ وہ اکثر مجھے بڑی ہمدردی سے دیکھا کرتی تھی۔ اس نے کبھی میرا غم معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ اب مجھے اپنے حالات میں مگن دیکھ کر تکلیف دہ باتیں نہیں چھیڑنا چاہتی تھی۔ اس کی نظروں سے مجھے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھ پر ترس کھا رہی ہو۔ اس کی نگاہوں میں بڑی ہمدردی ہوتی تھی۔ اور میں جانتی تھی کہ اس کو یہ تو اندازہ ہے کہ مجھے کوئی نہ کوئی غم ضرور ہے۔ اور اسی لئے وہ مجھے ہمدردی کا مستحق سمجھتی ہے۔

نمعلوم کتنے دن بیت گئے۔ پاکستان اب میرے لئے قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ وہاں اب میں اپنے ماضی کے کھنڈروں کو کھودنے کے لئے نہیں جانا چاہتی تھی۔ کبھی کبھی وطن کی یاد بری طرح بے قرار کر دیتی تھی۔ بچوں کی یاد چٹکیاں لیتی تھی۔ ان کی معصوم شکلیں نظروں کے سامنے گھومنے لگتی تھیں۔ بے وفا کامرانؔ کی یاد ستاتی تھی۔ لیکن اب چھوٹے دیس سے کیا ناطہ۔

احمر بدستور ہمارے گھر میں گھلے ملے رہے۔ مجھے اکثر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں اب کسی سے بھی کوئی بات سُن کر اپنے دل پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ نمعلوم کیا کہنا چاہتے تھے۔ یہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں نے اُن کو کبھی بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ ہم تینوں بیٹھے ہوتے اور بھیّا کسی کام سے چلے جاتے۔ لیکن اس وقت میں کبھی وہاں نہ ٹھہرتی اور بھیّا کے ساتھ میں بھی اُٹھ آتی تھی۔ جہاں تک میری عقل ساتھ دیتی ہے۔ احمر میرے غم کے ہی متعلق معلوم کرنا چاہتے ہوں گے۔ ان کو غزالؔ نے بتایا ہو گا۔ اب میں اپنے غموں کو کریدنا نہیں چاہتی۔ ان باتوں کو کریدنے سے کیا حاصل۔ احمر یہ سب جان کر کیا کریں گے۔ ویسے کبھی انہوں نے بھیّا سے بھی میرے متعلق کچھ پُوچھنے کی کوشش

نہیں کی۔ جب سے میں نے ان کی نگاہوں میں پیغام کو محسوس کیا تھا اُس وقت سے میں اور بھی ان سے کترانے لگی تھی۔ جب کبھی ساتھ گھومنے کا پروگرام بنتا میں کوئی بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیتی پھر اُس دن کوئی بھی نہ جاتا۔ میں چاہتی تھی کہ یہ دونوں چلے جایا کریں میں گھر پر رہ جاؤں۔ لیکن یہ بھیّا نے کبھی نہ ہونے دیا۔ انہوں نے کبھی مجھ کو تنہا نہیں چھوڑا۔

میں احمر سے دُور رہنا چاہتی تھی لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ بھیّا نے تو کبھی کسی پابندی کا خیال ہی نہیں کیا۔ اور ضرورت بھی کیا تھی۔ میں کوئی ننھا بچہ تو تھی نہیں۔ میں دُنیا کے نشیب و فراز دیکھے ہوئے تھی۔ ہر قسم کے تجربے سے واقف تھی۔

ایک دن شام کو حسبِ معمول احمر اور بھیّا آئے۔ ہم لوگ چائے پی رہے تھے۔ آج بھیّا کچھ تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔

میں نے پوچھا:۔

"بھیّا کیا بات ہے۔ آج آپ بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔"

بھیّا کہنے لگے:۔

"آج سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔"

میں ان کا سر دبانے کے لئے اُٹھی لیکن بھیّا نے کسی طرح نہیں دبانے دیا۔ پھر میں دودھ گرم کر کے لائی اور ان کو دُودھ کے ساتھ سر کے درد کی گولی کھلائی۔ پھر ان کو بستر پر لٹایا۔ میں اور احمر بھی بھیّا کے ہی کمرے میں بیٹھ گئے۔

بھیّا بولے:۔

"ثمو! تمہیں تو آج شاپنگ کے لئے جانا تھا۔"

میں نے کہا:۔

"نہیں، کوئی ایسی ضروری شاپنگ تو نہیں کرنی تھی۔ کل جب آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو چلی جاؤں گی۔"

بھیّا بولے :۔

"نہیں، تمہیں تو آج جانا ضروری تھا۔ میں آرام کر رہا ہوں۔ کچھ دیر سوؤں گا تو سر کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم احمر کے ساتھ چلی جاؤ۔"

میں نے گھبرا کر کہا :۔

"نہیں بھیّا، میں آج بازار نہیں جاؤں گی۔"

بھیّا میری گھبراہٹ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ وہ بولے :۔

"تم تو ایسے گھبرا رہی ہو، جیسے ننھی بچی ہو۔ جاؤ چلی جاؤ۔ کوئی حرج نہیں ہے۔"

احمر ان سب باتوں سے بے تعلق بیٹھے ہوئے تھے۔

پھر میں نے بات بناتے ہوئے کہا :۔

"نہیں بھیّا! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس وقت آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ آپ کی طبیعت خراب ہے۔"

بھیّا نے کہا :۔

"بھئی، میری کوئی اتنی طبیعت خراب نہیں ہے کہ تم میری وجہ سے اپنا ضروری کام روک دو۔ میں تو سو جاؤں گا۔ تم چلی جاؤ۔"

پھر وہ احمر سے مخاطب ہوئے :۔

"کیوں بھئی احمر! تمہارا کچھ موڈ ہے۔ اس وقت بازار تک جانے کا۔ نمو کو آج کچھ ضروری شاپنگ کرنی تھی۔ میں ذرا آرام کروں گا۔ اگر تم لے جاؤ تو مہربانی ہو گی۔"

احمر بولے :۔

"آپ بھی کس قدر تکلف سے کام لے رہے ہیں۔ مہربانی کیسی۔ آپ مجھے حکم دیجئے ۔۔۔ میں حاضر ہوں!"

بھیّا نے کہا :۔۔۔۔ "اٹھو نمو! جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ!"

اور مجھے مجبوراً اُٹھنا پڑا۔

آج پہلی مرتبہ مجھے احمر کے ساتھ تنہا جانا تھا۔ مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ مجھے اس طرح کسی کے ساتھ بھی تنہا جانا بالکل پسند نہیں تھا۔ گو کہ میں بچہ نہیں تھی، لیکن پھر بھی میں کسی مرد کو ذرا بھی آگے بڑھنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ مردوں کا کیا بھروسہ، نیک سے نیک آدمی کو بھی بدلتے دیر نہیں لگتی۔ حالانکہ اب میری عمر اتنی کم نہیں تھی جو مجھے اس قسم کے خدشے ہوتے۔ لیکن پھر بھی نمعلوم کیوں دل ڈرا ڈرا سا رہتا تھا۔

ہم دونوں گھر سے روانہ ہوئے۔

احمر مجھ سے مخاطب ہوئے :۔

"آپ مجھ سے کچھ خوفزدہ سی معلوم ہوتی ہیں۔ میرے اوپر بھروسہ کیجئے۔ میں اتنا بُرا آدمی نہیں ہوں، جتنا آپ سمجھتی ہیں۔"

میں نے کہا :۔

"جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو آپ کے متعلق کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔ آپ غزال کے بھائی ہیں، اور اتنا جان لینا میرے لئے کافی ہے۔"

احمر نے کہا :۔

"اس وقت آپ کا میرے ساتھ آنے میں ہچکچانا یہ صاف ظاہر کر رہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں آنا چاہتی تھیں۔ لیکن آپ یقین کیجئے، مجھ سے کبھی کوئی گری ہوئی حرکت سرزد نہیں ہوگی۔ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

میں نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا :۔

"اس وقت بھیا کو اکیلے چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اور شاپنگ کچھ اتنی ضروری بھی نہیں تھی۔"

حالانکہ آج بازار جانا بے حد ضروری تھا ویسے بھیا کو اکیلا بھی چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

احمر بولے :-

"آپ مجھ کو غیر نہ سمجھا کیجئے۔ آپ کے اس غیریت کے انداز سے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے آپ کے گھر میں آتے ہوئے مجھے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ لیکن آپ شروع دن سے جس طرح میرے لئے اجنبی تھیں اُسی طرح آج بھی ہیں۔"

میں احمر کی ان باتوں سے گھبرا رہی تھی۔ میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ میں کیا بتاتی کہ ایک تمہاری ہی شبیہہ کے ہاتھوں دھوکا کھائے ہوئے ہوں۔ جس نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میری زندگی میں (اپنے باپ بھائی کے علاوہ) وہی ایک ایسا شخص تھا جو میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ پوری دُنیا میرے لئے اجنبی ہے۔ اور مجھے کیا حق ہے کہ دوسروں کی اجنبیت دُور کروں، جو میرا اپنا تھا اُس نے مجھے اتنے دُکھ دیئے تو پھر غیروں سے کیا اُمید رکھوں۔ میں احمر سے کس طرح صاف صاف کہہ دوں کہ :-

"احمر تم ہمیشہ ہی میرے لئے اجنبی رہو گے۔"

میں نے احمر کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بات ٹالنے کے لئے سامنے کی دوکان میں گھس گئی۔

وہاں سے مجھے کوئی چیز نہیں خریدنی تھی۔ لیکن اس وقت مجبوراً مجھے وہاں سے بھی کچھ خریدنا پڑا۔

اور احمر بھی شاید سمجھ گئے تھے کہ میں ان کی باتوں سے کترا رہی ہوں اور اسی لئے وہ پھر خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہے۔

مجھے اس کا افسوس بھی ہوا کہ میں نے بلا وجہ ہی تو احمر کو رنجیدہ کر دیا۔ اگر میں ان سے تھوڑا بہت بے تکلف بھی ہو جاؤں تو میرا کیا بگڑ جائے گا۔ اس میں تو شک نہیں کہ یہ آدمی بہت نیک ہے۔ اتنے دن سے ہمارے ہاں آ رہے ہیں اور کبھی بھی کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں کی...... لیکن مجھے ان سے ہمدردی کی ضرورت بھی کیا ہے۔ میں

دُنیا کے کسی مرد سے ہمدردی نہیں کر سکتی۔ میں کامرآن کا انتقام ہر مرد سے لوں گی۔ میں بھی ہر مرد کو تکلیف دے کر قہقہے لگاؤں گی۔ کسی مرد کو غمگین دیکھ کر مجھے واقعی بڑی مسرّت ہوتی ہے۔

وقتی طور پر احمر کے غمگین ہونے کا میرے اوپر اثر ہُوا۔ لیکن میں نے جلدی ہی اپنے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اور میں نے سوچا کہ میں ہر مرد کے غموں پر ہنسا کروں گی۔ میں احمر کے کے دُکھوں پر بھی ہنسوں گی۔ اگر احمر کو میری اجنبیت سے شکایت ہے تو یہ اجنبیت زندگی بھر دُور نہیں ہو گی۔ میں اسی طرح تسکین حاصل کروں گی۔ میں کامرآن کو تو دُکھ نہیں دے سکی لیکن اب اس کا بدلہ اس کی شبیہہ سے لوں گی۔

ہم دونوں نے خاموشی سے شاپنگ کی اور واپس آ گئے۔ احمر بہت خاموش تھے۔

بھیّا نے پوچھا بھی :۔

"تم اس قدر خاموش کیوں ہو احمرؔ! بازار جا کر بہت بور ہو گئے۔"

احمرؔ نے جواب دیا :۔

"جی نہیں، یہ صرف آپ کا خیال ہے۔"

بھیّا مجھ سے مخاطب ہوئے :۔

"شمّو! تم نے تو کچھ احمرؔ سے نہیں کہہ دیا۔ یہ کیوں اتنے خاموش ہیں!"

احمرؔ بولے :۔

"نہیں خرّمؔ بھائی۔ یہ بھلا مجھ سے کیا کہیں گی، جو مجھے بُرا لگے۔ یہ تو کچھ کہتی ہی نہیں ہیں"

احمرؔ خرّمؔ کے برابر کے ہی تھے، لیکن وہ خرّمؔ کی بڑی عزّت کرتے تھے اور ان کو بالکل اپنے بڑے بھائی کی طرح سمجھتے تھے۔

بھیّا کو احمرؔ کی خاموشی سے بڑی بے چینی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہُوا تھا۔

وہ پھر مجھ سے بولے :۔

"بھئی میری سمجھ میں نہیں آتا یہ احمرؔ شام کو تو بالکل ٹھیک تھے۔ اچھے خاصے ہنس بول

رہے تھے۔ اب ایسی کیا بات ہو گئی۔ ضرور تم نے کوئی ایسی بات کہی ہے۔"

میں افسردگی سے بولی:۔

"بھیا، میرے پاس کہنے کو ہے ہی کیا جو کسی سے کچھ کہوں گی۔"

پھر احمر کو سنانے کے خیال سے میں نے بھیا سے کہا:۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں میری عادت۔ میں تو ہمیشہ ہی الگ تھلگ رہنے کی عادی ہوں میں تو کسی سے زیادہ بات ہی نہیں کرتی۔"

احمر کو جو بدگمانی ہو گئی تھی وہ اب دور ہو گئی۔ پھر وہ بولے:۔

"نہیں خرم بھائی یہ تو آپ کا خلوص ہے جو آپ ایسا سوچ رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ ہاں، بھوک بہت لگ رہی ہے۔ کھانا کھائیں گے۔"

اور میں مطمئن ہو کر کھانا لینے چلی گئی۔

اس بات کو کئی روز گزر چکے تھے۔ لیکن یہ میں اب بھی محسوس کرتی تھی کہ احمر مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ان کے دیکھنے کا انداز اب بھی وہی تھا اور میں اب بھی ان سے اسی طرح کتراتی تھی اور بات کرنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔

ایک دن بھیّا کو آنے میں ذرا سی دیر ہو گئی اور اُس دن احمر ذرا پہلے آ گئے۔ میں بہت گھبرا گئی۔ اس وقت کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ مجبوراً ان کو اندر بلانا ہی پڑا۔ اور میں انکو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود کچن میں آ گئی۔

احمر کی پارسائی میں تو کوئی شک نہیں تھا۔ اتنے عرصہ سے مل رہے تھے۔ کبھی کوئی نازیبا بات نہیں کی تھی اور اس دن انہوں نے جو بازار میں چند جُملے کہے تھے۔ اس سے اور بھی ذرا اطمینان ہو گیا تھا۔

میں کچن میں کھڑی ہوئی دل ہی دل میں دُعائیں مانگ رہی تھی کہ بھیّا جلدی سے آ جائیں۔

خدا نے میری دُعا سُن لی۔ احمر کو آئے ہوئے دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ بھیّا بھی آ گئے۔

بھیّا نے احمر کو اکیلے بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے :-

"آج تم جلدی آگئے۔ مجھے دیر ہو گئی تھی۔ چار وغیرہ بھی پی یا نہیں؟ کتنی دیر ہوئی آئے ہوئے؟"

احمر نے کہا:۔

چار تو ابھی نہیں پی۔ مجھ کو آئے ہوئے تو ابھی مشکل سے دس پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"

پھر بھیّا مجھ کو آوازیں دیتے ہوئے کچن میں آگئے۔ اور مجھ سے بولے:۔

"تم نے احمر کو وہاں اکیلا بٹھا رکھا ہے۔ وہ کیا سوچے گا۔"

میں نے بے دلی سے کہا:۔ "سوچنے کی کیا بات ہے۔"

بھیّا نے کہا:۔

"سوچنے کی بات تو ہے۔ اتنے دن سے ہمارے گھر اس کا آنا جانا ہے۔ اب تو وہ ہمارے ہی گھر کا ایک فرد ہو گیا ہے۔ ہر طرح ہم اس کو دیکھ چکے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ اتنی بے تکلفی ہے۔ تمہارا یہ برتاؤ کچھ اچھا نہیں لگتا، وہ بُرا مانے گا۔ اور پھر تم بھی کوئی چھوٹی بچی نہیں ہو جو ڈرتی ہو۔ اگر ہاں کوئی کم عمر لڑکی ہوتی تو میں خود بھی پسند نہیں کرتا ـــــ تم تو تجربہ کار ہو۔ تمہیں اس کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہونا چاہئے۔ تمہاری اس بے اعتباری سے اس کو رنج ہو گا۔ آئندہ خیال رکھنا کہ اس کے سامنے کوئی ایسی بات نہ ہو۔"

میں نے اُداس لہجے میں کہا ـــــ "بہت اچھا"

اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

رات کو احمر کے جانے کے بعد جب میں بستر پر لیٹی تو آج پھر اُداسیاں میرے اوپر مسلّط ہو رہی تھیں۔ میں احمر کے قریب بالکل نہیں آنا چاہتی تھی۔ بھیّا یہ باتیں کیوں نہیں سمجھتے۔ میں تجربہ کار عورت سہی، لیکن میں کسی بھی مرد کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کر دوں گی۔ میں کس مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ احمر کے آنے سے پہلے دن کتنے سکون سے گزر رہے تھے۔ اب تو مشکلات کے دروازے کھلتے ہی جا رہے ہیں۔ اب قسمت اور کیا دکھائے گی۔

جب اپنے آپ کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تو حالات نے دُوسرا رُخ اختیار کیا۔ اب اپنے آپ کو ان نئے حالات کا پابند کیسے بناؤں۔ میری تو عقل کام نہیں کرتی۔

آج شام کو جس وقت بھیّا کی منتظر تھی اس وقت بجائے بھیّا کے احمر آئے، پھل وغیرہ مختلف قسم کے سامان سے لدے پھندے۔

آ کر کہنے لگے کہ۔ میں خرّم بھائی کے آفس گیا تھا، وہاں سے ان کے ساتھ یہاں آنے کا ارادہ تھا، لیکن اچانک انہیں کسی ضروری کام سے جانا پڑ گیا۔ یہ سامان خرید کر انہوں نے مجھے دیا ہے کہ میں گھر پہنچا دوں۔ اور آپ کو بتا دوں کہ وہ دیر میں آئیں گے۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ جب تک میں نہ آؤں تم گھر پر ٹھہرنا۔ غالباً آپ کی تنہائی کی وجہ سے!

میں احمر کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ یہ بات میرے لئے نئی تھی کہ بھیّا دیر میں آئیں گے۔ رات تک کبھی میں اکیلی نہیں رہی تھی۔ دل میں آیا کہ میں احمر سے کہہ دوں کہ آپ چلے جائیں، میں اکیلی ٹھیک ہوں۔ لیکن اس بات پر بھیّا بھی ناراض ہوں گے اور احمر بھی بُرا مانیں گے۔ خیر۔ احمر کے بُرا ماننے کی تو پرواہ نہیں ہے۔ بھیّا کا خیال ہے۔ وہ اس دن مجھے سمجھا چکے ہیں کہ میں احمر سے اس قدر بیگانوں کا سا سلوک نہ کیا کروں۔ اور پھر روز شام کو احمر یہیں آتے ہیں۔ آج بھی آ گئے۔ اگر آج میں یہ کہہ دوں گی کہ آپ چلے جائیں

تو بہت بُری بات ہوگی۔

مگر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ۔میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتی ہوں۔ اور احمر سے مجھے کوئی ایسی اُمید ہے بھی نہیں۔

مجھے سوچ میں دیکھ کر احمر بولے :۔

" آپ کو شائد میرا اِس وقت آنا ناگوار ہُوا ہے ۔ اگر آپ کہیں اور آپ کو ڈر نہ لگے تو میں چلا جاؤں۔"

تنہائی کے خیال سے کچھ وحشت ہونے لگی۔

پھر میں نے کہا :۔

" نہیں نہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ بھیّا نے آپ کو بھیجا ہے ۔ آپ بیٹھئے یہ کچھ رسالے وغیرہ ہیں ان کو دیکھئے میں چائے کر ابھی آتی ہوں۔"

میں نے بڑی مشکل سے اس وقت اپنے آپ کو خوش اخلاق ظاہر کیا۔ حالانکہ میرا لہجہ صاف بتا رہا تھا کہ خوش مزاجی مجھے دُور سے چھُو کر نہیں گئی ہے۔

احمر آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور میں چائے بنانے کے لئے کچن میں چلی گئی۔

آج میرا جی چاہ رہا تھا کہ چائے میں دیر ہی ہوتی جائے ۔ میں جان بوجھ کر دیر لگا رہی تھی لیکن کب تک ۔ چائے بہرحال تیار ہو ہی گئی ۔ اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی چائے لے کر آ گئی۔

احمر رسالہ پڑھ رہے تھے ۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر رسالہ رکھ دیا اور مجھے گہری نظروں سے دیکھنے لگے ۔ میں نظریں نیچے کئے چائے پیالیوں میں انڈیلتی رہی ۔ میں ان کی نگاہوں سے بہت گھبرا رہی تھی۔

احمر مجھ سے مخاطب ہوئے :۔

" ایک عرصہ سے آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کبھی زبان نے ساتھ نہیں دیا اور کبھی سوچا کہ آپ بُرا نہ مان جائیں !"

میں خاموش بیٹھی رہی۔

وہ پھر مخاطب ہوئے:۔

"اگر آپ اجازت دیں تو کچھ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

میں سمجھ گئی تھی کہ یہ میرے غموں کو کریدنا چاہتے ہیں اور اس کے علاوہ ایسی کونسی بات ہو سکتی ہے جو یہ مجھ سے کہیں گے۔ لیکن میں اپنے غموں کو پھر سے تازہ نہیں کرنا چاہتی۔

میں نے انہیں جواب دیا:۔

"ہر بات کہنے کا ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے۔ لیکن جس بات سے کچھ حاصل نہ ہو اس کے کہنے سے کیا فائدہ!"

احمر بولے:۔

"میں تو فائدے کی ہی اُمید لئے ہوئے ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی" —— میں نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"اگر آپ سمجھنا چاہیں تو میں سمجھا دوں" —— وہ قدرے مسکرا کر بولے۔

احمر کی یہ باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ بھلا میرے غموں سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے —— میں نے کہا:۔

"آپ کو سب کچھ کہنے کا اختیار ہے۔ لیکن احمر صاحب، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے سننے سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور اگر ان باتوں کو نہ ہی چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔"

"بخدا میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا" احمر بولے۔

"لیکن شاید دُنیا کا کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جو مجھے خوشیاں دے سکے۔"

میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

احمر نے بہت والہانہ انداز میں کہا:۔

"میں بھی خوشیاں دینے کا دعویٰ پہلے سے تو نہیں کرتا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکے گا۔

ہاں، آپ کے غم......"

میں بات کاٹ کر بولی:۔

"خدا کے واسطے میرے غموں کو نہ کریدیئے تو بہتر ہو گا۔ ان زخموں کو تازہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ میرے غم کو معلوم کر کے آپ کو کیا حاصل ہو گا۔ نہ آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ ان غموں پر گرد کی جو تہہ جم گئی ہے اسے اسی طرح جما رہنے دیجئے۔"

احمر بہت گمبھیر لہجے میں بولے:۔

"میں آپ کا غم نہیں معلوم کرنا چاہتا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ زخم کو جتنا کریدو، وہ اتنا ہی بڑا ناسور بنتا جاتا ہے۔ پچھلے غموں کو کریدنا میں بھی بے معنی سمجھتا ہوں۔ لیکن غموں کو زندگی بھر سینے سے لگائے رکھنا بھی دانشمندی نہیں ہے۔ زندگی میں جگہ جگہ خوشیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہر انسان کو دُنیا میں خوشی حاصل کرنے کا حق ہے تو کیوں نہ پچھلے غموں کو بھول کر نئی خوشیوں کو اپنا لیا جائے۔"

میں نے اُداسی سے کہا:۔

"نہ میرے پچھلے غم ایسے ہیں جن کو بالکل ہی بھلایا جا سکے۔ وہ تو رُوح کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکے ہیں۔ اور نہ ہی بکھری ہوئی خوشیاں میری منتظر ہیں۔ میں جانتی ہوں میرے لئے اب کوئی خوشی نہ دُنیا میں ہے اور نہ شاید کبھی ہو گی۔ میں اب اپنے ان حالات پر صابر و شاکر ہوں۔ بس یہی میرے لئے بہت کچھ ہے۔"

احمر نے بہت اپنائیت سے کہا:۔

"ثمو! آج میں پہلی بار تمہیں اس بے تکلفی سے مخاطب کرنے پر معذرت چاہتا ہوں۔"

میں اُن کے ثمو کہنے پر تڑپ گئی۔ میں نے ناگواری سے اُن کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو بظاہر پرسکون تھا۔ میں اپنے آپ کو اب کسی اور سے ثمو کہلوانا ہرگز پسند نہیں کرتی تھی۔ اور ظلم یہ کہ مجھ سے معذرت بھی کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو کسی تلخ جواب دینے سے بمشکل روکا

احمر پھر مخاطب ہوئے :-

"جو گزر چکا ہے اس کو بھول جاؤ۔ حالانکہ اس کو بھلا دینا بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ اب دُنیا کی کوئی خوشی تمہارے لئے نہیں ہے۔ ایک پُرمسّرت زندگی تمہاری منتظر ہے۔ اِن خوشیوں کو گلے سے لگا لو ثمو!"

اور میں اتنی تجربہ کار ہونے کے باوجود احمر کی باتوں کا مطلب اب سمجھی۔ اس سے پہلے میرا خیال ہی اس طرف نہیں گیا تھا۔ مجھے اب اندازہ ہُوا کہ احمر مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ احمر بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

اور اب گھبراہٹ کی وجہ سے میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ میں احمر کی باتوں کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ اب صاف الفاظ سننے کی سکت نہیں تھی۔ میں اب زندگی کے اس حصے میں کوئی اِس قسم کی بات سُننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی۔

احمر پھر بولے :-

"تم اب تک مجھ سے اجنبیوں کی طرح ملتی رہیں لیکن میرے لئے تم اجنبی نہیں ہو ثمو! میں آج اقرار کرتا ہوں کہ میں اب تک تمہاری پرستش کرتا رہا ہوں۔ کبھی زبان پہ لانے کی جرأت نہ کر سکا۔ لیکن کب تک زبان پر نہ لاتا۔ اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ میں تمہارے غم بانٹ لینا چاہتا ہوں۔ تمہیں بھی دُنیا میں خوشی سے جینے کا حق ہے۔ میں تمہیں بھی خوشیوں سے ہمکنار کرنا چاہتا ہوں۔ ثمو! کیا تم اپنے دل کے کسی گوشے میں مجھے بھی جگہ دے سکو گی؟"

یہ سب باتیں جو اب تک میں دھڑکتے دل اور بڑے ضبط و تحمّل سے سُن رہی تھی اب برداشت نہ کر سکی۔ میرے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک گیا۔ اور میں دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر بے تحاشا رونے لگی۔

کچھ دیر تک احمر خاموش بیٹھے رہے اور مجھے روتا ہُوا دیکھتے رہے۔ میرے تو آنسوؤں کا سیلاب کسی طرح کم نہیں ہونے میں آتا تھا۔ میں کیسے احمر کو بتا دوں کہ میں کیا ہوں۔

میرا کوئی غم نہیں بانٹ سکتا۔ اور مجھے مرد ذات سے نفرت ہے۔ میں دُنیا کے کسی مرد کے لئے اپنے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی۔

احمر پھر بولے :۔

"غموں کو بہت مشکل سے بھلایا جاتا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ قرار آتے آتے بھی برسوں لگ جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی سہارا مل جائے ہاتھ تھامنے کے لئے تو ساحل جلدی مل جاتا ہے۔

میں دو سال تک تمہارے ہاں آتا رہا۔ کبھی حرفِ مدعا زبان پر نہیں لایا۔ غزال نے مجھ کو بتایا تھا کہ تم کو کوئی بہت شدید قسم کا صدمہ پہنچا ہے۔ جس کی وجہ سے تم پاکستان چھوڑنے پر مجبور ہوئی ہو۔ میں نے کبھی تمہارا غم معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے کہ اس سے تم کو تکلیف ہوگی۔ میں تو اس کا منتظر تھا کہ جب وقت کا مرہم تمہارے زخم کو مندمل کر دے گا، اُس وقت تم سے اپنا مدعا بیان کروں گا۔ غزال میری ہم خیال ہے۔ اس نے مجھے ہمیشہ منع کیا کہ میں کبھی تمہارے زخموں کو نہ کریدوں۔ بلکہ ان پر مرہم رکھوں۔ تم کو اپنا بنا کر تمہیں دُنیا کی خوشیوں سے روشناس کراؤں۔

میرا پہلے سے یہ دعویٰ کرنا بالکل بے بنیاد ہوگا کہ میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ لیکن تم مجھے ہمیشہ مخلص اور اپنا ہمدرد پاؤ گی۔ میں تمہارے غم اپنے دامن میں سمیٹ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اس طرح تمہاری زندگی میں دبے پاؤں خوشیاں آجائیں گی۔ اور میری زندگی میں بھی بہار آجائے گی!"

میں زار وقطار روتی رہی۔ میں کیا جواب دیتی۔ میرے پاس جواب دینے کو تھا ہی کیا مُردوں سے انتقام لینا، جو ہر وقت میرے ذہن میں رہتا تھا، وہ خیال تو آج نامعلوم کہاں سو گیا ہُوا تھا۔ اس وقت تو ایک مظلوم مرد مجھ سے فریاد کر رہا تھا۔ اور میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

میں نے بہت مشکل سے آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان کہا :۔

"مجھے بھول جایئے احمر صاحب!"

اور اپنے کمرے میں آکر بستر پر اوندھی گر گئی۔ ہچکیاں اور آنسو تو رُکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

کچھ دیر بعد پیروں کی چاپ سُنائی دی اور پھر احمر کی آواز آئی :۔

"تمہارا غم بہت شدید ہے ثمرانہ۔ زندگیوں کے فیصلے یوں چند منٹوں میں نہیں ہُوا کرتے۔ تم اچھی طرح غور کر لو۔ میں کل اپنے سوال کا جواب لینے آؤں گا۔ اِس وقت تم بہت جذباتی ہو رہی ہو.... تمہارے بیڈ روم میں بغیر اجازت آنے کی معافی چاہتا ہوں۔

میں جا رہا ہوں۔ کل آؤں گا۔ خدا حافظ!"

میں زار و قطار روتی رہی۔ ہچکیاں لیتی رہی۔ کوئی مجھے چُپ کرانے والا نہیں تھا۔ کوئی مجھے تسلّیاں دینے والا نہیں تھا۔ یہ تازیانہ ایسا پڑا کہ میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی جا رہی تھی۔ کیا میرے انتقام کی شدّت بس اتنی ہی تھی کہ ایک مرد جو مجھ سے اتنی التجائیں کر رہا تھا اس کو دو ٹوک جواب بھی سختی سے نہیں دے سکی۔ مرد سے انتقام لینے کا اس سے اچھا موقع کب آئے گا۔ ایسا نادر موقع نہیں کھونا چاہیے۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے، نفرت ہے۔ یہ سب جھُوٹے، فریبی دغا باز ہوتے ہیں۔ یہ اسی طرح لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں۔ میں اب اتنی ناسمجھ نہیں ہوں کہ ان کے پھندے میں پھنس جاؤں۔ ایک مرتبہ ناسمجھی میں زندگی کی بازی لگا کر ہار چکی ہوں۔ اب میں مرد کو ہرا کر ہی دم لونگی۔ میں بُزدل نہیں ہوں۔ میرا بس چلے تو دُنیا کے ہر مرد سے انتقام لوں۔ اور یہ تو ایک ہی مرد ہے، جیسا کسی بے وفا نے میرا دل توڑا ہے، میں بھی اس کا دِل چکنا چُور کر دوں گی۔ جس طرح میری زندگی زخموں سے چُور ہے، اُسی طرح میں بھی اس کو ایسے گھاؤ لگاؤں گی کہ یہ زندگی بھر تڑپتا ہی رہے۔

اِس سے تو میں انتقام لے لوں گی اور جس نے میرے اوپر ظلم کئے ہیں وہ بھی ایک وقت آئے گا۔ جب اپنے اعمال پر شرمندہ ہو گا۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ میرا صبر رائیگاں نہیں جائیگا جس طرح میں تڑپ رہی ہوں وہ بھی تڑپے......

میرے مرنے کے بعد جب وہ میرے فراق میں تڑپے گا اُس وقت میری رُوح کو قرار آئے گا۔ اور یہ مسٹر احمر کیا سمجھتے ہیں کہ میں ان کے محبت کے دو بول کے بدلے میں اپنی زندگی ان پر نچھاور کر دوں گی۔ ہونہہ۔ یہ ان کی بڑی بھول ہے۔ بھولی بھالی لڑکیوں کو بہلا لینا آسان ہے۔ لیکن مجھ سے اُلجھنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ آج انہوں نے میرے زخموں کو چھیڑا ہے اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ کل میں دو ٹوک ان کو اپنا فیصلہ سُنا دوں گی۔ زندگی بھر یاد تو کریں گے کہ کسی سے اظہارِ محبت کیا تھا۔

مرد اور محبت دو متضاد چیزیں ہیں۔ مرد تو کبھی سچی محبت کر ہی نہیں سکتا۔ یہ تو لڑکیوں کو پھنسانے کے حیلے ہیں۔ مرد کا سچی محبت سے کیا واسطہ۔ سب ڈھکوسلہ ہے۔ آ گئے مجھ سے محبّت جتانے۔ جیسے میں ان کی باتوں میں آ ہی تو جاؤں گی۔ وہ تو نا سمجھی تھی، جو میں ایک مرد کی محبت کو سچ سمجھ بیٹھی۔ اور اپنی زندگی اس کے قدموں میں ڈال دی۔ اب مردوں کی محبّت کا بھرم کھل چکا ہے۔ اب تو کوئی مرد میرے قدموں میں لوٹ لوٹ کر جان بھی دے دے جب بھی مجھے اس کی محبت کا یقین نہیں آئے گا۔

میں تو اپنی زندگی میں کسی مرد کو جھانکنے بھی نہیں دینا چاہتی۔ اسی لئے احمر میرے لئے آج دو سال بعد بھی اتنے ہی اجنبی ہیں جتنے پہلے دن تھے۔ کل میں فیصلہ کن گفتگو کر لوں گی خدا مجھے ہمّت دے۔

" آج میرے دل و دماغ کو دوبارہ غم سے روشناس کرانے والا بھی ایک مرد ہی ہے۔ "

روتے روتے معلوم کب سو گئی تھی۔ بھیّا نے آ کر جگایا نہیں۔ صبح ہی آنکھ کھلی، اُٹھتے ہی بھیّا نے پوچھا:۔

"کیسی طبیعت ہے۔ میں نے رات کو اس لیے نہیں جگایا تھا کہ شائد تمہاری طبیعت خراب ہے۔ تم اتنی جلدی کبھی سوئی بھی نہیں ہو!"

"میرے سر میں درد تھا" ——— میں نے جھوٹ بولا۔

اور میں بھیّا کو بتاتی بھی کیا کہ میرے اوپر کیا بیتی۔

بھیّا نے پھر پوچھا:۔

"احمر بھی رات کو جلدی ہی چلے گئے۔ کیا کھانا کھا کر نہیں گئے؟"

میں نے کہا:۔

"جی وہ جلدی ہی چلے گئے تھے۔ کھانا نہیں کھایا۔"

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے" ——— بھیّا نے کہا۔

"میری طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے۔ ——— میں نے جواب دیا۔

بھیّا کہنے لگے:۔

"تمہارا چہرہ اتر رہا ہے۔ آج تم آفس نہ جاؤ۔"

"نہیں بھیا آفس تو جاؤں گی۔ اکیلے دل گھبرائے گا۔"

بھیا بھی خاموش ہو گئے۔

آفس میں کسی نہ کسی طرح وقت گزر ہی گیا۔ گھر آکر جب آرام کرنے لیٹی تو پریشان خیالات نے گھیر لیا۔

آج احمر پھر آئیں گے۔ اور مجھ سے جواب طلب کریں گے۔ کیا میں ان کو سختی سے جواب دے سکوں گی؟ خدا مجھے اتنی ہمّت دے دے۔ ایسے موقعوں پر میری ہمّت کیوں جواب دے جاتی ہے۔ اس وقت میرے انتقام کی آگ کیوں سرد ہو جاتی ہے اس وقت میرا دل نرم کیوں ہو جاتا ہے۔ اُس وقت کیوں آنسو بہنے لگتے ہیں۔ مجھے رحم کیوں آنے لگتا ہے حالانکہ مرد ایسی چیز ہی نہیں ہے جس پر رحم کھایا جائے۔ لیکن میں اپنے کمزور دل کو کیا کروں جو کسی کی تکلیف پر، کسی کے غم پر ذرا میں پسیج جاتا ہے۔ کل اگر میں اپنی فطرت پر قابو پا لیتی تو کل ہی دو ٹوک فیصلہ کر کے ہمیشہ کے لئے اِس قصّے کو ختم کر دیتی۔

آج وہ پھر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔ آج پھر میرے زخم ہرے ہو جائیں گے۔ آج مجھے ضرور انتقام لینا ہے۔ میں بالکل صاف صاف جواب دے دوں گی۔ کسی بھی رعایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ میں کیوں کسی کو اپنے دل میں جگہ دیتی پھروں۔ میں نے تو زندگی میں ایک ہی مرد کو اپنے دل میں جگہ دی تھی۔ اس کا ہی اچھا صلہ نہ ملا۔

میرے دل میں کبھی کوئی مرد اپنی جگہ نہیں بنا سکے گا۔ اور جو اپنی پُرانی جگہ لینے آئے گا اب اس کو بھی ناکام لوٹنا پڑے گا۔ اگر میں اس وقت پابند نہ بھی ہوتی جب بھی میں آج احمر کو اسی طرح دھتکار دیتی۔ کاش میری فطرت بدل جائے اور میں ان سے سختی سے بات کر سکوں۔

مگر میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے۔ یہ کیوں اس قدر دھڑک رہا ہے۔ اس خیال سے ہی کہ احمر آج مجھ سے جواب مانگیں گے۔ میرے ہاتھ پیر کیوں ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ میرے حلق میں کانٹے سے کیوں چبھ رہے ہیں۔ میں کیسے اس امتحان سے گزروں گی۔ مجھ پر بہت مشکل وقت آن

پڑا ہے۔

میں ان ہی خیالات میں کھوئی ہوئی پریشان لیٹی تھی کہ اچانک احمر کے کھٹکھٹانے کی مخصوص آواز آئی۔

میرا دل بے تحاشہ دھڑکنے لگا۔ اُف اللہ، اب کیا کروں۔ بھیّا کے آنے میں تو ابھی کافی دیر ہے۔ میں نے جو منصوبے بنائے تھے، وہ تو مجھے سب خاک میں ملتے نظر آرہے تھے۔ مجھ میں تو اب احمر کا سامنا کرنے کی ہمّت نہیں ہے۔

میں نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پا کر دروازہ کھولا۔

احمر بغیر کچھ کہے ہوئے اندر آگئے اور اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے۔ میں تو گم سُم پتھر سی بنی کھڑی تھی، حواس قابو میں آنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بے حد تیز تھیں۔ زبان ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

آخر احمر نے سکوت توڑا۔ وہ بولے:۔

"آج آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ کل سے اب تک کا زیادہ وقت آپ نے رو کر گزارا ہے آپ کے چہرے کی رنگت پیلی ہو رہی ہے۔ پریشانی آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہے۔ اور غالباً اِس وقت خرّم بھائی کی غیر موجودگی میں میرا آنا بھی آپ کو ناگوار ہوا ہے۔"

میرے پاس ان سب باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اور اگر جواب ہوتا بھی تو بولنے کی طاقت کہاں سے لاتی۔ میں چپ چاپ کھڑی رہی۔

احمر پھر مخاطب ہوئے:۔

"آپ نے کل سے اب تک خُوب سوچ لیا ہوگا۔ اور میرا خیال ہے کہ آپ ضرور کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہوں گی۔"

میرا سر گھومنے لگا۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ اور میں بمشکل پاس پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھنے میں کامیاب ہو سکی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

احمر بولے:۔

"آپ کا صدمہ شاید بہت ہی شدید ہے جو آپ اپنے آپ کو اب تک بھی اس سے آزاد نہیں کر سکی ہیں۔ میں آپ سے آپ کی پچھلی یادیں بھلانے کو ہرگز نہیں کہوں گا۔ ہر ایک کی زندگی میں ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو وہ بھلانا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ گزشتہ زندگی کی صرف خوشگوار یادوں کو ہی ذہن میں رکھیئے۔ تلخ یادوں کو ذہن میں رکھنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ عموماً اس وقت کی باتوں کے نقوش زیادہ گہرے ہوتے ہیں جب دل محبت کی کسک سے روشناس ہوتا ہے۔ ان دنوں تو انسان بالکل ایک خوابناک سی زندگی گذارتا ہے، اور ہر شخص کی زندگی میں ایک مرتبہ ایسا مقام ضرور آتا ہے اور میرا جہاں تک اندازہ ہے آپ نے محبت میں چوٹ کھائی ہے۔ ضرور آپ نے کسی سے محبت کی ہے اور جو آپ کی محبت کی قدر نہ کر سکا...... میں اس خوش نصیب کا نام نہیں پوچھوں گا۔ اور میں نے اسی لیئے آپ کو یہ مجبور نہیں کیا کہ آپ مجھ سے محبت کریں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ اپنے دل کے کسی گوشے میں میرے لئے بھی ذرا سی جگہ پیدا کر لیجئے۔ اس سے زیادہ کی تمنا میں نہیں کروں گا۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ آپ میری وجہ سے اپنی پچھلی محبت کو دل سے نکال دیں۔ وہ تو قسمت کی بات ہے کہ کوئی آپ کے پورے دل پر قابض ہو گیا یا آپ نے خود اس کو ساری جگہ دے دی اور دوسرا دل کے ایک گوشے میں ذرا سی جگہ پانے کو بھی بے قرار ہے۔

میں آپ کو غمزدہ نہیں دیکھ سکتا۔ میں آپ کو خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے موقع دے کر تو دیکھیں۔ آپ مجھے ہمیشہ ثابت قدم پائیں گی۔ میں آپ کے غم بانٹ لوں گا۔"

میں سب کچھ خاموشی سے سنتی رہی۔ مجھے احمر کی آواز دور کہیں سے آتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی ——— احمر پھر بولے:۔

"میں آپ کا جواب سننے کے لیئے بے چین ہوں۔ میں نے یہ موضوع چھیڑ کر آپ کو بہت تکلیف دی ہے۔ لیکن میں ان سب کی تلافی کر دوں گا۔ آپ کی زبان کی ایک جنبش میری

زندگی کو بدل دے گی۔ آپ کی "ہاں" سے میری زندگی میں بہار ہی بہار آجائے گی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو دُنیا کا خوش قسمت ترین شخص سمجھوں گا۔ میں آپ کے غم اپنی جھولی میں بھر لوں گا۔ اور زمانے بھر کی خوشیاں آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔

اور آپ کی "نا" مجھے موت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میرے لئے پھر دُنیا میں کوئی کشش نہیں رہ جائے گی۔ اگر میں زندہ بھی رہا تو زندہ درگور ہو کر رہوں گا۔ میں آج بلا جھجک اعتراف کر رہا ہوں کہ میں اپنی محبت کی معراج پر پہنچ چکا ہوں۔ میں آپ کے بغیر زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

"بس کیجئے احمر صاحب بس کیجئے۔"

میں چیخ پڑی۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی میرے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ یہ اظہارِ محبت نہیں ہے، بلکہ میرے دل پر کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔

میرا سر گھوم رہا تھا۔ مجھے پسینے آ رہے تھے۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ یہی جملہ تو مجھ سے کامران نے کہا تھا کہ "میں تمہارے بغیر زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔" اور میں نے اس کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں تھما دی۔ اور جس نے مجھے بے وفائی کا داغ دیا۔ اور آج ایک اور دغاباز مرد مجھے اپنے فریب کے پھندے میں لینا چاہتا ہے۔

ایک، جو میرے بغیر زندگی کا تصوّر نہیں کر سکتا تھا جب میں نے اپنی زندگی اس کے حوالے کر دی تو اس نے مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔ اپنی پچھلی محبت کے نقوش تک دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ میں نے اس کی چاہت کو پرکھ لیا اور ایک مدّت بعد اس کی شبیہہ پھر میرے لئے ایک فریب کا جال لئے مجھے اس میں پھنسانے کے لئے کھڑی ہے۔ یہ شخص بھی میرے بغیر زندگی کا تصوّر نہیں کر سکتا۔ اس کی بھی محبت کو پرکھ لوں گی۔ دیکھوں گی، یہ میرے بغیر کیا کرے گا۔ ہونھ، کہتا ہے خودکشی کر لوں گا.....

.... مرد، اور خودکشی ؟ اور وہ بھی ایک عورت کی محبت میں ! یہ دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ مرد اتنا بہادر نہیں ہو سکتا کہ وہ دُنیا کی رنگینیاں چھوڑ کر عورت کی محبّت میں خودکشی کرلے۔ یہ تو عورتوں کی ہی شان ہے جو خودکشی بھی بلا تأمل کر لیتی ہیں اور کنارہ کش بھی بہت اطمینان سے ہو جاتی ہیں۔

یہ شخص کیا خودکشی کرے گا۔ خودکشی مجھے کر لینی چاہیئے تھی۔ لیکن میں انتقام لینے کے لئے زندہ ہوں اور ہر قدم پر ان ذلیل مُردوں سے انتقام لوں گی۔

احمر پھر بولے :۔

"آپ ذہنی طور پر بہت پریشان معلوم ہوتی ہیں۔ میری باتوں پر سکون سے غور کیجیے۔"

پھر وہ اٹھ کر گئے اور میرے لئے گلاس میں پانی لے کر آئے۔ اور مجھ سے مخاطب ہوئے :۔

"لیجئے، پانی پی لیجئے۔ آپ کا دل ٹھہر جائے گا۔"

اس شخص کے ہاتھ سے لے کر میرا پانی پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ اس طرح مجھے اپنا گرویدہ کرنا چاہ رہا ہے۔ میں پانی نہیں پیوں گی۔

لیکن میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ دل بیٹھا جا رہا ہے۔ دماغ گھوم رہا ہے۔ اگر ایک گھونٹ پانی پی لوں گی تو ذرا سکون ہو جائے گا۔ پھر اس کو اچھی طرح جواب دے سکوں گی!

اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

پانی پی کر بڑا سکون محسوس ہُوا۔ لیکن پھر بھی دل ایسا الٹ پلٹ ہو رہا تھا کہ بات کرنے کی ہمّت نہیں ہو رہی تھی۔

احمر نے پھر کہا:۔

"مجھے اس کشمکش سے نجات دیجئے۔ میں آپ کے جواب کا بے چینی سے منتظر ہوں، مجھے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ میرے خلوص پر اعتماد کیجیے۔ اور یقین کیجیے میں آپ سے آپ کی پُرانی

محبت کو بھُولنے کے لئے ہرگز نہیں کہوں گا۔ آپ کی خاموشی میرے لئے پریشان کن ہے، میرے جذبات کا اندازہ لگایئے۔ میں نے یہ چوبیس گھنٹے جس طرح گزارے ہیں۔ آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ میں آپکی زبان کی ایک جنبش کا منتظر ہوں، خدارا مجھے جواب دیجئے۔"

میں نے بمشکل اپنے خیالات کو زبان سے ادا کرنے کی کوشش کی۔ زبان ساتھ دینے سے انکار کر رہی تھی۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکی:۔

"احمر صاحب، میرا جواب آج بھی وہی ہے جو کل تھا۔ میری زندگی میں کبھی کوئی مرد داخل نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ میں کسی مرد کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ اس کو اپنی زندگی میں داخل ہونے دوں۔

میرا دماغ سُن ہوا جا رہا تھا۔ کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ دل حرکت کرنا بھُول گیا ہے۔

پھر مجھے احمر کی آواز دُور کہیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بہت ہی پُرسکون لہجے میں کہہ رہے تھے:۔

"جذبات میں نہ بہہ جایئے۔ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کیجئے۔ ہر مرد ایسا نہیں ہوتا جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ ہر مرد کے جذبات ایک دُوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ دیر کو اپنی پچھلی محبّت کو پسِ پشت ڈال کر میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

مجھ میں اب کچھ سُننے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ میں چلاّ پڑی:۔

"احمر صاحب خدا کے لئے خاموش ہو جایئے۔ مجھے کسی کے جذبات سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب ایک سے ہوتے ہیں، سب بے وفا، چالباز، فریبی ہوتے ہیں۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ میری زندگی کی پُرسکون جھیل میں پتھر پھینک کر تلاطم نہ پیدا کیجئے۔ میں آپ کے لئے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتی۔ میں آپ کو اپنی مجبُوریاں بتا کر آپ کی ہمدردیاں حاصل کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے بھُول جایئے...... مجھے بھُول جایئے!"

اور میں بہت مشکل سے وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے تک آئی اور بستر پر گر پڑی۔

احمر کی آواز دُور سے سُنائی دی ،۔

"میں نے آپ کو بہت تکلیف دی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اَب میں آپ کو کبھی تکلیف نہیں دوں گا۔ اب آپ مجھے کبھی نہیں دیکھیں گی ..... میں جا رہا ہوں کبھی نہ آنے کے لئے .... خدا حافظ !

ایک طویل نیند کے بعد جب میں جاگی تو اپنے آپ کو نئی جگہ پایا۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پہچاننے کی کوشش کی کہ میں کہاں ہوں، مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میں اُٹھ کر بیٹھنے لگی تو ایک نرس جلدی سے میرے پاس آئی اور بہت پیار سے لہجے میں انگریزی میں بولی:۔

"اُٹھنے کی کوشش نہ کیجیے، آرام کیجیے۔"

اس کے چہرے پر میں خوشی کی چمک دمک محسوس کر رہی تھی۔ وہ مجھے لٹا کر جلدی سے باہر چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد کئی نرسیں اور ڈاکٹر کمرے میں جمع ہو گئے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا:۔

"میں کہاں ہوں؟"

اُن لوگوں نے جواب دیا:۔

"آپ ابھی آرام کیجیے۔ آپ اسپتال میں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس وقت ٹھیک ہیں آپ تین روز بے ہوش رہنے کے بعد آج ہوش میں آئی ہیں۔ آپ کو کوئی شدید صدمہ پہنچا تھا۔ ہم آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہماری ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ ہم آپ کے بھائی سے شرمندہ تھے کہ ہم آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ ان کی حالت پاگلوں جیسی تھی وہ

بار بار ہمیں جھنجھوڑ کر کہتے تھے کہ میری بہن کو بچالو۔ لیکن ہم سارے علاج کر چکے تھے۔ آپ کے بھائی ایک سیکنڈ کو بھی یہاں سے نہیں ہٹتے تھے۔ اس وقت بہت مشکل سے ہم نے انہیں دُوسرے کمرے میں آرام کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ وہ ابھی آرہے ہیں۔

اور مجھے تعجّب ہو رہا تھا کہ مجھے یہ کیا ہو گیا تھا۔ لیکن اب مجھے سب کچھ یاد آرہا تھا۔

احمر......

میں نے سر کو جھٹکا دیا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا :۔

”آپ دماغ پر بالکل زور نہ دیجئے۔ کچھ سوچنے کی کوشش نہ کیجئے۔ سب کچھ بھول جائیے۔“

بھیّا کمرے میں داخل ہوئے اور مجھ سے لپٹ کر بچوں کی طرح بے تحاشہ رُونے لگے وہ بار بار کہتے تھے، ”ثمو تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ کیا تم ٹھیک ہو۔ کیا واقعی میں تمہیں ٹھیک دیکھ رہا ہوں ؟“

ڈاکٹروں نے انہیں الگ کیا۔ ایک ڈاکٹر انہیں سمجھا رہا تھا :۔

”مسٹر خرّم ! اپنے آپ کو سنبھالئے۔ خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ کی بہن بچ گئیں۔ اب ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کیجئے جس سے یہ پریشان ہوں۔“

اور میں حیران پریشان بیٹھی سب کے مُنہ دیکھ رہی تھی۔

میں چند روز میں صحت یاب ہو کر گھر آ گئی۔ دماغ بڑا کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ہر وقت نیند آتی رہتی تھی۔ اگر کچھ سوچنے کی کوشش کرتی تھی تو دماغ میں سوئیاں سی چبھنے لگتی تھیں۔

مجھے بڑا تعجب تھا کہ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی کم ہمتی اور بزدلی پر بہت افسوس تھا۔ بھیّا سے مجھے شرمندگی تھی کہ وہ کیا سوچتے ہوں گے۔ احمر بھی ان دنوں نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں خود یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ مجھے کیسے اور کیا ہو گیا تھا۔ لیکن بھیّا سے اس موضوع کو چھیڑتے ہوئے شرم آتی تھی۔ ڈر یہ تھا کہ کہیں احمر نے بھیّا کو کچھ بتا نہ دیا ہو۔

بھیّا ان دنوں بہت چپ چپ پریشان سے رہتے تھے۔ ان کی پریشانی کی وجہ میں ہی تھی۔ میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ دوائیں وغیرہ وقت پر دینا۔ پھل اور دودھ اصرار کر کے کھلانا سارا کام خود کرتے تھے۔ مجھ کو اٹھنے بھی نہیں دیتے تھے۔ دو چار روز تو وہ گھر پر رہے پھر جب آفس جاتے تو مجھے آرام کی تاکید کر کے جاتے تھے۔ میں ان کے جانے کے بعد بڑی تنہائی محسوس کرتی۔ لیکن پورا وقت سونے میں گزر جاتا تھا۔ کمزوری اتنی تھی کہ اٹھا بھی نہیں جاتا تھا ...... یہ مجھے کیا ہو گیا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

احمر کی باتیں اکثر ذہن میں گونجتیں۔ اور اب میں انتقام لے کر بہت مطمئن تھی۔ مجھے

احمر کے یہاں نہ آنے کا بالکل غم نہیں تھا، بلکہ ان کے نہ آنے سے میں بہت خوش تھی لیکن مجھے یہ فکر تھی کہ کہیں احمر نے یہ باتیں بھیّا کو نہ بتا دی ہوں۔

بھیّا دفتر سے آنے کے بعد مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے میرا دل بہلاتے رہتے تھے۔ ریکارڈ سنتے، کبھی وہ کوئی کتاب پڑھ کر مجھ کو سُناتے تھے۔ اب میں بھی کافی بہتر ہو گئی تھی۔ کمزوری نسبتاً کم ہو گئی تھی۔

ایک دن بھیّا نے خود ہی اس موضوع کو چھیڑا۔ وہ کہنے لگے :۔

"ثمو! تمہیں اچانک کیا ہو گیا تھا؟"

میں نے کہا :۔

"بھیّا، مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ میں تو اپنی اس حالت پر بڑی شرمندہ ہوں۔"

بھیّا محبّت سے بولے :۔

"پگلی! اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔"

پھر بھیّا کہنے لگے :۔

"ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ تمہیں کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔ اب تک تمہاری طبیعت اس قابل نہیں تھی جو میں یہ ذکر چھیڑتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا صدمہ پہنچا ہے۔"

میں نے اُداسی سے کہا :۔

"نہیں بھیّا۔ مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے۔ میں تو اب بڑی مطمئن اور خوش ہوں!"

بھیّا پھر بولے :۔

"خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ یہ دن میرے اتنی پریشانی میں گزرے ہیں کہ کیا بتاؤں میری تو عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کیا کروں۔ پردیس میں یہ وقت کتنا سخت تھا۔ اب تک تو مجھے اور تمہیں ایک دوسرے کا سہارا رہتا تھا۔ جب تمہاری بھی یہ حالت ہو گئی۔ میرے تو حواس ہی بالکل ختم ہو گئے تھے۔ اگر تم ایک آدھ دن اور ٹھیک نہ ہوتیں تو شاید میں پاگل ہو جاتا۔ اور پاگل ہونے

میں کسر ہی کیا رہ گئی تھی۔ ایسے میں اپنوں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔

دفتر سے آکر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب کچھ دیر تک دروازہ نہ کھلا تو میں نے سوچا کہ تم شاید سو رہی ہو۔ میرے پاس کمرہ باہر سے کھولنے کے لئے دُوسری چابی رہتی ہی ہے وہ میں اس لئے رکھتا ہوں کہ اگر کبھی تم آرام کر رہی ہو تو دروازہ کھولنے کی تمہیں تکلیف نہ کرنی پڑے۔ میں نے اندر آکر دیکھا تو تم بستر پر اوندھی پڑی ہو۔ پہلے تو میں سمجھا کہ تم سو رہی ہو، کچھ دیر نہیں جگایا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ تم شاید روئی ہو گی اور روتے روتے سو گئی ہو ایسی بے طرح تو تم کبھی نہیں لیٹتی تھیں۔ میں نے تمہیں جگایا۔ جب تم نہیں جاگیں تو میں نے تمہیں سیدھا کیا۔ تمہارا رنگ نیلا ہو رہا تھا۔ ہاتھ پیر اکڑے ہوئے اور ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ برابر کے فلیٹوں میں بھی کوئی نہیں تھا۔

ڈاکٹر کو فون کر کے بُلایا۔ میرا خیال تھا کہ احمر آجائیں گے۔ لیکن احمر بھی نہیں آئے ڈاکٹر نے تم کو کئی انجیکشن دیئے۔ لیکن تم پر ذرا بھی اثر نہ ہُوا۔ پھر اس نے کہا کہ فوراً تم کو اسپتال لے جاؤں۔ تین روز تک تمہاری حالت ایسی رہی کہ بچنے کی امید نہیں تھی۔ میں تو دیواروں سے سر پھوڑ رہا تھا۔

اُف ثمو! نہ پوچھو کہ میرے اوپر کیا قیامت گزر گئی۔"

میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ بھیّا کی اس پریشانی کی ذمہ دار میں تھی۔

پھر میں نے کہا۔

"واقعی اس وقت آپ کو اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔ ایسے ہی موقعوں پر اپنوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

بھیّا بولے :۔ "اب تک تو بڑی اچھی طرح دن گزرے۔ مگر اس وقت اپنوں

کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ اگر کوئی بھی اپنا یہاں ہوتا تو مجھ کو اتنا پریشان نہ ہونا پڑتا۔ احمر سے بڑی ڈھارس تھی لیکن وہ نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے۔ جس دن سے تمہاری طبیعت خراب ہوئی ہے اُس دن سے وہ نظر ہی نہیں آئے۔ کئی دن تک تو مجھے ہوش ہی نہیں رہا کہ میں احمر کے پاس جاتا یا کسی طرح ان کو پیغام بھیجتا۔ جب تم ہوش میں آگئیں اور خطرے سے باہر ہو گئیں، اُس وقت مجھے احمر کا خیال آیا۔ پہلے فون کرتا رہا۔ اس سے کچھ نہیں معلوم ہوا۔ پھر میں اُن کے گھر گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کئی روز ہوئے احمر یہاں سے جا چکے ہیں اور ان کے کمرے میں کوئی اور آ گیا ہے۔ جہاں جہاں ان کے ہونے کی امید تھی، ہر جگہ گیا لیکن کہیں سے پتہ نہیں چلا۔ آج بھی گیا تھا۔ اور آج آخری امید بھی منقطع ہو گئی۔ نہ معلوم کہاں لاپتہ ہو گیا۔ بغیر کچھ کہے سُنے۔ عجیب شخص ہے۔"

میں احمر کا ذکر نہیں سُننا چاہتی تھی۔ میں نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

"بھیّا، میں اتنے دن سے آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ بھابھی لے آئیے، لیکن آپ ٹال دیتے ہیں۔ اگر اس وقت بھابی ہوتیں تو یہ وقت اتنا کٹھن نہ ہوتا۔ امّی جان کی خواہش کا بھی احترام کیجیے۔ آپ کو پاکستان گئے ہوئے بھی کافی دن ہو گئے ہیں۔ امی ابو زیادہ دن آپ کو بغیر دیکھے نہیں رہ سکتے۔ اب کے آپ جائیے تو چاند سی دُلہن لے آئیے۔ کچھ دن امّی ابو کے پاس بھی رہ لیجیے گا۔ میں تو اب اکیلے رہنے کی کافی عادی ہو گئی ہوں۔ میری فکر نہ کیجیے۔ پھر بھابی آ جائیں گی تو میری تنہائیاں بھی دُور ہو جائیں گی۔"

بھیّا بولے :۔

"ثمو! تمہارا کہنا بجا سہی، لیکن میں سوچتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے۔"

میں نے کہا :۔

"بھیّا! میں اتنی چھوٹی تو نہیں ہوں۔ وہ بے چاری مجھے کیا تکلیف دے گی۔ آپ

اب تک اپنی ساری خوشیاں مجھ پر قربان کرتے چلے آرہے ہیں۔ بھیّا۔ اب میری یہ خوشی بھی پوری کر دیجیئے۔ مجھے بھی ایک پیاری سی بھابی کی آرزو ہے۔"

میں نے پھر ٹھنڈی سانس لے کر کہا:۔

"بھیّا! آپ کو کیا معلوم کہ بہنوں کو بھاوج کا کتنا ارمان ہوتا ہے۔"

بھیّا بولے:۔

"اچھا دیکھو، سوچوں گا۔ اِس مرتبہ تم بھی میرے ساتھ پاکستان چلنا۔ تمہارے بغیر میں نہیں جاؤں گا۔"

میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا:۔

"اب میرا پاکستان سے کیا ناطہ۔ میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔ جو کچھ میں بھلا چکی ہوں اب ان یادوں کو تازہ کرنے سے کیا فائدہ۔ امّی ابو کے لئے دل بیقرار ہے۔ اِس مرتبہ انکو اپنے ساتھ لے آیئے گا۔ وہ مستقل یہاں نہیں رہنا چاہتے۔ لیکن کچھ دن کے لئے آجائیں۔ زندگی میں ایک بار انہیں دیکھ لوں۔

بھیّا بولے:۔

"ثمو! اپنے دماغ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔"

اور پھر بھیّا نے موضوع بدل دیا:۔

"اب تو تمہاری طبیعت ماشاء اللہ بہتر ہے۔ بہت دنوں سے کوئی پکچر نہیں دیکھی، کل پکچر دیکھیں گے۔"

اور پھر .... ایک عرصہ گزر گیا .... ایک مدّت گزر گئی .....

اب میں تنہا نہیں ہوں .... ایک پیاری سی بھابی میری ہمدرد اور غمگسار ہیں۔ میری ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جانے والی بھابی اب مجھے کسی وقت اُداس نہیں ہونے دیتیں۔ ان کے پیارے پیارے بچے میرا ہر وقت دل بہلاتے رہتے ہیں۔ صباحت ملاحت تو مدّتیں ہوئیں اپنے اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں۔ امّی ابّو کا لندن میں دل نہیں لگتا۔ کبھی تھوڑے دن کو آجاتے ہیں۔ اب ضعیفی میں ان کا آنا مشکل ہے۔ بھابی اکثر ان کے پاس جا کر ان کی خدمت کرنے کے لئے رہتی ہیں۔

پاکستان میرے لئے اب ایسا ہو چکا ہے، جیسے کبھی اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا کبھی کبھی اپنی پرانی محبتوں کے کھنڈر اب بھی یاد آجاتے ہیں۔ کامران کو میں نے بالکل بھلا دیا ہے۔ میں اس بے وفا کا نام بھی زبان پر نہیں لانا پسند کرتی۔ اگر کبھی خیال آتا بھی ہے تو جھٹک دیتی ہوں۔ میں نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ میرے پیارے بچے اب بڑے ہو گئے ہوں گے۔ وہ اپنی امّی کو بھول گئے ہوں گے اگر کبھی ان کو خیال آتا بھی ہوگا۔ تو بے چارے کیا میرے متعلق سوچتے ہوں گے۔ بچوں کو دیکھنے کے لئے بہت دل تڑپتا ہے۔ لیکن جب سینے پر پتھر کی سِل رکھ کر اتنا عرصہ گزار لیا

ہے تو اب آخیر وقت میں یہ کمزوری نہیں دکھاؤں گی۔ زندگی کے یہ آخری لمحے بھی اسی سکون سے گزار دوں گی۔ اب تو شاید زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہو گی۔ سر میں چاندی کے تار چمکنے لگے ہیں۔ صحت جواب دیتی جا رہی ہے۔ خدا میرے بھیّا بھابی کو سلامت رکھے اور وہ خوش و خرّم رہیں۔ انہوں نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ میرے بہت غم بانٹے ہیں۔ مردوں سے مجھے اب بھی شدید نفرت ہے۔ ہمیشہ ہر مرد کو اب بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں کبھی کبھار احمر کا بھولا بھٹکا خیال بھی دل میں آ جاتا ہے۔ ان کا کوئی پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ کہاں گئے۔ نہ کبھی غزالہ ہی ملی۔ بھیّا نے تو بہت کوشش کی۔ لیکن دُنیا کے اس وسیع سمندر میں کسی کو ڈھونڈ لینا آسان نہیں ہے۔

بُری یا بھلی زندگی گزر ہی گئی۔ شکر ہے کہ محبّت سے شکست نہیں کھائی۔ اس بے وفا کے قدموں میں جھکنا نہیں پڑا۔ گو کہ اس سے انتقام نہیں لے سکی۔ لیکن مجھے خدا کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ میرے صبر کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ وہ میری قبر پر آنسو بہانے ضرور آئے گا۔ اور اس وقت میری بے قرار روح کو قرار آ جائے گا۔ اس کی بے قراری دیکھ دیکھ کر میری روح مسکرائے گی۔

آج میں فخر سے کہہ سکتی ہوں کہ میں فاتح ہوں —— میں فاتح ہوں!

لندن روانگی سے قبل جو خط ثمرآنہ نے کامرآن کو لکھا تھا اور اس میں اس نے ان کو آخری مرتبہ دیکھنے کی تمنّا کا اظہار کیا تھا وہ ان کو مل تو گیا تھا۔ لیکن اس کو وہ صرف دھمکی سمجھے۔ انہوں نے یہی سوچا کہ وہ کمزور سی لڑکی اتنا بڑا قدم ہرگز نہیں اٹھا سکتی۔ انہوں نے اپنے دل کو مطمئن کر لیا۔ اور دُنیا کی بے شمار رنگینیوں میں کھو گئے۔ جہاں ثمرآنہ جیسی جذباتی لڑکی کے خیال کا بھی گزر نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ اپنی ان ہی رنگینیوں میں گم تھے۔ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ ثمرآنہ نے صحیح لکھا تھا یا غلط۔ وہ کہاں ہے؟ بچے کہاں ہیں؟ انہیں کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔

کچھ وقت ایسے ہی گزر گیا۔

کامرآن اپنے خوابوں سے اُس وقت چونکے جب ان کو اپنی والدہ اور والد کا خط ملا۔ اس وقت وہ حقیقت کی دُنیا میں آئے۔

ثمرآنہ کے لندن پہنچنے کی اطلاع اور کامرآن کے بُرے سلوک کا حال جب ان کو معلوم ہوا تو ایسا لگا، جیسے آسمان ان کے اوپر پھٹ پڑا ہو۔ اِن حالات کا تو انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کامرآن کی اس نالائقی پر بہت رنجیدہ اور ناراض تھے۔ انہوں

نے کامرآن کو لکھا:۔

"ثمرآنہ جیسی معصوم اور بھولی بھالی لڑکی پر ظلم کرکے تم نے اچھا نہیں کیا وہ بے زبان تمہارا ہر ظلم سہتی رہی اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔ اُس نے اپنی صحت کو گھن لگا دیا۔ اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اپنی شخصیّت کو کچل دیا۔ لیکن کبھی کسی سے شکایت نہیں کی۔ تم نے ہمیں عمرآنہ بیگم اور نعمان بھائی کے سامنے شرمندہ کیا۔ ہم ان لوگوں کو اور اپنی پیاری ثمرآنہ کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ ثمرآنہ نے تم سے انتقام لینے کے لئے بہت اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اس نے بجائے شکایت کرنے کے تمہارے راستے سے ہٹ جانا بہتر سمجھا اور جب تم اس کی کمی کو محسوس کروگے اور اس کے لئے تڑپوگے۔ اُس وقت ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔ ہم نے تمہارے لئے ایک ہیرے کا انتخاب کیا تھا جس کی تم قدر نہ کرسکے اور اس کو پتھر سمجھ کر پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو۔ ہیرا کھو دینے کے بعد اس کو کھو دینے کا غم انسان کو ہمیشہ بے قرار رکھتا ہے۔

تم نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ ہم دُنیا میں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اور آج سے ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تم ہمارے لئے مرچکے ہو۔ اور تم بھی سمجھ لو کہ تمہارے ماں باپ تمہارے لئے مرچکے ہیں۔

ثمرآنہ کے لندن پہنچنے کی اطلاع اور مفصّل حالات خرّم کے خط سے معلوم ہوئے ہیں۔ اب ان لوگوں کے دل میں ہم لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور ہو بھی کیسے۔ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں جو ہم خرّم کو جواب دے سکیں۔ ہمارے بہن بہنوئی اور ان کی اولاد ہمیشہ کے لئے ہم سے چھوٹ گئی اور اس کے ذمہ دار صرف تم ہو۔ تم نے ہمیں اس بڑھاپے میں جو صدمہ دیا ہے اس کا صلہ تمہیں ضرور ملے گا اور یاد رکھنا، ثمرآنہ کا صبر بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔

اپنے بچوں کو بھول جاؤ، وہ ہمارے پاس ہیں۔ جب ان کی ماں نے تمہاری زیادتیوں کی وجہ سے چھوڑا ہے اور وہ جدائی کی تکلیف اٹھائے گی، تو اب تم کو بھی ساری عمر اپنے بچوں کی صورت دیکھنے کے لئے ترسنا پڑے گا۔ تم ثمرآنہ کے ساتھ آکر ہی اس گھر میں قدم رکھ سکتے ہو، ورنہ نہیں۔"

خط پڑھ کر کامران گھبرائے تو بہت۔ لیکن کر کیا سکتے تھے۔ اب ان کو یقین کرنا ہی پڑا کہ وہ کمزور سی لڑکی اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔ ایک لمحے کو ان کے ذہن میں خیال آیا کہ میں نے اس کے خط پر یقین کیوں نہ کیا۔ میں اسے روک لیتا۔ اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے سوچا۔ اُونہہ! مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کو روکتا۔ وہ تو میری تفریحوں میں رکاوٹ تھی اس کا خاموش احتجاج بھی بعض مرتبہ مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس کی سوگوار صورت سامنے رہتی تھی۔ مجھے تو ہنستے کھلکھلاتے چہرے پسند ہیں۔ مجھے یہ اُداسیاں بالکل پسند نہیں، اچھا ہوا چلی گئی ۔۔۔ تو نہیں اور سہی ۔۔ مجھے دوبارہ شادی کر کے اپنے گلے میں پھندا ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے کیا دُنیا میں تفریحیں کم ہیں۔ اب اطمینان سے اچھی زندگی گزرے گی۔

اب وہ اپنی تفریحوں میں پہلے سے زیادہ گم ہو گئے تھے۔ حالانکہ انہوں نے کبھی ثمرآنہ کی پرواہ نہیں کی تھی۔ جو انہیں کرنا ہوتا تھا وہ کرتے تھے۔ خواہ وہ بسورتی رہے، روتی رہے یا ہنستی رہے، ان کی بلا سے۔ بعض مرتبہ وہ اس کو یقین دلاتے تھے کہ وہ بہت مصروف ہیں اور دفتر کے کام سے باہر جا رہے ہیں۔ ثمرآنہ کو تو خوب اچھی طرح معلوم ہوتا تھا کہ یہ کونسا دفتر کا کام ہے۔ ان کو اس جھوٹ بولنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن وہ چاہتے تھے کہ ثمرآنہ ان کی سب باتوں پر یقین کرے۔ اور وہ باہر کی تفریحوں میں حق بجانب ہیں۔ ثمرآنہ کو معلوم سب رہتا تھا۔ لیکن کبھی اس نے شکایت نہیں کی۔ وہ تفریح کے لئے باہر رہیں یا دفتر کے کام کے لئے۔ اس کے لئے تو بہرحال نہیں تھے۔

اور کامران جب اکثر اپنی مصروفیت کا لمبا سا بہانہ تراش کر جاتے تو بڑے مطمئن

اور خوش رہتے تھے۔ کہ ثمرآنہ یہ سمجھ رہی ہوگی کہ میں بہت کام میں مصروف ہوں...... خیر اب اچھا ہے۔ اب نہ بہانے بنانے کی ضرورت ہے اور نہ کبھی دیر سے آنے میں شرمندگی محسوس ہوگی۔ شرمندگی تو محسوس ہوتی ہی تھی۔ کیونکہ دل میں وہ خوب سمجھتے تھے کہ وہ اس پر زیادتی کر رہے ہیں۔ لیکن وہ باہر کی تفریحیں نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ثمرآنہ بدستور یہ سمجھتی رہے کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور مجبوراً دفتر کے کاموں کی وجہ سے انہیں باہر رہنا پڑتا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ ثمرآنہ اب ان کی محبت سے خوب واقف ہو گئی تھی۔

کئی دن تو بڑے اچھے گزرے۔ لیکن اس کے بعد اکثر ایسا ہوتا جب رات گئے گھر آتے تو برابر کا بستر خالی دیکھ کر دھکّا سا لگتا۔ انہیں اس وقت ثمرآنہ کی منتظر نظریں یاد آجاتیں انہیں یہ اچھا لگتا تھا کہ کوئی ان کا انتظار کرے۔ اب کسی کی منتظر نگاہیں ان کا استقبال نہ کرتیں صبح کو ناشتے میں کوئی ان کا ساتھ نہ دیتا۔ جب وہ ناشتہ کرتے اس وقت انہیں وہ خاموش خاموش غمگین ثمرآنہ یاد آتی جو چپ چاپ بیٹھ کر ان کے ساتھ ناشتہ کرتی تھی۔ اور بچوں کے تو وجود سے ہی وہ ناآشنا تھے۔

یہ باتیں ایسی تھیں جو انہوں نے پرائے نام محسوس کیں اور ان سے بچنے کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ صبح کا ناشتہ بھی گھر پر کرنا چھوڑ دیا۔ رات گئے آکر سو جاتے۔ اور صبح اُٹھ کر تیار ہو کر چلے جاتے۔ وہ بالکل نہیں چاہتے تھے کہ ثمرآنہ کی کوئی بھی یاد ان کے ذہن میں آئے۔ اتنا پُرانا ساتھ تھا، مگر انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ پرانے ساتھ کو یوں کلیجے سے لگا کر رکھیں۔

ایک دن وہ صبح کو تیار ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی الماری کھولی تو ایک نوٹ بک نیچے گری۔ انہوں نے اس کو اپنی نوٹ بک سمجھ کر اُٹھایا اور بے خیالی میں کھولا سامنے ہی صفحے پر نظر گئی۔ ثمرآنہ کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا۔

ہم جیسے برباد دلوں کا جینا کیا، مرنا کیا
آج تری محفل سے اُٹھے کل دُنیا سے اُٹھ جائینگے

انہوں نے دُوسرا صفحہ پلٹا۔ اس پر لکھا تھا

اے حاصلِ خلوص بتا کیا جواب دُوں
دُنیا یہ پوچھتی ہے، میں کیوں اُداس ہوں

اِن دونوں اشعار نے ان کے دماغ پر تازیانے کا کام دیا۔ وہ یہ بیکار باتیں نہیں سوچنا چاہتے تھے لیکن بے خیالی میں ثمرآنہ کی یادوں سے واسطہ پڑ ہی جاتا تھا۔

انہوں نے گھبرا کر نوٹ بک الماری میں پھینک دی اور ویسی ہی دُوسری نوٹ بک اُٹھا کر جیب میں رکھ لی۔

ان کو یاد آیا کہ اپنی جیسی نوٹ بک انہوں نے ایک ثمرآنہ کو بھی دی تھی، اور یہ ثمرآنہ ان کی الماری میں رکھ کر چھوڑ گئی تھی۔

ان خیالات سے چھٹکارا پانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان دونوں اشعار نے دن بھر ان کے دماغ کو پریشان رکھا۔

ایک دفعہ کامرآن بیمار ہو گئے۔ اور مجبوراً انہیں گھر پر لیٹنا پڑا۔ اس وقت انہیں اپنا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گھر میں رہنے کے تو وہ ویسے ہی عادی نہیں تھے، اور اب تنہا، اور بیمار تھے۔ اس وقت انہیں ثمرآنہ کی خدمت گزاریاں یاد آئیں۔ معمولی سی طبیعت خراب ہونے پر کس قدر بے چین ہو جاتی تھی اور اسی طرح خاموش غمگین سی پھرا کرتی تھی۔

آج کامرآن سوچ رہے تھے کہ واقعی میں نے ثمرآنہ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ آج مجھے اس کی خدمتیں یاد آ رہی ہیں۔ آج مجھے رہ رہ کر اس کا اُداس چہرہ یاد آ رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یار دوست بیماری میں خدمت کرنے تو نہیں آئیں گے، خدمت تو وہی کرتی تھی۔ لیکن میرے دوست بھی بڑے مخلص ہیں، وہ ضرور میرا دل بہلانے آئیں گے۔

صبح سے شام ہوئی، شام سے رات۔ مگر کوئی بھی ان کو پوچھنے نہیں آیا۔ اور وہ شدید تکلیف میں نوکروں کے رحم وکرم پر پڑے رہے۔ ماں باپ چھوٹ چکے تھے جو ان کا ہی سہارا ہوتا۔ انہوں نے پھر اپنے دل کو تسکین دی کہ آج دوستوں کو شائد کوئی کام کرنا پڑ گیا ہو گا۔ کل ضرور آئیں گے۔

لیکن اسی طرح کئی روز گزر گئے۔ اور کوئی جھوٹے مُنہ بھی ان کو پوچھنے نہ آیا۔ آخر چوتھے روز انہوں نے اپنے نوکر سے کہلوایا کہ میں بیمار ہوں۔ مجھے کوئی دیکھنے بھی نہیں آیا۔ تو انہیں اپنے دوستوں کی طرف سے جواب ملا۔ کہ:۔

"بھئی ہم تو قہقہوں کے ساتھی ہیں، ہم تمہاری بیماری میں آکر کیا کریں گے!"

جب انہیں احساس ہُوا کہ اپنے اور پرائے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس وقت انہوں نے سوچا کہ:۔

میں نے ان دوستوں کی وجہ سے اپنی بیوی کے ساتھ زیادتیاں کیں اور آج مجھے ان کی طرف سے ایسا جواب مل رہا ہے۔ واقعی ثمر آنہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ "آپ کو دوستوں کا بہت خیال ہے۔ زندگی کے ساتھی کا نہیں۔ اور اگر زندگی کا ساتھی ساتھ چھوڑ دے تو....." واقعی آج مجھے احساس ہُوا کہ میں نے بڑی غلط روش اختیار کی تھی۔ میں ٹھیک ہو جاؤں تو سب دوستوں کو چھوڑ دوں گا اور اپنی ثمر آنہ کو منا لاؤں گا۔ وہ تو میری زندگی ہے۔ میں نے واقعی اس کو بہت تکلیفیں دی ہیں۔

مگر صحت یاب ہونے کے بعد پھر وہی باہر کی محفلیں یاد آنے لگیں۔ اور ثمر آنہ کا خیال دل سے نکل گیا۔ اب پھر دن رات ان ہی دوستوں کے ساتھ گزرتے تھے۔ جنہوں نے بیماری میں ساتھ نہیں دیا تھا۔ مگر یہ سب باتیں سوچنے کی کامران کو فرصت نہیں تھی۔ اُن کے لئے تو دُنیا بڑی حسین تھی۔

زندگی کا ایک طویل حصّہ یوں ہی گزر گیا۔ دُنیا میں رنگینیاں اور دلچسپیاں تو بہت تھیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ثمر آنہ کے خیال سے آزاد نہ کر سکے۔ ساری زندگی وہ اس کی یاد سے بیقرار رہے۔ ان کی زندگی بھی چین سے نہیں گزری۔ ہر ہر قدم پر اس کی ایک ایک بات یاد آتی تھی۔ لیکن وہ ان باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہتے تھے۔ اور اس قسم کے بیکار خیالات ذہن سے نکال کر وہ پھر دُنیا کی دلچسپیوں

میں گم ہو جاتے تھے۔ ان کی ساری زندگی بظاہر تو قہقہوں سے پُر تھی، لیکن زندگی کے کسی بھی حصّے میں ان کا دل اس کسک سے خالی نہ ہو سکا جو ثمرآنہ کی دی ہوئی تھی۔

جب وہ عمر کے اس حصّے میں پہنچے کہ سر میں چاندی کے تار چمکنے لگے، مزاج میں وہ شوخی نہ رہی، وہ بات بات پر قہقہے لگانا نہ یاد رہا۔ اس وقت رفتہ رفتہ دوست بھی ساتھ چھوڑ گئے۔

اور پھر انہوں نے محسوس کیا کہ وہ تو اس وقت دُنیا میں بالکل تنہا ہیں۔ نہ وہ محفلیں ہیں، نہ وہ رنگینیاں ہیں، نہ وہ قہقہے ہیں، نہ وہ دوستوں کے ساتھ تفریحیں ہیں نہ پکنکیں ہیں، نہ کوئی دوست ہے نہ غمگسار۔ ماں باپ نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اولاد کی صورت دیکھنے کو ترس رہے ہیں لیکن ماں باپ سے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ زندگی کے ساتھی نے ساتھ چھوڑ دیا تو سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اگر ثمرآنہ کا ساتھ نہ چھوٹتا تو ماں باپ بہنیں اور اولاد بھی نہ چھوٹتی۔ اور یار دوست تو صرف قہقہوں کے ساتھی تھے۔

اُف ــــ میں کتنا بدقسمت ہوں۔ میں کتنا تنہا ہوں۔ اب انہیں اپنے ماں باپ کا کہا ہوا ایک ایک جملہ یاد آ رہا تھا ــــ "تم بچوں کی صورت کو ترسو گے" ــــ ہم نے تمہیں ایک ہیرا دیا تھا جس کی تم نے قدر نہیں کی" ــــ واقعی ایک ایک بات صحیح ہو رہی ہے۔ میں نے ہیرے کی قدر نہیں کی اور اب پچھتا رہا ہوں۔ میں نے ثمرآنہ کو بہت تکلیفیں دی ہیں۔ اس نے ساری زندگی کس کرب میں گزاری ہے۔ میری زیادتیوں پر زبان سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ لیکن کس قدر غمگین رہتی تھی۔ پھر اس کا وہ آخری خط ــــ وہ حسبِ حال اشعار سے بھری ہوئی نوٹ بک ــــ وہ اس کے معنی خیز خط اور تحفے جو مجھے دفتر کے پتے پر ملا کرتے تھے۔ اور جن کو جان بوجھ کر میں نظر انداز کر دیتا تھا۔ یہ سب لطافتیں زندگی سے نکل جانے کے بعد تو زندگی بالکل کھوکھلی ہو کر رہ گئی تھی۔

اُس نے مجھے کتنے پیارے پیارے انداز سے اپنی طرف پلٹنے کے لئے توجہ دلائی۔ لیکن میری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا تھا کہ میں نے اس کی قدر نہیں کی۔ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان

بنا رہا۔ اُف میں نے زندگی کا سب سے اچھا دَور اس کو تکلیفوں میں رکھ کر گزار دیا۔ لندن میں وہ نعلوم کس طرح رہی ہو گی۔ اس نے کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائی ہوں گی۔ سُنا تھا کہ سروس کر رہی ہے۔ وہ بیچاری نازک سی کومل سی لڑکی سروس کرنے کے قابل کہاں تھی۔

میں نے اس پر بہت ظلم کئے ہیں۔ اب میں اپنے سب ظلموں کی تلافی کر دوں گا۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔ وہ مجھے ٹھوکریں بھی لگائے گی تو میں پرواہ نہیں کروں گا۔ میں اس کے قدموں میں لیٹا ہُوا ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ جب تک وہ معاف نہیں کرے گی میں اس کے قدموں میں سے نہیں اٹھوں گا۔ اگر وہ معاف نہیں کرے گی تو میں وہیں جان دے دوں گا۔

میں اس کو ساتھ لے کر ہی اپنے ماں باپ کو مُنہ دکھاؤں گا اور اپنی اولاد کی صورت دیکھوں گا اگر وہ ساتھ نہ آئی تو میں خود اپنے آپ کو سزا دوں گا۔

اے خدا تو میری زیادتیوں کو معاف کر دے۔ اگر ثمرآنہ نے مجھے معاف کر دیا تو خدا بھی ضرور مجھے معاف کر دے گا۔

اب میں جلد از جلد اپنی ثمرآنہ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اب بقیہ زندگی اس کے قدموں میں ہی گزار دوں گا۔ میں نے اس کی جدائی میں اپنے آپ کو دُنیا کی دلچسپیوں میں گم رکھا۔ لیکن میرے دِل کو ایک لمحے کے لئے بھی قرار نہ مل سکا۔ میں اس کے خیالات سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا اور بظاہر ایسا کیا بھی۔ لیکن میں ساری زندگی اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتا رہا۔ میں کبھی بھی اس کے خیالات سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا۔ وہ ہمیشہ میری نظروں میں گھومتی رہی ہر ہر قدم پر اس کی یاد نے میرا پیچھا کیا ہے۔ جب کبھی میں دوستوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ اچانک اس کا مغموم چہرہ میری نظروں میں گھوم جاتا تھا اور میں خاموش ہو جاتا تھا۔ اُس وقت میرے دوست کہتے تھے "یہ تمہاری ہنسی کو اچانک بریک کیوں لگ گیا" دوست ہنسی میں ذرا سے بریک کے بھی روادار نہیں تھے۔

میں جلد سے جلد اپنے لندن جانے کے انتظامات کرتا ہوں۔ میں اپنی ثمرآنہ کو لے کر آؤں گا۔ اور اپنے اس گھر کو جنّت بنا دوں گا۔

[illegible]